U2413. P - 13-1-10

Title — KHILAAFAT-E-SHEKHEEN.

Creator - Meerza Hairat.

Publisher - Karzon Press (Delhi).

Date — 1901.

Pages — 240.

Subjects —

۲۹

اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی کی دوسری کتاب

خلافتِ شیخین

شیعوں اور سنیوں کی مستند اور معتبر تواریخی اور مذہبی کتابوں سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے سوانح عمری ... لکھے گئے ہیں اور جو روایتیں ان بزرگ خلفا کی نسبت شیعی کتب سے ملی ہیں وہ بھی بالتفصیل معہ حوالہ کتب اور اصل عربی عبارت درج کر دی ہیں ٭

مصنفہ

میرزا حیرت مالک و ایڈیٹر کرزن گزٹ و ڈائریکٹر و سکرٹری

اسلامیہ پرنٹنگ و پبلشنگ کمپنی دہلی

سنہ ۱۹۰۱ع

باہتمام مصنف موصوف

کرزن پریس واقعہ شاہ گنج دہلی میں چھپی ۱۳۱۹ھ

محمد قاسم تحریر

تعداد جلد ۱۰۰۰ قیمت عہ

مقدمہ تفسیر الفرقان

(مصنفہ میرزا حیرت)

قرآن مجید کی تفسیرین ہر زمانہ مین صدہا اور ہزارہا لکھی گئین مگر سب کا رنگ الگ الگ رہا اور ایک تفسیر کے پڑھنے کے بعد یہ جی نہ چاہا کہ دوسری تفسیر نہ دیکھی جائے۔ قرآن مجید مین ایک خاص معجزہ ہے کہ ہر زمانہ کے تمدن کے موافق اسکی تفسیر ہو سکتی ہے اور پھر سیاق کلام مجید بھی نہین بدل سکتا۔

مقدمہ تفسیر الفرقان اگرچہ مستقل اور باقاعدہ تفسیر نہین ہے لیکن پھر بھی بجائے خود پوری تفسیر ہے۔ اس کا رنگ دنیا بھر کی تفسیرون سے جدا ہے۔ ہر مضمون کی بہت گہری تحقیق کی ہے اور اسے انتہا درجہ چھانا گیا ہے۔ سائنس اور موجودہ فلسفہ کے اہم اور پیچیدہ مسائل کو اس آسان اردو مین حل کر دیا ہے کہ معمولی اردو لکھا پڑھا شخص بھی باآسانی سمجھ کے لطف اٹھا سکتا ہے۔

وہ نوجوان جو سائنس۔ طبیعیات اور فلسفہ کے آگے سر بسجود تھے میرزا صاحب کی اس تفسیر سے بہت کچھ فائدہ اٹھا رہے ہین ایک مجمع کثیر نے شہر بہ شہر میرزا صاحب کی اس تفسیر کو موجودہ زمانہ کے لئے بہت ضروری خیال کیا ہے۔ مذہبی پہلو کا کوئی مضمون اس مین نہین چھوڑا گیا اور ہر پہلو پر نہایت وضاحت سے بحث کی ہے۔ تفسیر کے مضامین کا مختصر خاکا ذیل مین کھینچا جاتا ہے امید ہے کہ اس کے دیکھنے سے تفسیر کا کسی قدر حال ناظرین کو معلوم ہو جائیگا

(۱) حمد و نعت کے بعد پہلے علمائے اسلام کی بے نظیر تحقیقات (۲) پھر احادیث مفسرہ کی جمع و تنقید پر پوری بحث کی گئی ہے (۳) پھر جو جو اُن کثیر تعداد شعرا کا مختصر تذکرہ کیا ہے جو نزول قرآن مجید کے وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین موجود تھے (۴) اس سے آگے قرآن مجید کے انضباط اور ترتیب پر ایک مستقل باب مین بحث کی ہے (۵) پھر ایک مستقل باب اختلاف قرأت پر ہے (۶) پادری سیل صاحب اور بعض یورپی مصنفین نے جتنے اعتراضات قرآنی مضامین پر کئے ہین اُن کا بالتفصیل جواب ہے۔ حاشیہ مین زرتشتیون کے کل مذہبی اصول اور ان کی الہامی کتابون کا پورا بیان ہے یہ باب بہت طویل اور مفصل ہے (۷) الہام اور وحی پر اسی طرح ایک مستقل باب مین وضاحت سے بحث کی ہے اور یہ بحث بھی شامل دیگر مباحث کے اصول سائنس پر کی گئی ہے (۸) جادو کی بحث بھی منجملہ اور بحثون کے بہت ہی دلچسپ ہے ہزارہا برس کے تعویذ اور گنڈون کا پتہ لگایا ہے جو مصریون مین استعمال کئے جاتے تھے اور انہین ہمہ دان طور پر درج کر دیا ہے (۹) دعا و اجابت دعا۔ اس مضمون کو بھی طبیعیات اور سائنس سے لکھا ہے (۱۰) روح کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس کا تعلق بالکل علوم جدیدہ سے ہے۔ روح کے اقسام بتائے گئے ہین اور پھر قرآنی روح کی بابت بالتفصیل بحث کی گئی ہے۔ حکما اور علمائے اسلام کے اقوال متعلق روح بیان کئے ہین اور پھر میرزا صاحب نے اس پر اپنی رائے دی ہے (۱۱) مسئلہ تقدیر کی بحث ایک عجیب تر بحث ہے جو آج تک پہلے نہین کی گئی اور اسی مسئلہ پر مسلمانون کی قسمتون کا بہت کچھ دارومدار ہے (۱۲) ناسخ و منسوخ کی بحث بھی بہت بڑی دلچسپ اور نازک ہے۔

(۱۳) قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا ایک علیحدہ باب ہے جسے ناظر سمجھ سکتا ہے کہ وہ کس قدر دلچسپ ہوگا (۱۴) جہاد کی بحث بھی ویسی مفصل اور دلچسپ ہے جو آج تک کم کی گئی ہے (۱۵) معجزہ اور نبوت کی بحث نے تو کتاب کا رنگ دوبالا کر دیا ہے (۱۶) کثرت ازدواج کا باب بھی بہت بڑا ہے (۱۸) اسلام کی بحث تو کئی اجزا مین ختم ہوئی ہے (۱۹) ربوا کے متعلق جو بحث کی گئی ہے وہ اپنی طرز مین نرالی ہے۔ اصلی حقیقت ربوا کی کھول دی گئی ہے۔

مقدمہ تفسیر ۶۰۰ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ تقطیع معمولی کتابون سے بڑی ۲۲-۲۹ ہے کاغذ ولایتی ہے باین ہمہ اس ضخیم کتاب کی قیمت مع محصول ڈاک صرف [illegible] روپئے ہین۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے خریدے قیمت قریب اصل لاگت کے برابر رکھی گئی ہے جلدین بہت کم رہ گئی ہین جہان تک ممکن ہو بہت جلد درخواست آنی چاہئین کیونکہ اگر کل جلدین فروخت ہوگئین تو پھر دوسری اشاعت کا انتظار کرنا پڑے گا۔

المشتہر

مینیجر۔ کرزن گزٹ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ خلافت

قرآن مجید نے کوئی فیصلہ خلافت کے متعلق نہیں کیا اگرچہ ہمارے بھائی شیعوں نے بعض آیات قرآنی سے خلافت کے متعلق بحث کی ہے لیکن وہ بحث ایسی ہے کہ الفاظ قرآنی سے اُسکا زیادہ تعلق نہیں ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ مطالب فہمی کے چسپاں کرنے میں انتہا علم دماغ اور منطق کو کام میں لایا گیا ہے۔ ہم ان تمام بحثوں کو بحیثیت ایک مورخ اور محقق ہونیکے زیادہ وقعت سے دیکھتے ہیں۔ علمائے شیعی نے جو جو قابل قدر بحثیں اس مسئلہ میں کی ہیں اُن سے کسی طرح بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ہر موقع پر داد دینے کو جی چاہتا ہے اور ہم ہر پہلو پر آفرین کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بڑی تعریف کے قابل یہ بات ہے کہ جس بحث کو اُٹھایا اُسے ایک حد

تک اچھا نبھایا اور ایسا نبھایا کہ ایک بے تعصب مورخ ضرور اُس کی داد دے گا +

خلافت اور خلفا کے متعلق اُن کی اکثر دلچسپ بحثیں دیکھی گئی ہیں اور وہ کل بحثیں اپنی اپنی جگہ ایک خاص وقعت رکھتی ہیں جنہیں تعصب کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی بڑی بڑی لاجواب کتابیں اس اہم اور لاینحل مسئلہ کی نسبت تصنیف ہوئیں اور اِن پر تمام مذہبی علوم کا اسقدر زور لگایا گیا کہ کوئی پہلو باقی نہیں رہا بہت سی باتیں جو بالکل تاریکی میں پڑی ہوئی تھیں روشنی میں آگئیں اور بہت سے امور جن پر تیرہ سو برس سے پردہ پڑا چلا آتا تھا اخیر اس اسلامی صدی کے آغاز میں اُٹھا دیا گیا +

ایران اور ہندوستان کے شیعی علما میں زمین آسمان کا تفاوت ہے اور یہ تفاوت اُنکی مصنفہ کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ ایران اگرچہ شیعی مذہب کا مامن اور گہوارہ ہے لیکن جو باریک بینی خداوند تعالیٰ نے سرزمین ہندوستان میں ودیعت کی ہے وہ کسی دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہندوستان کا مرز و بوم اپنی نوعیت میں نرالا ہے۔ اس میں خیالات کی وسعت۔ ذہن کی تیزی۔ روحانی ترقی اور ادراک کی قوت خود بخود پیدا ہوتی ہے اور اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ ہندوستان ہر حالت میں ایران سے فوق لے گیا۔ یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ ہندوستان کے علماء کے باپ دادا سب عربی یا ایرانی نژاد تھے لیکن تسلیم کرنا پڑے گا کہ سالہا سال گزر جانے پر اُن کے محسوسات خیالات۔ معاشرت تمدن میں بین تبدیلی پیدا ہو گئی تھی اور یہ تبدیلی اگرچہ پہلے پہلے محسوس نہیں ہوئی لیکن آخر میں جا کے نمایاں ہو گئی تھی اور یہ باطنی تبدیلی ایسی نمایاں ہوئی کہ آنکھوں سے دکھائی دینے لگی یہاں تک کہ ایک اندھا بھی ٹٹول ٹٹول کے اس تبدیلی کو پا سکتا ہے +

سُنّی ہوں یا شیعہ قیامت تک ایران کے ممنون احسان رہیں گے سینوں

شیعوں میں جتنے علما گزرے ہیں اُن کی بڑی تعداد ایرانی ہے۔ عربی شاید فیصدی مشکل سے پانچ نکلیں گے یہ ایرانی علما کا احسان ہے کہ اسلام کو اسقدر وسعت ہوگئی اور وہ اپنی محدود حالت کو چھوڑ کے ایک ایسے وسیع میدان میں آگیا جس کی کوئی حد و پایاں نہیں قرآن مجید کی ہزاروں تفسیریں لکھی گئیں اور مسائل کی بال کی کھال کر کے دکھائی گئی۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ شیعی مذہب نے ہندوستان میں آنے سے پہلے ایران میں جنم لے لیا تھا لیکن اُس زمانہ میں یہ مذہب اگرچہ سلطنت کا ہو گیا تھا پھر بھی اس نے اتنی کشادگی حاصل نہیں کی تھی اور یہ موشگافیاں جو ہندوستان میں آکے کی گئیں کبھی ایرانی علما کے خواب میں بھی نہیں آئی تھیں +

ایران حضرت فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں فتح ہوا تھا لیکن حضرت شہربانو جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے نکاح میں آئیں تو گویا اہل بیت کا حق ضرور قایم ہو گیا اس میں شک نہیں کہ حضرت شہربانو اپنے جہیز میں ایران نہیں لائی تھیں لیکن نکاح ہونے سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کا ظاہر نہیں تو پوشیدہ ایران کی سلطنت پر حق ضرور قایم ہو گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کبھی اُس حق کا دعوے نہیں کیا نہ آپ کو اُسکے بعض آرے کرنے کا کبھی خیال ہوا لیکن ہاں آپ کی اولاد نے ہمیشہ ایران پر اپنا حق سمجھا اُسکا نزاع اس سمجھنے سے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں اور مدت تک مسلمانوں کا ایک گروہ دماغ اور خون میں نہاتا رہا۔ اخیر اس حق کے دعووں نے اپنا رستہ خون اور آگ میں ہو کے زیادہ اور ایران میں شیعی مذہب کا ڈنکا بج گیا۔ اول ہی اول جب شیعی مذہب ایران سے کسی پہنچا ہے سلطنت کا مذہب سُنی تھا لیکن رفتہ رفتہ شیعی مذہب کو دربار میں بھی پہنچنے کی راہ مل گیا اور چند روز کے بعد حکمراں خاندان بھی شیعہ ہو گیا +

اس زمانے میں یا اس سے پہلے شیعی مذہب صرف دو باتوں میں محدود تھا ایک یزید کو بُرا کہنے اور دوسرے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اور خلفا سے افضل ماننے پر سوا اسکے خلافت وغیر خلافت یا خلیفہ بلا فصل ماننے کا کوئی جھگڑا نہ تھا تیسری صدی کے اختتام تک کوئی کتاب شیعی فرقہ کی نہیں لکھی گئی چوتھی اور پانچویں صدی کے آغاز میں جو کتابیں شیعی فرقہ کی تصنیف ہوئیں اور جنہیں ابھی تک بعد از قرآن بلکہ مثل قرآن تسلیم کیا جاتا ہے اُن میں مخالفت صحابہ کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے بلکہ اکثر ایسی روایتیں اِن مقدس کتابوں میں ضرور ملتی ہیں جن میں صحابہ کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ مقدس روایتیں حضرت باقر علیہ السلام کے نام مبارک سے نسبت دی جاتی ہیں اور نہایت رسوخ سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خاص آپ نے اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا ہے۔ ہم اِن اقوال کو آئندہ بیان کریں گے ؛

دو صدی کامل تو کوئی جھگڑا سنّی شیعوں میں نہیں ہوا لیکن جب ملکی جنگیں شروع ہوئیں تو مذہب نے بھی رنگ بدلا اور اب اُس میں بھی تراش خراش پیدا ہونے لگی ایک نیا گروہ پیدا ہوا جس نے اہل بیت کی پہلی روایتوں کو غلط تو نہیں بتایا بلکہ یہ کہدیا کہ انہوں نے سلطنت کے خوف سے یہ تعریف کر دی تھی۔ اس عجیب دعوے کے بعد یہ ضرور ہوا کہ وہ روایات کی ضد جدید روایتیں پیدا کریں تاکہ پہلی روایتیں غلط ثابت ہوں چنانچہ جدت پسند اور ذہین شیعی علما نے ائمہ پاک کے نام سے وہ وہ روایتیں ایجاد کیں جنکے پڑھنے سے دماغ کی قوت۔ خیالات کی جولانی اور مشرقی مبالغہ کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس رنگ کا پیدا ہو جانا بہت ہی خطرناک تھا یہ روز بروز ترقی کرتا گیا کیونکہ سلطنت کے جھگڑے ختم نہیں ہو سکتے تھے پھر جدید مذہب کی اشاعت میں کیوں نہیں ترقی ہوتی

اور جس رنگ سے اُسے رنگا گیا تھا وہ کیوں نہیں اپنی چمک دیتا۔

دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا ہوئی کہ اُس میں برائیاں اور خوبیاں دونوں نہ ہوں حتے کہ شراب جیسی نجس شے میں خود خداوند تعالیٰ نے کثیر نقصان کے مقابلہ میں اُسکے قلیل منافع بھی تسلیم کئے ہیں۔ اس سے زیادہ اس امر کی کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ دنیا کی بُری سے بُری چیز میں بھی ضرور کوئی خوبی ہے اور اس خوبی سے انکار کرنا خدائے قادر مطلق کی قدرت کاملہ کا انکار کرنا ہے۔ یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ دنیا بلکہ کائنات میں اشرف انسان کو مانا گیا ہے ہم سوال کرتے ہیں آیا بُرے سے بُرے انسان میں بھی کوئی خوبی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس قدرتی اور بدیہی بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا پھر سخت تعجب کا مقام ہے کہ صحابہ ثلاثہ میں اتنی بُرائیاں پیدا کی گئی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں اور اسبات کے ثبوت دینے میں کوشش کی گئی ہے کہ گویا بدترین خلائق یہ لوگ تھے اگر بُرائیوں کے ساتھ کچھ نیکیاں بھی بیان کر دی جائیں تب بھی قابل تسلیم ہو سکتی تھیں مگر شیعی علما کو اس بات میں سخت ناکامی ہوئی کہ اُنہوں نے صرف بُرائیوں کے خواہ وہ فرضی ہوں یا اصلی دفتر کے دفاتر سیاہ کر دیئے۔ ہم اِن دفاتر کو بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ اِن دفتروں میں بعض اَدعوب میں بڑے بڑے علما کے گرانمایہ اوقات کا خون ہوا ہے اور بڑی بڑی قابلیتیں اُنکا زور اِس میں لگی ہیں کاش یہ موشگافیاں اور ضروری مسائل میں ہوتیں تو بہت کچھ فائدہ دماغ اُٹھ رہا تھا مگر وہ علما بھی معذور تھے سلطنت کی کشیدگی نے یہ مخالفانہ سروح پیدا کر دی زیادہ اردو فریق ہونے سے ایک نیا اسلام پیدا ہو گیا تھا۔

سے کسی مذہب کی تاریخ بھی ایک عجیب تاریخ ہے۔ بڑے بڑے اُتار چڑہاؤ ہو گئے۔ جدید پہنچے خیالات نے ہجوم کیا اور پھر وہ پراگندہ ہو گئے خونریزیاں ہوئیں۔ خاندان برباد ہو گئے

اور ہزاروں گھر بے چراغ ہوگئے لیکن بجائے فیصلہ کے پیچیدگی بڑھتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے بیسیوں گروہ شیعی مذہب میں سے پیدا ہوگئے اور اُنہوں نے اپنے جدید خیالات اور طباعی سے وہ باتیں پیدا کیں کہ اسلام کی اصلیت بالکل مٹ گئی۔ حضرت علی بجائے خلیفہ بلافصل ہونے کے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دئے گئے اور یہ بھی دعوےٰ کیا گیا کہ حضرت علی کے پاس خداوند تعالیٰ نے وحی بھیجی تھی جبرائیل بھولے سے محمد رسول اللہ کے پاس لیگئے اور جبرائیل کی اس فروگزاشت سے فائدہ اُٹھا کے آنحضرت نبی بن بیٹھے یہانتک بھی خیر تھی اگر خیالات کا سیلاب اسی حد تک رہتا تو بہت درست تھا غضب یہ ہوا کہ یہ سیلاب اور آگے بڑھا اور اس نے خدا کی خدائی کو بھی آب برد کر دیا یعنی خدا کو لاشئے محض حضرت علی کے مقابلہ میں مانا گیا اور یہ تسلیم کیا گیا کہ خدا حضرت علی کی صورت میں نازل ہوا تھا۔ دوسرا فریق پیدا ہوا اُسنے کُل پیغمبروں سے حضرت علی کے آگے سجدہ کرایا اور صاف کہدیا کہ جو پیغمبر حضرت علی پر سر تسلیم خم نہ کرے گا وہ قطعی جہنمی ہوگا۔ ایک تیسرے فریق نے حضرت علی کو خدائے کائنات کا بڑا بھائی بنایا۔ ایک اور فریق ہوا جسنے حضرت علی کی تصویر کے آگے سجدہ کیا +

ایک طرف سے تو یہ غضب برپا ہو رہا تھا اور دوسری جانب کُھلے بجا ؤ حضرت علی پر تبرّے بازی ہو رہی تھی عام خطبوں میں وعظوں میں معمولی گفتگو میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالیاں دی جاتی تھیں اور ان ہی گالیوں کو نجات اُخروی کا بڑا سبب گنا جاتا تھا یہانتک کہ مساجد میں یہ لکھدیا گیا تھا جو حضرت علی پر تبرا نہ کہے وہ قتل کر ڈالا جائے۔ اس افراط تفریط نے اصلی اسلام کا لوگوں کے علم اور خیال سے نام و نشان مٹا دیا اور لاکھوں میں سے ایک مسلمان بھی ایسا نہ رہا تھا جو یہ جانتا ہو کہ حضرت رسالتماب کون تھے

حضرت علی کیا تھے جبرائیل اور خدا کیا چیز ہے۔

ان برباد کن خیالات کا سیلاب شام۔ عرب۔ مصر۔ ایران اور ہندوستان کو ہڑپ کر گیا اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت ہوگئی کہ صحابہ کے برا کہنے کو اسلام کہنے لگے بنی فاطمہ کے ایک بادشاہ نے صدہا من کشمش صرف اس لئے دریا میں ڈلوادی تھی کہ اُسے کہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت بھاتی تھی۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائیوں نے ایک نیا مذہب بعد میں آنے والی نسلوں کا بنا دیا۔ غلطی صرف یہ ہوئی کہ ملکی معاملات کو مذہبی رنگ پہنا دیا گیا۔ پھر کیا تھا چاروں طرف ایسے ہی طوفان بے تمیزی اُٹھے اور جدّت پسند ایرانیوں نے اُن ملکی لڑائیوں سے نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ پھر یہ غضب ہوا کہ ایک بے درد کے ہاتھ سے کوفہ کی مسجد میں حضرت علی شہید کر ڈالے گئے سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا۔ حضرت علی کی شہادت کا زمانہ سخت پر طوفان تھا زبردست گروہ جسکا نام بعد ازاں خارجی ہوا بڑی قوت پکڑ گیا تھا آپکے معتقدوں کی تعداد بہت کم تھی۔ خوف اسقدر تھا کہ آپکے جنازہ کو چھپ کے ایک پوشیدہ مقام پر اس خوف سے دفن کیا گیا مبادا خارجیوں کو معلوم ہو جائے اور وہ جنازہ کو قبر میں سے اُکھیڑ کے لیجائیں یہی وجہ ہے کہ آج تک حضرت علی کرم اللہ وجہ کے مزار مقدس کا پتہ نہ لگا۔ آپکے معتقدین نے کئی صدی کے بعد یہ مشہور کر دیا کہ جب کجاوے پر آپکے تابوت کو رکھ کے اونٹ کو چھوڑا ہے اور وہ دو بلند پہاڑوں کے بیچ میں سے گزرا تو پہاڑیوں کی چوٹیوں نے اس تابوت کو الگ اُٹھا لیا۔ چند روز تک وہ تابوت لوگوں کو دکھائی دیتا تھا لیکن جب بداعمالی زیادہ بڑھی تو وہ تابوت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ آپکے بعد پھر حضرت امام حسن علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت اور اُسکے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی دردناک

شہادت نے اسلامی گروہوں میں قیامت تک عداوت کا بیج بو دیا۔ ان شہادتوں کی بنا اگرچہ صریح طور پر ملکی معاملات تھے لیکن انہوں نے خود بخود مذہبی جامہ پہن لیا اور ان شہادتوں کی نسبت وہ وہ مبالغہ آمیز روایتیں تراشی گئیں جنہوں نے اسلامی دنیا میں ہمیشہ کے لئے ہلچل ڈالدی +

حضرت ابوبکر کی خلافت ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نفس خلافت کی بحث کو حضرت ابوبکر سے شروع کریں کیونکہ سب سے پہلے ہمیں آپ ہی کے متعلق لکھنا ہے اور آپ ہی خلیفہ اوّل تھے۔ اس بحث میں جو ہم آیندہ کرینگے اسبات کا فیصلہ ہو جائیگا کہ آپ کی خلافت حق پر تھی یا ناحق پر اور آپکو استحقاق خلافت کیونکر پہنچا تھا اور کیا وجہ تھی کہ حضرت علی خلیفہ نہیں ہوئے۔ یہ بحث مذہبی پیرائے میں نہیں ہوگی بلکہ مورخانہ طور پر اس قدیم اور متنازعہ فیہ مسئلہ میں بحث کی جائیگی اور شیعہ سنی دونوں گروہوں کی روایتوں پر غور کیا جائیگا اور ایک ایک روایت کی پوری جانچ پڑتال کی جائیگی کہ آیا شیعہ حضرت ابوبکر کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں اور آیا وہ اپنے خیال میں مستحکم بھی ہیں یا نہیں پھر سنی حدیثوں کو پرکھا جائے گا اور ہر حدیث کو عقل سے جانچا جائے گا کہ کہاں تک صحیح ہے +

اختلاف روایات شیعی روایتیں خواہ وہ اصلی ہوں یا فرضی حضرت ابوبکر کے بارے میں سخت مختلف ہیں۔ دونوں ہی طرح کی روایتیں پائی جاتی ہیں یعنی وہ بھی روایتیں موجود ہیں جنمیں خوب تعریف کی گئی ہے اور وہ بھی روایتیں موجود ہیں جن میں گالیاں دینے میں قوت متخیلہ کی پوری بانگی دکھادی گئی ہے عقل باور نہیں کرتی کہ ان اختلافی روایتوں کو مانا جائے اور انہیں بغیر سخت جانچ کے تسلیم کر لیا جائے۔ ہمیں ان روایتوں کے جانچنے کے لئے دو معیاروں کی ضرورت ہوگی ایک معیار تو وہ ہوگا جسکو خود شیعہ پیش کرتے ہیں دوسرا

معیار وہ ہوگا جو ہم خود قرار دیں گے شیعوں کے پاس سوائے اسماء الرجال کے اور کوئی دوسرا معیار نہیں ہے جس میں راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی بحث ہے اس میں بھی بہت بڑا اختلاف ہے ایک راوی جو دو راویوں کے آگے انتہا درجہ متقی اور صادق قرار دیا گیا ہے دوسرے دو راویوں کے آگے فاسق اور کاذب ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو جھوٹا اور کس کو سچا تسلیم کیا جائے۔ عام طور پر کل راویوں کی یہی نوبت ہے اگر یہ بھی نہ ہوتا اور راویوں کی جانچ میں جو انہوں نے آپس میں کی ہے اختلاف نہ ہوتا تب بھی اسماء الرجال سے ہم روایت کی صحت اور غیر صحت نہیں جانچ سکتے تھے۔ اکثر بلکہ کل روایتیں بالمعنے بیان کی گئی ہیں اور انکا ظہور اسلام کی چوتھی یا پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ہوا کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ تین سو برس کے بعد ایک کتاب ترتیب دی جائے اور اس شخص کے مقولے درج کئے جائیں جسے گزرے ہوئے تین سو یا دو سو برس ہوئے ہوں اور اس زمانہ سے اب تک صدہا انقلابات بھی ہو گئے سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی یہانتک کہ گڑے ہوئے شاہوں کی لاشیں قبروں میں سے اکھیڑ کے پھینک دی گئیں اس انقلاب عظیم میں جو خاص مسلمانوں میں ہوا آیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے احادیث جمع کرنے والوں کو سچی حدیثیں پہنچ سکتی ہوں اور انہوں نے ائمہ پاک کے اقوال فراہم کر لئے ہوں۔ روایتوں کے بڑے حصہ کی بنا اختلاف مذہب اور سلطنتوں کا تغیر و تبدل ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ ایسی مضحکہ خیز روایتیں ان کتابوں میں دخل پا جاتیں جن کی وقعت مجذوب کی بڑ اور ایک مجنوں کی بکواس سے ہرگز زیادہ نہیں ہو سکتی اور جنہیں دیکھکر ایک کم عقل بچہ بھی لغو اور خلاف قیاس کہہ سکتا ہے۔

جو روایتیں حضرت ابوبکر صدیق کی امامت اور خلافت کی نسبت شیعوں کی مستند کتابوں سے ملی ہیں ان کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کتاب کو حق ناحق میں امتیاز کر سکنا

موقع ملے۔ اور اسے معلوم ہو جائے کہ روایتوں کا طوفان بے تمیزی خاص اس معاملہ میں کس قدر امڈ رہا ہے اور ایک معمولی معاملہ کو کتنا طول دیا گیا ہے ان روایتوں میں جہاں پوری جدت دکھائی گئی ہے وہاں مشرقی مبالغہ کو بہت آب و تاب کے ساتھ حد تک پہنچا دیا ہے اور کوئی شخص نہیں خیال کر سکتا کہ اس سے زیادہ مبالغہ دنیا میں اور ممکن ہے ۔

آنحضرت کا حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز پڑھنا

شیعی روایتوں سے اسبات کا پتہ ضرور لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو نماز پڑھانے کی اجازت دیدی تھی اور وفات سے ایک دو دن پہلے ایسا اتفاق ہوا کہ خود صدیق اکبر کے پیچھے رسالت مآب نے نماز پڑھی۔ چنانچہ علی الصباح دو شنبہ کے روز آپ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا گیا۔ آپ میں مرض کی وجہ سے باہر آنے کی طاقت نہ ہوئی حضرت صدیق کی قرأت میں طول ہو گیا تھا چند لمحے کے بعد آپ نے مسجد میں آنے کا ارادہ فرمایا اور فضل بن عباس اور ایک غلام کے کندھوں پر سہارا لگا کے آپ حجرہ کے باہر مسجد میں تشریف لائے جب حضرت ابوبکر نے یہ دیکھا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں آپ مصلے سے سرکنا چاہتے تھے کہ آنحضرت نے دست مبارک سے حضرت صدیق کا دامن پکڑ کے وہیں کھڑا کر دیا اور آپ معہ اپنے رفیق کے صف میں داخل ہو گئے چونکہ ضعف حد سے زیادہ تھا آپ سے کھڑا نہ ہوا گیا اس لئے آپ نے بیٹھ کے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کچھ دیر آپ مسجد میں قیام پذیر رہے صحابہ کو بعض مہمات کا حکم دیا اور پھر حجرہ میں اسی طرح سہارے سے واپس تشریف لے آئے۔ اس روایت پر شیعی علما نے پھر رائے دی ہے کہ ضعف کی وجہ سے ایسا ہوا دوسرے حضرت رسالت مآب نے خوف سے ہوں نہ کی مبادا فساد ہو جائے ۔

ایک اور عجیب روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی شیعوں کی معتبر کتابوں میں چمک رہی ہے اور وہ یہہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے محض دہوکے طور پر اپنے باپ کی امامت کی مخالفت کی تھی آپ نے بضد ہو ہوکے آنحضرت سے کہا کہ میرے باپ کو ہرگز امام نہ بنانا کیونکہ لوگ اُس سے حسد کریں گے اور اُس کے دشمن ہو جائیں گے آپ نے فرمایا کہ تو مثل زلیخا کے ہے کہ مجھے ناحق امامت کے معاملہ میں پریشان کرتی ہے +

حضرت علی کی امامت سے حضرت رسالت مآب کا انکار کرنا

مناقب مرتضوی جیسی ایک معتبر اور مستند کتاب میں یہہ لکھا ہوا ہے کہ ایک روز خداوند تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت رسالت مآب کے پاس بھیجا کہ امامت حضرت علی کو دیدو اور اس کی ایک دستاویز لکھدو۔ حضور انور نے کہا خدا سے کہدینا میں ابھی ایسا نہیں کرسکتا اگر میں ایسا کردوں تو لوگ مجھپر تہمت لگادیں کہ اس نے اپنے عزیز و اقریب کو امامت دیدی باہم سخت مخالفت ہوجائے گی اور قریش اپنے بغض و حسد کو ظاہر کرنے لگیں گے ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں جب مدینہ پہنچوں گا تو اُسکا سرانجام کردونگا اس سفر میں مجھسے کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہہ سنکے حضرت جبرئیل آزردہ ہوئے اور حضرت رسالت مآب کا سارا عذر بیان کردیا سنتے ہی خداوند تعالیٰ کو غصہ آیا اور سخت عتاب نازل ہوا اور دوبارہ حضرت سے کہلاکے بھیجا کہ کیا تو علی کو خلیفہ کر ورنہ تیرا نام بھی پیغمبروں کی فہرست میں سے کاٹ دیتا ہوں +

حضرت صدیق کی خلافت

ابتدا سے شیعی علما کی یہہ رائے ہے کہ حضرت صدیق کی خلافت میں اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سنیوں کی معتبر کتابیں صحیحین کو پیش کرتے ہیں جنمیں لکھا ہے کہ حضرت علی نے ہرگز بیعت نہیں کی ہاں چھ مہینے کے بعد جب بی بی فاطمہ خاتون محشر کی وفات ہوگئی اور آپکا پشت پناہ کوئی نہ رہا تو ناچار آپنے بیعت کرلی سوائے خبر احاد کے اور کوئی صورت اسکے ثبوت کی

نہیں ہے کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی عام طور پر یہہ بات مشہور ہے کہ بیعت بعد میں ہوئی لیکن یہہ بات بالکل غلط ہے جس کو ہم آگے ثابت کریں گے جہانتک اختلافی روایات کو دیکھا جاتا ہے یہہ پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ حضرت رسالت مآب کا دلی منشا حضرت صدیق کو خلیفہ بنانے کا تھا اگرچہ آپنے خاص مصلحت سے اسکا اظہار نہیں کیا چنانچہ فاضل باقر مجلسی بحار میں اس بات کو قبول کرتا ہے جیسا کہ اس روایت میں بیان ہوا ہے[1] عبداللہ بن زمعہ کا بیان ہے کہ میں شدت مرض کی حالت میں حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر تھا بلال نے عرض کیا حضور مسجد میں لوگ منتظر ہیں آپنے ارشاد کیا کسی سے کہو کہ نماز پڑھا دے میں باہر نکلا تو پہلے مجھے عمر ہی مل گئے میں نے کہا عمر تم ہی نماز پڑھا دو یہ سنتے ہی وہ کھڑے ہو گئے جب انہوں نے تکبیر کہنی شروع کی چونکہ آواز بلند تھی رسول خدا نے سن لی آپنے ارشاد کیا کہ خداوند تعالی اور مسلمان جب تک ابو بکر زندہ ہے کسی کے پیچھے نماز پڑھنے سے رضامند نہیں ہیں فوراً ایک شخص کو بھیجا کہ ابو بکر صدیق کو بلا لائے اسکے بعد سے یہہ حکم ہو گیا کہ مرض کی حالت تک ابو بکر ہی نماز پڑھائے یہانتک کہ حضور انور کی وفات ہو گئی" باقر مجلسی نے تو بحار میں اس روایت کو نقل کیا ہے مگر اس کے علاوہ اور شیعی علما نے بھی اس روایت کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ مگر فاضل مجلسی نے اپنی دوسری کتاب حیات القلوب میں اس روایت کو دوسری طرح بیان کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے

---

[1] روی الزہری عن عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمن عن ابیہ عن عبد اللہ بن زمعۃ ابن الاسود قال کنت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو علیل فدعاہ بلال الی الصلوۃ فقال لنا مروا من یصلی بالناس قال فخرجت فاذا عمر فی الناس وکان ابو بکر غائبا فقلت قم یا عمر فصل بالناس فقام عمر فلما کبر سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوتہ وکان مجہرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاین ابو بکر یابی اللہ ذلک والمسلمون فبعث الی ابی بکر فجاءہ بعد ان صلی عمر تلک الصلوۃ فصلی بالناس طول غیبتہ حتی مات

خیالات میں ملکی معاملات کی وجہ سے کچھ تبدیلی آگئی تھی یا وہ بیچارہ بھول گیا تھا کہ پہلے میں کیا لکھ آیا ہوں اور اب کیا لکھ رہا ہوں چنانچہ حیات القلوب میں اس روایت کو یوں بیان کرتا ہے "بیماری کے دنوں میں حضور انور دو ایک روز ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پاس رہے تھے۔ پھر عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے اور ازواج کو گانٹھا اور حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کچھ عرض کر کے حضور انور کو اپنے گھر لے گئی جب حضرت رسالتمآب عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گئے تو مرض کی اور زیادہ شدت ہو گئی۔ بلال صبح کی نماز کیلئے آئے اسوقت حضرت رسالتمآب عالم قدس میں مشغول تھے جب بلال نے نماز کی آواز دی حضرت رسالتمآب بیدار نہیں ہوئے۔ اتنے میں عائشہ نے کہا ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھا دے اور حفصہ نے کہا نہیں عمر سے کہو کہ نماز پڑھا دے آنحضرت نے جب یہ آوازیں سنیں اور انکی غرض فاسد کو دیکھا ارشاد کیا کہ ایسی باتیں مت کرو تم مثل ان عورتوں کے ہو جو یوسف کو چاہتی تھیں اور جب حضرت نے حکم دیا کہ ابوبکر و عمر اسامہ کے لشکر کے ساتھ چلے جائیں تو وہ نہ گئے اور عائشہ اور حفصہ کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ فتنہ کرنے کیلئے مدینہ میں واپس چلے آئے ہیں یہ سنکے آپ بہت غمگین ہوئے اسی شدت مرض میں اٹھے مبادا ابوبکر و عمر نماز پڑھا دیں اور لوگوں کو شبہ ہونے لگے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب اور فضل بن عباس کے کندھوں پر ہاتھ رکھکے باہر مسجد میں تشریف لائے ضعف اسقدر تھا کہ آپ اپنے پیر گھسیٹ کے چلتے تھے جب آپ محراب کے پاس پہنچے تو دیکھا ابوبکر امام بنے ہوئے ہیں آپ نے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جا جب وہ پیچھے ہٹے تو آپ جا کھڑے ہوئے اور پھر بیٹھ گئے بیٹھ کے ہی نماز پڑھائی۔ اور نماز اول ہی سے پڑھائی اُس نماز پر اعتبار نہ کیا جو ابوبکر پڑھا چکے تھے نماز پڑھنے کے بعد پھر آپ اپنے حجرہ میں چلے آئے۔ پھر ابوبکر و عمر اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو بلایا اور ارشاد کیا کیا میں نے اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانیکا تمہیں حکم نہیں دیا تھا

ابو بکر و عمر نے عرض کیا درست ہے حکم دیا تھا حضور نے ارشاد کیا پھر میرے حکم کی تم نے
کیوں نہیں اطاعت کی ابو بکر نے جواب دیا کہ میں باہر جا کے واپس چلا آیا کہ دوبارہ آپ سے عہد کو
تازہ کروں عمر نے کہا میں باہر جا کے اسلئے واپس چلا آیا یا رسول اللہ تیری خبر دوسرے سے
نہ سنوں بلکہ خود تجھسے تیری مزاج پرسی کروں۔ پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ لشکر اُسامہ کو روانگی
کا حکم دیا جائے اور تم دونوں بھی لشکر اُسامہ کے ساتھ جاؤ خدا لعنت کرے اُسپر جو لشکر اُسامہ
سے روگردانی کرے تین بار اس جملہ کو فرمایا اور پھر حضور انور بیہوش ہوگئے کیونکہ آپکو اول تو
ابو بکر و عمر کی کارروائی سے غصہ زیادہ آیا تھا دوسرے مسجد میں جانے کی تکان ہوگئی تھی
آپ کو منافقوں کے ناپسندیدہ اطوار سے بہت ہی رنج ہوا تھا آپ ان کے فاسد فتنوں سے
خوب واقف تھے مسلمان رونے لگے اور حضرت رسالت مآب کی بیویاں اور بچے بھی پکار پکار کے
روئے شور ماتم برپا ہوا۔ اس شور و غوغا سے حضور انور نے چشم مبارک کھولی اور اونکی طرف
نظر کرکے فرمایا کہ دوات اور بکری کا چمڑا لاؤ کہ میں تمہارے لئے ایک نامہ لکھ جاؤں تاکہ
میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ ایک صحابی اُٹھے کہ دوات اور قلم اور گوسپند کا چمڑا لے آئیں عمر نے
کہا کہاں جاتے ہو یہ شخص ہذیان بک رہا ہے اسپر بیماری کا پورا غلبہ ہوگیا ہے ہمارے لئے
کتاب اللہ بس ہے۔ جو لوگ اُسوقت موجود ہیں ان میں اختلاف ہے کوئی تو کہتا ہے کہ یہ قول
ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے عمر کا ہے اور کوئی کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ہے۔ اور اُن کا مقولہ ہے کہ ایسی صورت میں کس کی مجال تھی جو رسول خدا سے مخالفت
کرتا۔ پھر دوسری دفعہ رسول کریم سے دریافت کیا آیا جو کچھ حضور نے طلب کیا تھا
ہم لائیں حضور نے ارشاد کیا کہ جو باتیں میں نے تمہاری زبان سے سُنی تھیں
اُن سے اب مجھے دوات و قلم منگانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ وصیت

کرتا ہوں کہ تم میرے اہلبیت سے نیک سلوک کرنا پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور وہ سب اٹھ کے چلے گئے بے نظیر کتاب بحار کی دوسری روایت یہ ہے "جب آنحضرت کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر نماز پڑھا رہے ہیں تو آپ اسی شدت مرض میں تشریف لائے اور ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کے الگ ہٹا دیا جب آپ نماز پڑھ چکے تو ابوبکر و عمر دونوں بھاگ گئے اور شل جنین کے رحم کے پردہ میں پوشیدہ ہو گئے۔

ایک اور عجیب و غریب روایت حضرت امام باقر و صادق علیہ السلام کے نام سے حیات القلوب میں درج کی گئی ہے جو بہت ہی دلچسپ ہے اور جسکی اصلیت ایک بچہ بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے وہ روایت یہ ہے "حضرت علی کسی ضرورت کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے آنحضرت کے پاس سے چلے گئے حضرت نے ارشاد کیا کہ میرے دوست بھائی کو بلاؤ عائشہ اور حفصہ نے اپنے اپنے باپ کو بلا لیا حضرت نے ان دونوں کی صورت دیکھکر اپنے اوپر چادر اوڑھ لی اور منہ پھیر لیا جب وہ دونوں چلے گئے تو آپ نے منہ کھول دیا اور ارشاد کیا کہ میرے خلیل میرے حبیب اور میرے بھائی کو بلاؤ۔ دونوں بیویوں نے پھر دونوں کو بلا لیا آنحضرت انہیں دیکھ کے بہت خفا ہوئے۔ بیویوں نے پوچھا کیا آپ علی کو بلاتے ہیں چنانچہ فاطمہ زہرا نے علی امیرالمومنین کو طلب کیا حضرت رسالت مآب بہت دیر تک حضرت علی کے ساتھ سرگوشی کرتے رہے اور ابوبکر و عمر باہر کھڑے رہے جب حضرت علی باہر نکلے تو دونوں نے پوچھا تجھسے حضور انور کیا کہتے تھے علی نے جواب دیا کہ مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کئے اور وہ ایسے باب ہیں کہ ہر باب سے ہزار باب مفتوح ہو جاتے ہیں"۔

ہمیں اس روایت پر مذہبی طور پر نکتہ چینی کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے ہم کوئی مذہبی کتاب نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ ایک تاریخ لکھ رہے ہیں مگر ہم اتنا کہتے ہیں کہ معمولی عقل والا بھی اس روایت کو یا اس جیسی اور روایتوں کو تسلیم نہیں کر سکتا حضرت فاطمہ زہرا کا وہاں

ہونا اور حضرت عائشہ یا حضرت حفصہ کا بار بار اپنے اپنے باپ کو بلانا اور آنحضرت کا ہر بار منہ ڈھانک لینا اور پھر اتنی پریشانی کے بعد بھی نہ خود حضرت علی کا نام لینا اور نہ فاطمہ زہرا کا یہ سمجھنا کہ یہ میرے خاوند علی کو بلاتے ہیں ایک ایسی مضحکہ خیز بات ہے جو قیامت تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اور پھر ہزار باب علم کے تعلیم کر دینا اور ہر باب سے ہزار باب کا مفتوح ہونا یہ ایسی باتیں ہیں جو قصے کہانیوں میں زیادہ مناسب ہیں کسی متبرک مذہبی کتاب میں ایسی چھچھوری روایتوں کا ہونا سخت معیوب ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان بیہودہ روایتوں کا راوی حضرت ام المومنین ام سلمہ حضرت امیر المومنین و عبد اللہ بن عمر و امام محمد باقر و صادق رضی اللہ عنہم اجمعین کو بنایا گیا ہے۔ یہ ساری مہربانی حضرت بابویہ قمی شیخ المشائخ کی ہے کہ آپ کے صدقہ میں ہمیں ایسی ایسی عجیب روایتیں ملی ہیں جن کا خیال بھی کسی مشرقی فسانہ نویس کے دماغ میں نہ گزرے گا۔

حضرت عمر کی نقب زنی

اکثر شیعی معتبر کتابوں میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ عمر سے آنحضرت سخت ناراض ہو گئے تھے اور حکم دیدیا تھا کہ عمر مسجد میں نہ آئے ایک دن عمر نے مسجد میں نقب لگائی اور اندر آکے مسجد میں نماز پڑھ لی۔ بڑے بڑے محدثین نے اس روایت کی تصدیق کی ہے اور اسے بہت ہی صحیح جانا ہے تعجب ہوتا ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بھی مسلمان نہ تھا کہ ایسی صریح مخالفت دیکھتے تھے اور اف تک نہ کرتے تھے۔ کیا تماشہ کی بات ہے نقب زنی اور مسجد نبوی میں۔

حضرت علی کا معراج میں شریک ہونا

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا استحقاق خلافت صدہا قسم سے ثابت کیا جاتا ہے اور وہ ثابت کرنا بھی اس دلچسپ پیرایہ میں ہوتا ہے کہ لذیذ مشرقی قصہ کا مزا آجاتا ہے چنانچہ ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہ کی خود حضرت رسالتمآب پر فضیلت کی ہے۔ اگر حضرت[1]

---

[1] بحار۔ جلاء العیون مجلسی۔

علی یا جناب مرتضوی معراج میں حضرت رسالت مآب کے شریک نہ ہوتے تو سید الکونین کی ذرا بھی قدر نہ بڑھتی۔ تو گویا حضرت علی ہی کو آنحضرت پر فضیلت رہی کیونکہ حضرت رسالت مآب منازل کو طے کرتے ہوئے آسمانوں کو چھانتے ہوئے اور برجوں کو طے کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور حضرت علی بغیر زحمت سفر پہلے ہی سے پہنچ گئے چنانچہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے میرا گذر ہوا میں نے ہر فرشتہ کو علی علی پکارتے سنا جب میں عرش کے قریب پہنچا تو میں نے علی کو عرش کے نیچے کھڑے ہوئے دیکھا میں نے کہا یہاں بھی تم مجھ سے سبقت لے گئے جبرائیل نے کہا یہ فرشتہ ہے جسے علی کی صورت پر بنایا گیا ہے اس لئے کہ علی کی صورت دیکھنے کو فرشتے تڑپتے ہیں جب انہیں زیادہ اضطراب ہوتا ہے تو اس فرشتہ کو دیکھ لیتے ہیں اور انہیں تسکین ہو جاتی ہے +

حضرت علی کی خلافت پر خدا کی دھمکی ایک مستند شیعی کتاب میں یہ روایت درج ہے "کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت امیر کی امامت کے لئے یہ آیت نازل کی تھی جس کا ایک حصہ تو رہ گیا اور ایک حصہ یار لوگوں نے قرآن مجید سے اڑا دیا۔ وہ آیت یہ ہے ص۲ "اے پیغمبر اپنی اُمت پر علی کی امامت کو پہنچا دے ورنہ تجھے دردناک عذاب میں مبتلا کر دوں گا" یہ صریح گستاخیاں ہیں جو حضرت رسالت مآب کے ساتھ کی گئی ہیں اس قسم کی دہشت اور اس قسم کا عذاب اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو بار ہا سمجھانے کے بعد بھی نہ مانیں اور مطلق نہ سنیں تو پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا تو تجھے عذاب دوں گا اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کئی بار جناب رسول خدا کو جناب احدیت سے ارشاد ہو چکا تھا اور آپ اُسکی تعمیل نہ کرتے تھے چنانچہ اُسکے بعد ایسا تاکیدی حکم آیا اُس پر بھی حضرت علی کو خلیفہ نہیں

۱؎ حیات القلوب ج۲ ص۴۲ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک فی علی وان لم تفعل عذبتک عذابا الیما ۱۲

سقیفہ کی طرف چلے راستہ میں ابو عبیدہ جراح ملے جو انصار کے ہنگامہ کی خبر دینے کے لئے مسجد نبوی میں آرہے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے آخر تینوں ملکے مجلس انصار میں پہنچے اور جو کچھ سنا تھا وہی نقشہ دیکھا اور اُن سے گفتگو شروع ہوئی حضرت عمر نے انصار کو قائل کر دیا انصار سخت نادم ہوئے حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کی پھر انصار نے بھی افضل الصدیقین سے بیعت کی لوگوں کا اجتماع بہت بڑھ گیا تھا کہیں سعد بن عبادہ مار نہ ڈالا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق کا بیان ہے کہ میں نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ مسلمانوں میں تلوار نہ چل جائے اور ہنگامہ محشر نہ گرم ہو۔ اس ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر در مبارک پر آبیٹھے لوگوں نے چاہا کہ ہم بھی

غسل | حضور انور کو غسل دینے کا فخر حاصل کریں اور اکثر اصحاب نے اسپر زور دیا اور کشش زیادہ ہونے لگی تو حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا میں نے سنا ہے ہمارے ہادی برحق نے وصیت کر دی ہے کہ مجھے اہل بیت غسل دیں۔ آپکے اس ارشاد سے انصار ٹھنڈے پڑے اور وہ کشش دور ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ایک انصار نے نہایت منت سے عرض کیا اے ابو بکر آپ مجھے تو غسل میں شریک ہونے کی ضرور ہی اجازت دیں آپنے اسے اجازت دیدی۔ وہ اندر جاکے غسل میں شریک ہو گیا اسلئے کہ اس شخص کو کل گروہ انصار نے اپنی طرف سے انتخاب کیا تھا۔ شقران اور اُسامہ پانی دے رہے تھے اور فضل قثم پہلو بہ پہلو پھیرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہلا رہے تھے اور حضرت عباس اور اوس مذکور انصاری الگ کھڑے ہوئے زار زار رو رہے تھے ؛

تدفین | جب نہلا چکے تو دفن میں اختلاف اصحاب ہوا کوئی کچھ رائے دیتا تھا اور کوئی کچھ آخیر اسکا فیصلہ بھی حضرت ابو بکر صدیق نے کیا اور یہ حدیث بیان کی الانبیاء یدفنون حیث یموتون

بنایا گیا۔ معلوم ہوا کہ رسول خدا کا دلی منشا یہ تھا کہ علی خلیفہ نہ بنیں ؂

تفسیر اہل بیت۔ مجمع البیان۔ تفسیر صافی۔ علوی۔ صابری۔ عالی۔ کاشانی۔ جرجانی و رازی میں اسی قسم کی صدہا معتبر روایتیں بھری ہوئی ہیں جن کا سر نہ پیر۔ معقول روایت کو نظر میں ڈھونڈتی ہیں اور سچا واقعہ نہیں ملتا۔ ہزارہا حدیثیں ہیں جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں لکھی ہیں اور وہ کل حدیثیں ایک سے ایک زیادہ بڑھی چڑھی ہیں یہاں ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ ایک ہی قسم کی حدیثیں نقل کر دیں اس میں ناظر کو کچھ مذاق نہیں پیدا ہوگا بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ مختلف روایتیں مذکورہ بالا کتب سے انتخاب کر کے لکھی جائیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ایک بدنصیب مورخ ان روایتوں سے اپنے لئے سوا اسکے اور کیا نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے سب اول سے اخیر تک غلط اور ہرگز یقین نہیں آتا کہ ایک عقل ایسی روایتیں سننا گوارا بھی کرے بہر حال جہل سے علم بہتر ہے ؂

آنحضرت کی وفات اور سقیفہ کا جھگڑا ٹھیک وقت چاشت پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ جس وقت حضور انور کی وفات کی خبر سنی حضرت عمر فاروق نے صاف انکار کر دیا کہ نبی بھی کہیں وفات پایا کرتا ہے۔ آپ اس قدر غصہ میں آگئے اور کہا جس کی زبان سے یہ نکلا کہ حضرت رسالتمآب فوت ہو گئے تو میں گردن اڑا دوں گا ؂

حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو دیکھ کے یہ آیت پڑھی تھی وما محمد الخ یہ آیت سنتے ہی حضرت فاروق ٹھنڈے پڑ گئے۔ پھر اصحاب خانہ اقدس میں آئے اور چاروں طرف نالہ و بکا کی صدائیں بلند ہوئیں پھر سب ملکے مسجد میں جمع ہوئے اتنے میں ایک شخص مسجد میں آیا اور کہا آپ کیا بیٹھے ہوئے ہیں کچھ خبر بھی ہے انصار سقیفہ میں جمع ہیں اور سعد بن عبادہ سے بیعت کرنے کو ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر کے ساتھ اس ہنگامہ کے فرو کرنے کیلئے

حضور انور کا سچا فدائی ہے اُسے یقین کرنا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی جو شخص پروردگار عالم کی پرستش کرتا ہے وہ یہ بھی یقین کرے کہ حضور انور زندہ ہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ما محمد الا رسول الخ حضرت عمر نے کہا گویا میں نے ابتک اس آیت کو سُنا ہی نہ تھا۔ سبکو یقین ہوگیا کہ حضور انور کا وصل باریتعالی سے ہوگیا اور سب نے یہ پڑھنا شروع کیا انا للہ و انا الیہ راجعون سب نے یک زبان ہوکے کہا کہ ہم جنازہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں آپ نے سب کے ساتھ نماز پڑھی غسل کی بابت آپ نے تعلیم دی اور دفن کی جگہ بتائی اور پھر اکابر صحابہ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تاکہ پیشوائے امت اور خلافت کا فیصلہ کریں چنانچہ آپ کے جانے پر سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ملا باقر مجلسی بحار میں اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں

شیخ الطائفہ[۱] نے تلخیص شافی میں اُسکی اسناد سے روایت کیا ہے کہ سرور ابرار کی وفات ہوتے ہی انصار سقیفہ میں جمع ہوئے اور چاہا کہ سعد کو خلیفہ بنائیں سعد ایسا مریض تھا کہ اُس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اتنی آواز سے تقریر کرسکتا کہ سامعین سن سکتے اِس لئے اُس کا بیٹا یا بنی اعمام کے بعض اشخاص اُسکی تقریر کا بلند آواز سے لوگوں کے آگے اعادہ کردیتے تھے اُس تقریر کا مضمون یہ تھا اے گروہ انصار جتنی تمہیں فضیلت حاصل ہے کسی قبیلہ کے ایک شخص کو بھی یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ خدا و رسول پر ایمان لائے اور راہ خدا

---

[۱] روی الشیخ فی تلخیص الشافی عن هشام بن محمد عن ابی مخنف عن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی عمرۃ الانصاری ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لما قبض اجتمعت الانصار فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فقالوا نولی هذا الامر من بعد محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سعد بن عبادۃ واخرجوا سعدا الیهم وهو مریض قال فلما اجتمعوا قال لابنہ او لبعض بنی عمہ انی لا اقدر لشکوای ان یسمع القوم کلهم کلامی لکن تلق منی قولی فاسمعهم فکان یتکلم و یحفظ الرجل قولہ فیرفع بہ صوتہ و یسمع بہ اصحابہ فقال بعد ان حمد اللہ واثنی علیہ یا معشر

ہیں تم نے جہاد کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری وجہ سے قوت پائی اور
آخری دم تک حضرت رسالتمآب تم سے راضی رہے اسلئے تمہارا خلافت پر پیش قدمی کرنیکا
حق ہے تمہارے آگے دوسری قوم کو کوئی حق نہیں ہے۔ انصار نے سعد کو خلافت کی مبارکباد
دی اور کہا تجھسے بہتر اور کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ پھر انصار آپس میں باتیں کرنے لگے اگر مہاجرین
اپنے فضایل بیان کریں تو اُسوقت ہم انہیں کیا جواب دینگے۔ اُن میں سے ایک فریق نے
جواب دیا ہم یہ کہیں گے اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ایسا کرو کہ ایک ہم میں سے اور ایک تم
میں سے خلیفہ بنا دیا جائے بغیر اسکے کچھ نہیں ہو سکتا۔ سعد بن عبادہ نے اس جواب کو قوم
کے ضعف کی وجہ سمجھی۔ اتفاق سے یہ خبر عمرؓ نے سنی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ خانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم کی طرف روانہ ہوئے اور کسی شخص کو ابوبکرؓ کے پاس بھیجا کہ فوراً چلے آئیں ابوبکر اس وقت علی
ابن ابی طالب کے ساتھ تجہیز میں مشغول تھے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میں اس کام میں مشغول ہوں
نہیں آسکتا۔ عمرؓ نے پھر دوبارہ اس شخص سے کہلا بھیجا کہ ایک بہت بڑا کام ہے آپ آئیے

بقیہ صفحہ ۲۱۔ الانصار ان لکم سابقة بالدین وفضیلة فی الاسلام لیست لقبیلة من العرب
ان محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لبث بضع عشر سنة فی قومه یدعوهم الی عبادة الرحمن و
خلع الاوثان فما امن به قومه الا رجال قلیل واللہ ما کانوا یقدرون علی ان یمنعوا رسوله ویعزوا
دینه ولا ان یدفعوا عن انفسهم ضیما عموا به حتی اراد بکم ربکم الف وساق الیکم الکرامة وخصکم
بالنعمة ورزقکم الایمان به وبرسوله والمنع له ولاصحابه والاعزاز له ولدینه والجهاد لاعدائه وکنتم اشد الناس
علی عدوه من غیرکم حتی استقامة العرب لامر اللہ طوعا وکرها واعطے البعید المقادة صاغرا داخرا حتی اثخن
اللہ لرسوله بکم الارض ودانت باسیافکم له العرب وتوفاه اللہ الیه وهو عنکم راض وبکم قریر عین استبدوا
بهذا الامر دون الناس فانه لکم دون الناس فاجابوه باجمعهم بان قد وفقت فی الرای واصبت

ہیں ہرگز تامل نہ کریں۔ ابوبکر روتے ہوئے باہر نکلے عمرؓ نے انصار کے فتنہ کی کیفیت بیان کی پھر ابوبکر و عمر شتابانہ قدموں میں روانہ ہوئے اثناء راہ میں ابو عبیدہ جراح ملے۔ پھر وہاں پہنچے اور حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی ✦

باقر مجلسی کی دوسری روایت ابن ابی الحدید کی روایت سے ایک اور مقام پر فاضل مجلسی نے اس واقعہ کے متعلق یہ بیان کیا ہے "اصل میں سقیفہ کی خبر سب سے پہلے معیر بن عدی نے عمرؓ کو دی اور زبردستی عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کے لے چلنے کے لئے کھینچا۔ فاروق نے کہا کہ میں امر عظیم یعنی تجہیز رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں مشغول ہوں اور اس درد و الم میں گرفتار ہوں وفات سرور جہاں سے مجھ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے معیر نے اس بات کو قبول نہ کیا اور کہا اسوقت سقیفہ میں تیرا چلنا بہت ضروری ہے چنانچہ وہ زبردستی پکڑ کے لیگیا ✦

بقیہ صفحہ ۲۲۔ القول ولن نعد و ما رایت تولیت هذا الامر فانت فینا مقنع و نصالح المؤمنین اما ثم انهم زادوا الکلام فقالوا فان ابت مهاجرة قریش فقالوا نحن المهاجرون و صحابة رسول الله الاولون و نحن عشیرته و اولیائه فعلی ما تنازعوننا الامر من بعده قالت طائفة منهم فانا نقول اذا منا امیر و منکم امیر و لن نرضی بدون هذا ابدا فقال سعد بن عبادة حین سمعها هذا اول الوهن و اتی عمر الخبر فاقبل الی منزل النبی صلی الله علیه آله وسلم فارسل الی ابی بکر و ابوبکر فی الدار و علی بن ابی طالب فی جهاز النبی فارسل الی ابی بکر ان اخرج فارسل الیه انی مشتغل فارسل الیه انه قد حدث امر لا بد لك من حضوره فخرج الیه فقال اما علمت ان الانصار قد اجتمعت فی سقیفة بنی ساعدة یریدون ان یولوا هذا الامر سعد بن عبادة و احسنهم مقالة من یقول منا امیر و منکم امیر فمضیا مسرعین نحوهم الی اخر الروایة ۱۲ منہ و اتی الخبر عمر فاتی منزل رسول الله صلی الله علیه وسلم وکان الذی اتاه معیرة بن عدی فاخذ بید عمر و قال قم فقال عمر انی عنك مشغول فقال انه لا بد من قیام فقام معه ۱۲

انوار بدریہ کی روایت اس فاضل نے تمام روایتوں سے اختلاف کیا ہے اور بسند صحیح یہ بیان کرتا ہے کہ انصار و مہاجر تجہیز و تدفین کے بعد سقیفہ میں جمع ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ سنی اور شیعوں میں یہ غلط روایت کیوں مشہور ہو گئی کہ تجہیز و تدفین سے پہلے صحابہ سقیفہ میں جمع ہوئے تھے سنی اور شیعہ اس پر متفق ہیں کہ پہل انصار نے کی تھی پھر حضرت عمر اور حضرت ابو بکر کے جانے میں اتفاق نہیں ہے کوئی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ لکھتا ہے۔ مگر ہماری رائے اس اختلاف عظیم سے یہ ہے کہ حضور انور پر صحابہ جان و دل سے فدا تھے خواہ انصار ہوں یا مہاجر پھر کیونکر ممکن ہے کہ حضور کی وفات ہو جائے اور صحابہ بغیر تجہیز و تدفین خلافت کی بحث کرنے لگیں معمولی تعلق پر بھی جب کبھی ایسا صدمہ ہو جاتا ہے تو وہاں عقل بجا نہیں رہتی پھر چہ جائے کہ صحابہ اور اُنکا عشق۔ انوار بدریہ نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے بیشک بعد تجہیز و تدفین کے صحابہ سقیفہ میں جمع ہوئے تھے ✦

شیخ الامام اعظم طوسی کی کتاب امالی کا عجیب قصہ حضرت[1] امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ سب سے پہلے میں خداوند تعالیٰ کے آگے مخالفوں کی خصومت کی شکایت دو زانو ہو کے کروں گا۔ اور دوزخ و جنت کی قسم کھا کے عرض کروں گا۔ کہ مجھ پر کیا مظالم توڑے گئے۔ پھر سلیم بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے سلمان سے سنا کہ جب حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ملاءِ اعلیٰ میں رحلت فرمائی۔ تو ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ آئے اور انصار سے جھگڑا کرنے لگے کہ خلافت قریشیوں کا حق ہے کیونکہ رسول اللہ قریش ہیں اور مہاجرین اس لئے تم سے بہتر ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں تم سے پہلے اُن کا ذکر کیا ہے اور مہاجرین کو تم پر فضیلت دی ہے اور حضور انور یہ فرما گئے ہیں کہ ہم قریش ہیں۔ سلمان کا بیان ہے میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا آپ رسول کریم

[1] قال سمعت علی بن ابی طالب علیہ السلام یقول انا اول من یجثو بین یدی اللہ عزوجل یوم القیامۃ للخصومۃ ۱۲

کو غسل دینے میں مشغول تھے کیونکہ آنحضرت نے یہ وصیت کر دی تھی کہ سوائے اہل بیت کے
کوئی غیر شخص مجھے غسل نہ دے میں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپکو غسل کرانے میں کون مدد دے
رہا ہے فرمایا کہ جبرائیل جب میں ایک عضو دھو چکتا ہوں تو وہ دوسرا آگے کر دیتے ہیں جب
آپ غسل اور حنوط سے فارغ ہوئے مجھے بلایا۔ اسوقت ابوذر۔ مقداد۔ فاطمہ حسن حسین علیہم السلام آ کر
آ گئے تھے اُنہوں نے صف باندھی اور میں اونکے پیچھے کھڑا ہوا اور نماز پڑھی عائشہ رض حجرہ
میں تھی جبرائیل نے عائشہ کی آنکھیں اندھی کر دیں تاکہ نماز کو نہ دیکھ سکیں پھر حضرت امیر نے
صحابہ کو رخصت دی۔ اسکے بعد دس دس صحابہ آنے شروع ہوئے اور نماز پڑھ پڑھ کے باہر جانے
لگے حضرت علی یہ پڑھتے جاتے تھے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہوئے
باہر نکلتے جاتے تھے۔ اسی طرح کل مہاجرین و انصار داخل ہوئے اور صلوٰت بھیجتے رہے۔ اصل
نماز تو اول ہی کی نماز تھی اگر ابوبکر و عمر کو معلوم ہو جاتا تو وہ اسبات کا لالچ کرتے کہ ہم امام بنکے
نماز پڑھائیں سلمان نے کہا کہ میں نے حضرت امیر کی خدمت میں جو کچھ ان منافقوں کی بابت سنا
تھا عرض کیا کہ حضور غسل میں مشغول تھے اور وہاں یہ کارروائی ہو گئی۔ اسوقت وہ ممبر پر بیٹھا ہے
(یعنی حضرت صدیق اکبر) اور لوگ اُسکے ایک ہاتھ پر بیعت کرنے سے راضی نہیں ہیں بلکہ اُسکے
دونوں ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ جب وہ ممبر رسول اللہ پر
چڑھا ہے تو جانتا ہے سب سے پہلے اُسکے ہاتھ پر کس نے بیعت کی تھی میں نے عرض کیا یہ تو مجھے
خبر نہیں ہے لیکن سقیفہ کی بیعت کا حال تو مجھے معلوم ہے وہاں پہلے بشیر بن سعد نے بیعت
کی پھر ابو عبیدہ پھر عمر پھر سالم مولی ابی حذیفہ پھر معاذ بن جبل نے حضرت علی نے فرمایا وہاں کا
حال میں دریافت نہیں کرتا بلکہ اُس شخص کو پوچھتا ہوں جس نے مسجد نبوی میں رسول کریم کے ممبر
پر پہلے بیعت کی۔ میں نے کہا یا امیر المومنین اُسکا مجھے علم نہیں ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے اس

شخص کو دیکھا۔ عصا کے سہارے سے چل رہا تھا اور اُسکی دونوں آنکھوں کے بیچ میں سجدہ
کی علامت تھی اور وہ نہایت عبادت گزار معلوم ہو رہا تھا جب ابوبکر ممبر پر بیٹھا پہلے وہ اوپر گیا
اور رویا اور کہا الحمد للہ کہ زندگی میں میں نے تجھے اُس مقام پر دیکھ لیا۔ ہاتھ پھیلا ابوبکر نے ہاتھ
پھیلایا اور اُس نے بیعت کی اور کہا آدم کے دن کے بعد آج کا دن یہ میں نے دیکھا ہے۔ یہ کہکے
ممبر پر سے نیچے اُتر آیا اور باہر چلا گیا۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ سلمان تو سمجھا یہ کون تھا
سلمان نے کہا نہیں میں مطلق نہیں سمجھا ہاں اُسکی باتیں مجھے ناگوار ضرور گذریں اسلئے کہ وفات
رسالت مآب پر نا ملایم الفاظ استعمال کرتا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا مجھے رسول نے یہ خبر
دی تھی کہ روز غدیر میں ابلیس اور اُسکے اصحاب جمع ہوئے تھے اُس روز رسول اللہ نے مجھے اپنا خلیفہ
بنایا تھا۔ ابلیس سے کہدیا گیا کہ یہاں تیری دال نہیں گلنے کی تو چلا جا کیوں کہ یہ مرحوم
و معصوم ہیں تیرا کوئی داؤں نہیں چلنے کا یہ سُنکے شیطان غمگین ہو کے واپس چلا گیا پھر رسول اللہ
نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد جو شخص ظل بنی ساعدہ یا ابوبکر میں سے اُسکے ہاتھ پر بیعت
کرے گا وہ شیطان ہوگا۔ اُسکی صورت انتہا درجہ عابدوں کی ہوگی۔ بیعت کر کے وہ باہر چلا جائیگا
اسوقت شیاطین جمع ہونگے اُسکے آگے سجدہ کرینگے اور کہینگے کہ تو ہمارا سید ہے تو نے ہی آدم
کو بہشت میں سے نکالا تھا۔ شیطان نے کہا کونسی اُمت ہے کہ اپنے پیغمبر کے بعد گمراہ نہیں
ہوئی تم یہ کہا کرتے تھے کہ اُمت محمدی پر قبضہ پانا مشکل ہے دیکھا کیسا داؤں میں نے کیا ہے کہ خود
اُسکے اصحاب کو اُسکا مخالف بنا دیا۔ یہی بات ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے ولقد صدق علیہم
ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المؤمنین،، یعنی بتحقیق شیطان نے اپنا گمان اُنپر سچا پایا پس
اُسکی پیروی کی مگر مومنوں کا گروہ الخ +

اس قسم کی بہت سی روایتیں ہیں جو شیعی معتبر کتب میں بھری ہیں سخت تعجب ہوتا ہے

کہ کیوں اور کس لئے یہ چڑے چڑیا کی کہانیاں مذہبی کتابوں میں درج کی گئیں اور کیوں بلاوجہ یہ تعصب برتا گیا۔ کاش معقول طور پر مخالفت کا پہلو دکھایا جاتا تو ناظر وقعت سے دیکھتا مگر اس قسم کی روایتیں جو ہم نے اوپر نقل کیں کچھ ایسی خلاف قیاس اور دور از عقل ہیں کہ معمولی سمجھ کا بچہ بھی ہنس دیگا۔ کہاں شیطان اور کہاں مسجد نبوی اور پھر سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر مبارک پر چڑھنا اور پھر صدیق اکبر کے دست مبارک پر بیعت کرنا اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خواہ مخواہ بیریا بجلدی حضرت علی کا اسی ہاتھ پر بیعت کرنا ایک ایسا شرمناک امر معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے نکالتے ہوئے شرم آتی ہے +

سید جمال الدین کی روایت | روضۃ الاحباب میں سید جمال الدین اور کتاب ما ثبت بالسنہ میں شیخ عبد الحق دہلوی نے یہ روایت بیان کی ہے "جب حضرت ابو بکر صدیق حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممبر مبارک پر گئے اور محراب کو جناب اقدس خاتم النبیین سے خالی دیکھا ایک سرد آہ بھری اور بیہوش ہو کے گر پڑے۔ آپ کے گرتے ہی زاری و بکا کی صدائیں بلند ہوئیں اور ایک شور قیامت برپا ہو گیا۔ وفات کے دن علی الصبح حضور انور نے مسجد میں آ کے خود نماز پڑھائی تھی حالانکہ شدت مرض بہت تھی لیکن بلند آواز سے جب حضور انور نے خطبہ پڑھا تو اہلبیت کی عورتیں بہت خوش ہوئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت رسالتمآب کو صحت حاصل ہو گئی ہے اور خطرہ جاتا رہا سب نے خوشی کی اور آنکھوں میں سرمہ دیا +

یہ مختلف روایتیں اسبات کی شہادت دیتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبر افضل الخلفا تھے جو حالی تعلق آپکو اپنے ہادی برحق سے تھا اسکی نظیر ملنی مشکل ہے بعض روایتوں میں جو ہم نے شیعی معتبر کتب سے نقل کی ہیں ان سے بھی ایک خاص تعلق پایا جاتا ہے اور وہ تعلق یہ ہے کہ حضور انور کے وصل کے بعد محراب نبوی میں جو صحابی پہلے آئے وہ ابو بکر صدیق تھے یہ فخر آپ ہی کو حاصل

ہو اتھا اور اسکا اعتراف شیعہ اصحاب بھی کرتے ہیں اب یہ بات کہ شیطان نے پہلے بیعت کی ایک کہانی ہے جسکی وقعت اس زمانہ کا ایک بچہ بھی جانتا ہے +

فاطمہ زہرا کی جناب میں گستاخیاں

اور معاملہ فدک وغیرہ

اس میں شک نہیں کہ تعصب انسان کو کہیں کا نہیں رکھتا اور یہ بدبخت تعصب کی وجہ ہے کہ عمداً حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مخالفت کی اخیر صدیوں میں جا کے انتہا ہوگئی اور جب حکومت میں مذہب اور تعصب کی آمیزش ہوگئی تو رہا سہا معاملہ اور بھی بگڑ گیا شیعی علما نے اپنے مخالفوں کو الزام دینے کے بڑے بڑے سامان کئے رسول خدا کا دشمن بنایا منافق کہا اہل بیت کا بدخواہ ثابت کیا مگر جب اس سے بھی پیٹ نہیں بھرا تو جن ائمہ پر نجات اُخروی کا دارومدار سمجھا جاتا تھا اُنہیں بھی گالیاں دیں اور اُنپر بھی خوب تبرّے بازی کی +

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا + میں الزام اُنکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

حضرت بی بی فاطمہ زہرا خاتون محشر حضرت رسالتماب کی صاحبزادی تھیں اور شافع روز محشر کے ہاں چونکہ اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تھی اسلئے حضور مثل بیٹوں کے آپ سے محبت رکھتے تھے آپ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں آپ کی بزرگی تمام مسلمان کرتے تھے اور صرف آپکے اثر کی بات تھی کہ حضرت علی کی قریش بہت ہی عزت کرتے تھے آپکے نکاح میں بی بی فاطمہ زہرا کا آنا آپکے لئے باعث فخر تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت علی نے محض حضرت بی بی فاطمہ زہرا کے زور پر چھ مہینے تک حضرت صدیق سے بیعت نہیں کی تھی اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت علی کی قوت بہت کم ہوگئی اور پھر آپنے بیعت کرلی۔ اگرچہ یہ روایت بالکل غلط ہی کہ حضرت علی نے چھ مہینے کے بعد بیعت کی تو بھی اس روایت سے اُس اثر اور عظمت کا پتہ چلتا ہی جو صحابہ آپ کی

کرتے تھے- آپ کا ادب تاحیات مسلمانوں نے کیا اور تعجب سے دیکھا ہے کہ کل موجودہ اسلامی دنیا آپ
کرتی ہے اور بے انتہا باوقار مانتی ہے- اسلام میں ہزاروں فریق ہو گئے اور صدہا جدید شاخیں مذہب
کی نکل آئیں لیکن آجتک کسی گروہ نے خواہ وہ کسی مذہب سے علاقہ کیوں نہ رکھتا ہو حضرت خاتون
محشر کی شان اقدس میں کبھی بے ادبی نہیں کی حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت
عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور اکثر امہات المومنین پر تبرے بازی ہوئی اور لوگ بُرا بھلا کہتے
رہے لیکن یہ عجیب معجزہ ہے کہ آپ کی ذات والا ہمیشہ ہر فرد بشر کے گستاخانہ کلام سے مبرا رہی اور
انشاءاللہ یوں ہی قیامت تک مبرا رہے گی- آپ کو یہ شرف کم نہیں ہے کہ آپ شافع روز محشر
کی لخت جگر ہیں، سرور کائنات نے بڑے لاڈ سے آپ کو پالا تھا حضور انور کو اپنی اور بیٹیوں سے
بھی محبت تھی لیکن جو تعشق فاطمہ زہرا سے تھا اور کسی بیٹی سے نہ تھا- ممکن تھا اگر قاسم یا ابراہیم
زندہ رہتے تو آپ کی محبت میں کمی آجاتی لیکن قدرت کو یہ منظور ہی نہ تھا وہ روز ازل سے فخر
دوجہاں کی پوری محبت کا حصہ حضرت فاطمہ زہرا کو دے چکی تھی اور اُس بسیط محبت کی کوئی
تغیر نہ کر سکتا تھا۔

شیعی ادب کوئی کلام نہیں کہ شیعہ حضرت خاتون محشر کا بہت ادب کرتے ہیں اور اس ادب
ہی کو اپنی نجات کا سبب جانتے ہیں اُن کے ادب کی داد دی جاتی ہے اور اُن کے عشق کی
جو اُنہیں اہلبیت کے ساتھ ہے قدر کی جاتی ہے- مسلمان ہو کے جس دل میں اہل بیت کی محبت
نہ ہو وہ دل پارہ پارہ ہو جائے اور کلمہ محمدی پڑھنے کے بعد جسکا ضمیر اہل بیت کے نور سے منور
نہ ہو اس میں کیڑے پڑ جائیں- شیعہ اہل بیت کے عشق پر جتنا فخر کریں کم ہے اور ہم خوشی سے دیکھتے
ہیں کہ وہ اہل بیت کی محبت میں ثابت قدم ہیں تو بھی بعض گستاخیاں جو جناب سیدہ کے حضور
میں کی گئی ہیں سخت کھٹکتی ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ کیوں عاشقان اہل بیت نے ایسا کیا-

اور یہ ناپاک اور کریہ الفاظ جو محض اپنے مخالفوں پر فرضی الزام قایم کرنے کے لئے حضرت سیدہ کی شان میں کہے ہیں گوارا ہوئے۔ انسانی فطرت تو ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ جسکا ہمیں ادب بھی ہو اور جس سے ہم محبت بھی کرتے ہوں یہانتک کہ اُسکی محبت پر نجات اُخروی سمجھتے ہوں اسکی نسبت ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جائیں وہ بھی طرح طرح کے اور نئے نئے ڈہنگ سے خدا معلوم کیا موقع تھا اور کیا بات تھی کیوں ایسا کیا گیا اور کیوں ایسے ناپاک الفاظ کے استعمال کرنے کی نوبت آئی شیعہ اور وہ حضرت سیّدہ کو گالیاں دیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا شیعہ تو کبھی ایسا نکرینگے یہ ضرور کسی دشمن اسلام کی چالاکی ہے کہ ظاہر تو اپنے کو مسلمان کہا اور باطناً اسلام کی جڑ کاٹی ✤

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں سے چند روایتیں یہاں نقل کردیں اگرچہ اُن روایتوں کو پڑہ کے کسی مسلمان کا دل خوش نہیں ہونیکا پھر بھی وہ اپنی خداداد عقل سے اسبات کو تو اچھی طرح سمجھ لیگا آیا ایسے الفاظ خواہ براہ راست ہوں یا نہ ہوں کسی مسلمان کی قلم سے کبھی نکل سکتے ہیں یا ایک مسلمان کا دل گوارا کرسکتا ہے کہ اِن الفاظ کو ہمیشہ دہورایا جائے اور پھر مجموں میں لہک لہک کے پڑہا جائے۔ ہم اس کا انصاف محض ناظر پر چھوڑتے ہیں اور آئندہ اسپر اپنی کچھ رائے نہیں دیں گے ✤

حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین کا دلدل پر گشت لگانا ✤

شیعی معتبر روایتوں میں موجود ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوگئے اور مسلمانوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت کرلی تو حضرت علی کو سخت رنج ہوا اور آپنے چاہا کہ مسلمانوں کو ابوبکر صدیق سے توڑ لیا جائے چنانچہ ارادہ کی تکمیل کے لئے آپنے حضرت بی بی فاطمہ زہرا کو دلدل پر سوار کراکے اور اپنے بچوں حسن اور حسین کو ساتھ کرکے کہا کہ گھر گھر پڑی پھرو اور مسلمانوں کو ابابکر کے خلاف آمادہ کرو۔ چنانچہ ساری رات حضرت سیّدہ

پھرتی رہیں اور اسی طرح دربدر پھر کے تمام رات گزار دی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین چھوٹے چھوٹے تھے یہ ننھے ننھے بچے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شب بھر دربدر پھرتے رہے +

حضرت فاطمہ کا مجمع میں حضرت عمر کا گریبان پکڑنا

جب حضرت فاطمہ نے یہ سنا کہ تجہیز و تدفین کے بعد مسجد میں اصحاب کا مجمع ہوا ہے آپ فوراً مجمع میں تشریف لے آئیں اور زمین فدک کا مطالبہ کیا اور یہ مطالبہ نہایت سختی کے ساتھ کیا گیا اسی اثنا میں گفتگو زیادہ بڑھ گئی جناب سیدہ نے حضرت عمر کے گریبان میں ہاتھ ڈالدیا اور جھٹکے دیئے اور ساتھ ہی خوب کھینچا تانی ہوئی تعجب ہے کہ شیعوں کی اصح الکتب میں یہ روایت موجود ہے +

کتاب کافی میں ایک شرمناک روایت

عام طور پر اس روایت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ شیخین نے اپنا گھر بار چھوڑ کے جو رسول کریم کے ساتھ مدینہ میں ہجرت کی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ ابوبکر و عمر دونوں حضرت بتول یعنی فاطمہ زہرا کے پُرتنویر جمال پر فریفتہ ہوگئے تھے اور اُن ہی کے عشق میں مدینہ تک چلے آئے تھے ورنہ سوا اسکے شیخین کے آنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ اخیر زمانہ تک اسی تاک میں رہے اور اخیر میں دشمن ہوگئے +

حضرت سیدہ کا خواب

فاضل باقر مجلسی کتاب اسماء والعالم اور تفسیر اہلبیت میں علی ابن ابراہیم قمی اور کتاب ترجمہ الخواص کا مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ جناب سیدۃ النساء نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالتمآب آل عبا کو مدینہ کے باہر اپنے ہمراہ لے گئے ایک ایسے موقع پر پہنچے جہاں چشمے بہ رہے تھے اور خرمے کے درخت لگے ہوئے تھے ایک بکری خریدی اور اُسکے کباب کرکے کھائے اور سب کا انتقال ہوگیا۔ یہ خواب دیکھکے حضرت فاطمہ زہرا چونک پڑیں اور اُنہیں سخت حزن و ملال ہوا۔ علی الصباح حضرت رسالتمآب تشریف لائے اور اپنے سب بال بچوں کو ساتھ لیا یعنی بی بی فاطمہ حسن حسین اور علی اسیطرح ایک چشمہ پر گئے اور

ایک بکری خریدی اور اُسکے کباب بنائے حضرت فاطمہ زہرا نے دیکھا کہ یہ تو پوری پوری خواب کی تعبیر ہو رہی ہے آپ بہت ڈریں اور خوف کے مارے وہاں سے اُٹھ کے ایک مقام میں چلی گئیں اور رونا شروع کیا۔ جب کباب وغیرہ تیار ہو گئے تو حضرت رسالت مآبؐ نے اپنی پیاری صاحبزادی کو دیکھا وہاں پتہ نہ تھا حضرت بی بی فاطمہ کو یقین ہو گیا تھا کہ بکری کے کباب کھاتے ہی سب مر جائیں گے اسلئے آپ بیتاب ہو ہو کے رو رہی تھیں۔ آخر حضرت رسالت مآبؐ پہنچے دیکھا کہ آپ کی یہ کیفیت ہے آپ نے اپنے پدر بزرگوار فخر کائنات سے پوری پوری کیفیت بیان کی شافع روز محشر مناجات باری تعالیٰ میں مشغول ہوئے اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام پہنچے اور جس نے بی بی فاطمہ کو خواب میں ڈرایا تھا وہ اصل میں شیطان تھا اُسے گرفتار کر کے حاضر کیا۔ اور اُسے سزا دی ۔

حضرت فاطمہ زہرا کے مکان کو حضرت فاروق نے آگ لگانے کی حکایت

رسالہ طعن آلرماح اور ابرام مطاعن خلفا میں تاسی کنتوری لکھتا ہے کہ حضرت فاروق یعنی حضرت عمر نے جب وہ علی کو پکڑنے گئے اور وہ نہ نکلے تو گھر میں آگ لگا دی اور جلتا ہوا دروازہ حضرت فاطمہ پر گر پڑا اس سے حمل ساقط ہو گیا دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر نے آگ لگانے کی دھمکی دی تھی لیکن آگ نہیں لگائی اس سے زیادہ حضرت بی بی فاطمہ کی نسبت ایک اور بھی فحش روایت ہے جو میں ہرگز یہاں بیان نہیں کروں گا کیوں کہ میرا کلیجہ کانپا جاتا ہے اور وہ غلیظ اور شرمناک الفاظ میری قلم سے نہیں نکلتے ۔

علل الشرائع میں شیعی شیخ المشائخ نے لکھا ہے جب حضرت عمر کو فاطمہ زہرا کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ ابوبکر کے ساتھ حضرت علی کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور خوب روئے اور حضرت علی سے کہا آپ نے ہمیں جنازہ فاطمی پر کسطرح نہیں بلایا جسطرح آپ نے حضرت رسالتمآب

کے وقت نہیں بلایا تھا اور تو نے یوں ہی ٹال دیا تھا اور ابوبکر سے کہا تھا کہ منبر پیغمبر سے تجھے کیا تعلق ان ساری باتوں سے پایا جاتا ہے کہ تیرے دل میں ہماری طرف سے کدورت و غبار بڑھا ہوا ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا اگر میں شرعی قسم کھاؤں گا تو تم یقین کرو گے ابوبکر و عمر نے کہا ہاں یقین کر لینگے۔ حضرت امیر مسجد میں آ گئے اور کہا کہ دو امر مانع تھے جن سے میں نے تمہیں نہیں بلایا اول تو یہ کہ حضرت رسالتمآب نے وصیت کر دی تھی کہ میرے غسل میں غیر کا ہاتھ نہ لگے اور دوسرے حضرت بی بی فاطمہ اپنے جنازہ کی نماز کی بابت کہہ گئی تھیں کہ غیر شخص میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اور یہ جو حسین نے حرکت کی کہ تیرا (یعنی صدیق اکبر) دامن پکڑ کے منبر پر سے گھسیٹ لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رسالتمآب اس سے محبت بہت کیا کرتے تھے اور یہ آپ کے کندھوں پر نماز کیوقت چڑھ جاتا تھا اس سبب سے اس نے ایسا کیا۔ دونوں نے حضرت علی کی باتوں کو مہملات سے شمار کیا اور دونوں نے یہ صلاح کی کہ قبر فاطمہ پر نماز پڑھنے کے لئے چلو۔ حضرت علی کو ان باتوں پر غصہ آیا کہ جب میں شرعی قسم کھا چکا پھر کیا وجہ جو ان دونوں نے نہ مانی۔ ذوالفقار حیدر نیام سے نکلنے ہی کو تھی کہ اور صحابہ بیچ میں آ گئے ورنہ حیدر کرار عمر فاروق کی گردن اُڑا دیتے اور مقاتلہ عظیم صحابہ میں پڑ جاتا۔

حضرت علی کی فاروق کے ہاتھ سے بیحرمتی اور اسقاط حمل مجتہد جالسی ذوالفقار میں یہ عجیب روایت بیان کرتا ہے کہ فاروق علی کے مکان پر آئے انہیں باہر نکلنے کو کہا وہ نہ نکلے دروازہ جلا کے اندر گھس گئے اور علی کو پکڑ کے لے آئے یہ دیکھ کے بی بی فاطمہ بھی باہر چلی آئیں وہ حمل سے

---

۵۷ حیث قال و بعث الی بیت امیر المومنین علیہ السلام لما امتنع من البیعۃ فاضرم فیہ النار و فی فاطمہ و جماعۃ بنی ہاشم و اخرجوا علیا کرہا و کان معہ الزبیر فی البیت فکسروا سیفہ واخرجوا من الدار من اخرجوا و ضربت فاطمۃ علیہا السلام فالقت جنینا اسمہ محسن ۱۲

تھیں اور اِن کے شکم مبارک میں محسن تھا ضرب سے حمل ساقط ہو گیا اور محسن پیٹ سے نکل پڑا پھر کتاب اثبات الحق والا اس روایت پر یہ اور زیادہ کرتا ہے کہ عمر فاروق نے حضرت بی بی فاطمہ کے پہلو کی ہڈیاں توڑ ڈالی تھیں۔ پھر کتاب تجہیز الجیش میں لکھا ہے کہ عمر فاروق نے خانہ زہرا میں آگ لگا دی اور نہایت رسوائی سے حضرت امیر کو باہر نکال دیا مگر شیخ چلپی کتاب کشف الحق میں آگ لگنے سے صاف انکار کرتا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ آگ لگانے کی تجویز کی گئی تھی۔ کتاب عماد الاسلام میں فاضل جالسی نے سکوت کیا ہے ✤

اس واقعہ کے متعلق ایک اور روایت ابو منصور طبرسی صاحب احتجاج کی روایت کتاب بحار میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب خلیفہ ثانی نے بلند آواز سے کہا کہ اگر امیر المومنین گھر سے باہر نہ نکلے تو میں انکا گھر جلا دوں گا صحابہ کا رنگ یہ بات سُنکے تبدیل ہو گیا خلیفہ ثانی نے کہا شاید تم نے یہ گمان کیا کہ میرا ایسا کرنے کا ارادہ ہے حالانکہ میرا یہ مقصود نہیں تھا صرف تہدید کے طور پر میں نے یہ کہا تھا۔ پھر حضرت علی نے ایک شخص کی معرفت حضرت عمر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں قرآن مجید کی آیتیں جمع کر رہا ہوں اور کچھ مجھے تالیف بھی کرنا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ جبتک یہ کام پورا نہ کر لوں گا باہر نہیں نکلنے کا نہ کوئی دوسرا کام کروں گا" ✤

آگ لگانے کی نسبت اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو عمداً قلم انداز کر دی گئی ہیں کیوں کہ اُن روایتوں سے حضرت بی بی فاطمہ زہرا کی اور توہین ہوتی ہے نمونہ کے لئے صرف دو چار روایتیں کافی ہیں تاکہ ہر شخص پورا اندازہ کر لے کہ اِن روایتوں کی عقل کے نزدیک کیا وقعت ہے اور انہیں دنیا میں کون مان سکتا ہے۔ سوا اسکے اور کچھ بھی نہیں کہ باہمی دشمنی نے ایسی روایتوں کی تصنیف کا موقع دیدیا اور جب سلطنت میں ایسی ہی روایتوں سے رسوخ ہو تو پھر خود بخود دماغ سے تراشی جائیں گی ✤

معاملہ فدک

فدک کے قصہ کو اسقدر چمکایا ہے کہ اُسکی کوئی انتہا نہیں رکھی وہ وہ جدید باتیں پیدا ہوئی ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ یہاں طرفین سے جواب دینے میں جو موشگافیاں کی گئی ہیں اُنکی کوئی حد نہیں ہے اور اس معمولی بات کے لئے سُنی اور شیعی کتابوں کے صفحے کے صفحے سیاہ ہیں۔ ایک چھوٹے سے قطعہ زمین پر یہ سارا جھگڑا ہے ممکن ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ نے اپنے پدر بزرگوار کا سمجھکے اسکو اپنے قبضہ میں لانا چاہا ہو اور حضرت ابوبکر صدیق نے اس بنا پر انکار کر دیا ہو کہ انبیا علیہم السلام کی میراث نہیں بٹا کرتی اتنا تو قرین قیاس معلوم ہوتا ہے باقی جسقدر ہے وہ کہانی ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور تمام عربی تاریخیں جن میں حضرت فاطمہ زہرا کا حال ہے اسبات کی شاہد ہیں کہ آپ عالی ظرف بی بی تھیں اور آپسے زیادہ فیاض اور سخی خواتین اسلام میں مشکل سے نکلیں گی۔ آپنے بعض شیعی روایتوں کے موجب چکی پیس پیسکے بھوکوں کو کھلایا ہے۔ تمام دنیا کی دولت اُنکے لئے موجود تھی اگر وہ ذرا بھی اُسکی خواہش کرتیں شیعی قول کے موافق حضرت جبرائیل بھی آپکے پاس آیا کرتے تھے۔ آپسے زیادہ صابر و شاکر۔ فیاض عالی حوصلہ سخی دنیا میں مشکل سے نکلے گا۔ آپ کی والا صفات ذات سے یہ ساری باتیں بعید ہیں آپ ایک قطعہ زمین پر جو فرضنا وہ آپسے بجبر چھینا گیا ہرگز پریشان ہونے والی نہ تھیں اس جیسے دس قطعوں کی بھی آپ کو پروا نہ تھی۔ آپ کو اپنے باپ سرور دو جہاں سے کامل عشق تھا وفات کے بعد آپ بہت کم زمانہ حیات رہیں اور اسی غم میں عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔ آپ کی ہرگز آرزو نہ تھی کہ میرا باپ مرجائے اور میں اُسکے مال پر اُسکے صحابہ سے جھگڑا کروں۔ غم و اندوہ سے آپ کو فرصت ہی کہاں تھی کہ اور خیالات لینے دینے کے آتے کوئی شبہ نہیں جب ہم تاریخی حیثیت سے آپکے حالات زندگی کو دیکھتے ہیں تو جو باتیں آپ کی نسبت مشہور کی گئی ہیں وہ بالکل فرضی ہیں۔ اور آپ کی معاشرت کے ساتھ ہرگز چسپاں نہیں

ہو سکتیں - مذہبی روایتیں اور اُنکے عقاید خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن ذاتی حالات تقدس اور بے مثال بزرگی - عظمت اور دبدبہ - عالی ظرفی اور دریادلی اور ساتھ ہی بنت رسول مقبول ہونا اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ آپ سے ایسی باتیں سرزد ہوں - حاشا و کلا ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا - ہم ہر قوم یا اُسکے ہر فرد کے حالات مرز و بوم - محسوسات قومی - قومی تمدن اور قومی معاشرت سے جانچینگے اور وہ باتیں جو اہل ہند کی ذات کے ساتھ چسپاں ہوتی ہیں اُن کو کسی مذہبی پیشوا نے اگر اہل عرب کے ساتھ نسبت دیدیا تو ہرگز نہیں تسلیم کرینگے خواہ اُن روایتوں کا قایل کیسا ہی مقدس اور سچا گنا جاتا ہو - اب بھی عرب میں یہ کیفیت موجود ہے کہ ایک غریب بدّو اپنے مہمان کے لئے اپنا دنبا ذبح کردیگا اور اُسے خوشی ہوگی کہ میں نے بہت بڑا فرض ادا کیا - اُن کے جوش حمیّت کی بھی وہی کیفیت ہے اور اُن کی غیرت اور شجاعت بھی جوں کی توں موجود ہے - ان بدیہی باتوں سے کون انکار کر سکتا ہے اور ان روزمرّہ کے مشاہدوں کو کون جھٹلا سکتا ہے - پھر بھلا جب کوئی روایت حضرت علی شیر دل بہادر کی نامردی اور بے حمیتی کی پائی جائے تو کیونکر یقین کر لیا جائے کہ وہ روایت حضرت علی کی نسبت صحیح ہوگی - یہ قیامت تک ممکن نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمر نہایت ذلت و خواری سے حضرت علی کو مکان میں سے گھسیٹتے ہوئے لائیں اور حضرت بی بی فاطمہ کا شیعی روایت کے بموجب معاذ اللہ حمل ساقط ہو جائے اور پھر حضرت علی کچھ نہ کر سکیں ایسے موقع پر کہ اُسکی زوجہ محترمہ کی ایسی بے عزتی ہو نامرد سے نامرد اور بے غیرت سے بے غیرت شخص بھی کم سے کم اپنی جان تو ضرور دیدیگا چہ جائے کہ شیر خدا ان تمام ذلتوں اور خواریوں کو برداشت کرلے اور ہوں تک نہ کرے این خیال ست و محال ست و جنوں +

دوسرے بہت بڑی بات یہ دیکھنے کی ہے کہ حضرت علی اور بنت رسول مقبول کی یہ

بیعزتی ہوا اور ہزاروں مسلمانوں میں ایک شخص کو بھی یہ خیال نہ آئے اور وہ حضرت عمر کو یہ ظالمانہ حرکت کرنے دے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے حضرت علی کے ایک شخص بھی مسلمان نہ تھا اور اگر یہ روایت صحیح مان لیں تو پھر حضرت علی کے بھی مسلمان ہونے میں شک ہے کیوں کہ اُنھوں نے باوجود ذوالفقار ہونیکے بنت رسول اللہ کی مطلق حفاظت نہیں کی اور خاتون محشر کو یہ صدمہ عظیم پہنچنے دیا۔ ان سب باتوں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے واقع کا وقوع ہی ناممکن تھا اور یہ تمام روایتیں اُس عظیم دشمنی کا پتہ دیتی ہیں جو بعدازاں شیعہ سنیوں میں پیدا ہوگئی تھی۔ اور جن روایتوں میں جنوں۔ بد اخلاقی دلی دشمنی اور تعصب پایا جاتا ہے +

معاملہ فدک | فدک کے جھگڑے میں بھی دفتر کے دفتر سیاہ ہیں طرفین سے فدک کے غصب کرنے اور نہ کرنے کی بہت سی دلیلیں دی گئی ہیں ان کل اعتراضوں اور اُن کے جوابوں کو قلم انداز کرکے جب ہم فدک کی اصلیت کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ فدک کیا چیز تھا اور آیا اسکی کوئی اصلیت بھی تھی یا یہ بھی مثل روایتوں کے کوئی فرضی چیز ہے۔ چنانچہ کلینی اور مجالس شوستری وغیرہ میں فدک کو اختلاف سے بیان کیا ہے۔ کسی روایت میں فدک کو باغ قرار دیا گیا ہے اور کسی کو فدک میں گاؤں مانا گیا ہے کسی میں فدک زمین مزروعہ قرار دی گئی ہے کسی میں بڑا شہر فدک کو بنایا گیا ہے جب ایک ہی معاملہ میں اختلاف روایت کی یہ صورت ہے تو ہرگز نہیں سمجھ میں آتا کہ فدک کوئی چیز بھی تھا یا نہیں۔ جب ایک ہی بات پر اتنا اختلاف ہے تو وہ بات ہی سرے سے غلط ہے۔ جب تک کوئی خاص چیز معیّن نہ کی جائے اُس پر بحث کرنی فضول ہے +

یہ بحث کرنی کہ انبیا کی چیزوں یا جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کی وراثت کسے پہنچ سکتی ہے

ایک غیر ضروری سی معلوم ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر ہم اسے تسلیم کر لیں کہ فدک ایک باغ تھا اور علاوہ فدک کے خیبر میں بھی حضرت رسالتمآب کی کچھ زمینیں تھیں اور یہ بھی فرض کر لیں کہ حضرت رسالتمآب کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی وارث آپ کی اولاد تھی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ زہرا اس جائداد سے محروم کیوں کر دی گئیں۔ کوئی ثبوت ٹھیک طور پر اس کا نہیں ملتا کہ خاتون محشر نے حضرت ابوبکر سے کبھی فدک کا مطالبہ کیا ہو۔ اور آپ نے دینے سے انکار کیا ہو۔ شیعی معتبر روایتوں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا نے ابوبکر سے گرم ہو کے یہ کہا تھا اے ابی قحافہ کے بیٹے کیا یہی انصاف ہے کہ تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور میں اپنے باپ کی میراث سے محروم کر دی جاؤں۔ کون اسوقت بیٹھا تھا جس نے حضرت خاتون محشر کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے کوئی روایت ایسی نہیں معلوم ہوئی کہ آیا حضرت بی بی فاطمہ زہرا نے یہ الفاظ بھرے مجمع میں کہے تھے یا ابو قحافہ کے بیٹے یعنے ابوبکر کے گھر پر جا کے نہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اس کہنے پر اور صحابہ کی کیا رائے ہوئی تھی اور کیونکر اس دعوے کا فیصلہ ہوا تھا عقل باور نہیں کرتی جب حضرت عمر کے ہاتھ سے شیعی معتبر روائتوں کے مطابق حضرت خاتون محشر کو یہ صدمہ عظیم پہنچ چکا تھا پھر وہ کس اُمید پر حضرت ابوبکر سے یہ تقاضا کرنے گئیں۔ اور اگر وہ تشریف بھی لے گئیں تو حضرت علی نے ایسے سخت دشمنوں کے پاس آپ کو کیوں جانے دیا۔ یہ ساری روائتیں اپنے غلط ہونے کی ہونے کی آپ شہادت دے رہی ہیں اور ان پر جرح قدح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ۔

شیخین اور حضرت علی

تمام تاریخی شہادتیں اسپر اتفاق کرتی ہیں کہ شیخین یعنے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت علی میں بہت بڑا اتحاد تھا اور کثر امور سلطنت بغیر حضرت علی کے مشورہ طے نہ ہوتے

تھے۔حضرت عمر کے وقت میں تو حضرت علی بطور مہر منشی۔صدر اعظم یا وزیر اعظم کے کام کرتے تھے اور جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو گورنمنٹ مدینہ کا چارج حضرت علی کو دیگئے تھے۔آپ ہی کل امور سلطنت کی انجام وہی فرماتے تھے اور آپ ہی پر تمام معاملات سلطنت کا دارومدار تھا۔حضرت عمر کے جوان صاحبزادے بھی موجود تھے لیکن انکو سلطنت میں مطلق درک نہیں دیا اور حضرت علی کے ہوتے کسی دوسرے کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔کسی تاریخ سے نہیں پایا جاتا کہ حضرت علی اور شیخین میں کبھی کوئی جھگڑا فساد ہوا ہو اور اسکے باہم بدمزگی تک نوبت پہنچ گئی ہو۔حاشا وکلا کسی روایت میں ایسا نہیں دیکھا اور بات یہ بھی ہے کہ ایسا ہو بھی نہ سکتا تھا۔حضرت علی شیخین کی ہمیشہ مدح کرتے رہے اور شیخین حضرت علی کی۔یہ تینوں باہم شیر وشکر تھے اور انہیں کبھی کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ہمیں شیعوں کی معتبر کتابوں میں جہاں باہمی دشمنی کی روایتیں ملتی ہیں وہاں دوستی کی روایتوں کا بھی پتہ لگتا ہے شیخین کی مدح میں حضرت علی کے الفاظ پاتے ہیں جن سے ہم یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ پہلے شیعی مذہب کا یہ رنگ تھا کہ وہ کسی صحابی کو برا نہ کہتے تھے بلکہ حضرت علی کو سب سے افضل جانتے تھے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور اسلامی یکجہتی اور اتفاق کا پیرہن چاک ہوتا گیا قومی دشمنی بڑھتی گئی اور بڑھتے بڑھتے اس نے سخت تعصب کا جامہ پہن کے ہزار ہا طوفان بناکے ٹکڑے کردئے ایک ہی کتاب میں ایک جگہ حضرت علی کی زبان سے شیخین کی تعریف ہورہی ہے اور اسی کتاب میں دوسری جگہ حضرت علی سے گالیاں دلوائی جارہی ہیں یہ عجیب گومگو کا معاملہ ہے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ٭

ہم خاص شیعی کتب دینیات سے ان چند روایتوں کا انتخاب کردیتے ہیں جو حضرت حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شیخین کی تعریف میں بیان فرمائی ہیں تاکہ معلوم ہوجائے

کہ قدیم شیعی راوی کیسے ایماندار تھے اور انہیں سچی روایتیں کیسے بہم پہنچ جاتی تھیں۔ ان روایتوں کا زمانہ وہ زمانہ ہے کہ جب نہ لفظ "سنی" ایجاد ہوا تھا اور نہ لفظ شیعہ تراشا گیا تھا سنی کا لفظ پانچویں صدی نبوی کے اختتام پر ایجاد ہوا ہے اور شیعہ کا لفظ چھٹی صدی نبوی کے آغاز میں اس سے پہلے اگرچہ ان میں ملکی لڑائیاں ہو چکی تھیں لیکن باہم مذہبی دشمنی نہ پیدا ہوئی تھی۔ عام طور پر خلفائے بنی امیہ کو غاصب خیال کیا جاتا تھا لیکن دائرہ اسلام سے کسیکو بھی خارج نہیں کیا تھا۔ یزید کے بدکار۔ شرابی۔ فاسق اور ظالم ہونے میں شبہ نہیں

حضرت امام حسین | لیکن حضرت سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُسے بھی تو کافر کے لفظ سے نہیں پکارا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کربلا جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ اُسکے چال چلن کی برائیاں کیا کرتے تھے اور آپ کو اسکی یہ شرمناک معاشرت سخت بری معلوم ہوتی تھی۔ ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام بھرے مجمع میں اُسکی برائی فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کے کہا حسین میں نے یزید کو ہمیشہ آپ کی تعریف کرتے سنا ہے اور آپ اُسکی برائی کیا کرتے ہیں تو آپنے بیساختہ یہ جواب دیا جیسا وہ ہے میں اُسکی نسبت کہتا ہوں اور جیسا میں ہوں وہ میری نسبت کہتا ہے یہ ایسا لطیف اور منطقی جملہ تھا کہ حاضرین یہ جواب سُنکے بہت خوش ہوئے امیر معاویہ نے باوجودیکہ کئی ہزار درہم کا قرض اُن کا امام حسن پر تھا پھر بھی جب وہ مدینہ آیا کرتے تھے تو علاوہ ہدیوں کے ہزاروں اشرفیاں حضرت امام حسن کو دیجاتے تھے سلطنت کے معاملہ میں لڑائی ہونی کچھ ان ہی میں نئی بات نہ تھی۔ دنیا کی بڑی بڑی متمدن قومیں جو اُسوقت موجود تھیں اور جو پہلے گذر چکی تھیں سلطنت کے معاملہ میں خوب لڑ چکی تھیں اور اسی کو تمدن کا اعلے نتیجہ جانتی تھیں۔ اب بھی یہی کیفیت ہے متمدن اور مہذب یورپ ملک گیری کے خیال میں لاکھوں بندگان خدا کا خون بہانا کوئی وحشیانہ یا خلاف انسانیت و تمدن

حرکت نہیں سمجھتا یہ انسانی ذات میں ودیعت ہوا ہے کہ دوسروں پر حکومت کرے اور خود کبھی محکوم بنکے نہ رہے اس انسانی مادہ نے بہت کچھ خون کی ندیاں بہائی ہیں اور لاکھوں گھر بے چراغ کئے ہیں۔ اخیر صحابہ بھی آدمی تھے اور انہیں بھی وہی اتفاقات پیش آئے تھے جو ہمیشہ اولوالعزم انسانوں کو اپنی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں جو کچھ اوروں نے کیا وہی انہوں نے کیا اور بحیثیت انسان ہونیکے انہیں ایسا ہی کرنا چاہئیے تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام حسن نے ایک عظیم سلطنت پر جو کسرے اور قیصر کی سلطنتوں سے بھی بڑی تھی لات مارکے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور امیر معاویہ کو کل سلطنت سونپ دی تھی لیکن سب کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی حضرت امام حسین نے اپنے بڑے بھائی کی اس حکمت عملی کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور خود اپنے باپ کی خلافت حاصل کرنی چاہی چونکہ آپکا طریقہ حصول خلافت خلاف مصلحت تھا اور بغیر رشتہ داروں کے مشورہ اور صلاح کے اپنی اکیلی رائے پر نہایت خدشے ایک معاملہ کیا آپ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور دوسرے دعوے داران سلطنت کے مقابلہ میں وطن سے دور نہایت بیکسی کی حالت میں شہید ہوگئے۔ آپ کی شہادت وہ مردانہ شہادت ہوئی ہے جو قیامت تک یادگار زمانہ رہے گی اور جبتک ایک فرد بھی اسلام کا موجود ہے آپ کی شجاعت کی دھاک دنیا میں ہمیشہ شجاعان عالم کو نیا سبق پڑھاتی رہے گی +

حضرت امام حسین اول درجہ کے بہادر صادق الوعد۔ اپنی بات کے پورے اور دنیا کے بہادروں کے سرتاج تھے آپ کو اپنے والد کی جنگ جروح کا پورا حصہ ملا تھا لیکن آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی طرح معاملات سیاسی میں زیادہ تجربہ نہ تھا آپ سوائے مختلف جنگوں میں شریک ہونیکے اپنی زندگی میں کہیں کے عامل بناکے نہیں بھیجے گئے۔ معاملات سیاسی کے تجربہ حاصل کرنے کا آپ کو کبھی موقع نہ ملا تھا۔ آپ انتہا درجہ سعادتمند اور فرمانبردار فرزند

تھے جب حضرت عثمان کی محلسرائے کو باغیوں نے گھیر لیا ہے تو آپ اپنے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کے ساتھ حضرت عثمان کی حفاظت کیلئے بھیجدئے گئے تھے حضرت علی نے حکم دیدیا تھا کہ دروازہ میں سے کسی کو داخل ہونے دیں کئی بار مفسدوں کے غول کے غول آپ پر حملہ آور ہوئے لیکن کسی کی مجال نہیں ہوئی جو ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا اس کشمکش میں آپ مجروح بھی ہو گئے لیکن کسی کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہ تھی شجاعت اور یہ تھی اطاعت جسکی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ اگر آپ کا سیاسی دماغ بھی ایسا ہی زبردست ہوتا تو ضرور آپ کامیاب ہو جاتے اور یقیناً یزید معزول کر دیا جاتا۔ کاش آپ اپنے بھائیوں کا مشورہ مان لیتے تو یہ حادثہ عظیم کبھی واقع نہ ہوتا اور نہ اسلامی دنیا صدیوں تک آپ کی بے لبانہ شہادت کا ماتم کرتی ہی حضرت علی کی بھی کیفیت تھی اگرچہ آپ حضرت عمر کے وزیر اعظم رہ چکے تھے لیکن جوش شجاعت نے کبھی آپ کو معاملات سیاسی کے اہم مسائل میں غور وخوض کرنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ اپنی ذوالفقار پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور اس بھروسہ میں آپ نے ہمیشہ معرکہ جنگ میں کامیابی حاصل کی لیکن سلطنت کی اندرونی حالت خراب ہوتی رہی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ اکثر صوبے خود مختار ہو گئے اور جسوقت آپ شہید ہوئے ہیں آپ کی حکومت بہت ہی محدود رہ گئی تھی اور شاید حجاز کے سوا اور کہیں بھی آپ کا رعب نہیں تسلیم کیا جاتا تھا۔ خود آپکے بھائیوں نے جنہیں آپنے گورنر بنا کے مختلف صوبجات میں روانہ کیا تھا آپ سے سرکشی کی اور لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا جنہیں آپنے پے درپے سخت خطوط لکھے اور آخیر میں یہ لکھدیا کہ اگر تم اپنی بداعمالی سے باز نہ آؤ گے تو میں تم پر جہاد کروں گا۔ اور میری ذوالفقار تمہاری ان بے عنوانیوں کا فیصلہ کر دیگی ؂

حضرت امیر کا خط اپنے چچازاد بھائی کے نام نہج البلاغہ جیسی مستند اور معتبر کتاب میں جو شیعی مذہب میں خود

حضرت علی کی تصنیف ہے اور مثل قرآن بلکہ افضل از قرآن مانی جاتی ہے بہت سے خطوط حضرت علی کے نقل ہوئے ہیں جن میں سے بعض یہاں ہم نقل کرتے ہیں چنانچہ حضرت علی لکھتے ہیں؛ لہ میں نے تجھے اپنی امانت میں شریک کیا تھا اور تجھے اپنا جامہ واستر لباس بنایا تھا میں اپنے کنبہ میں تجھ سے زیادہ معتمد نہیں جانتا تھا کہ تو میرا غمگسار اور رفیق ہوگا اور میری امانت ادا کردے گا پھر دوسرے خط میں حضرت امیر فرماتے ہیں" جب تو نے لہ دیکھا کہ میرا چچازاد بھائی

لہ اما بعد فانی اشرکتک فی امانتی وجعلتک شعاری وبطانتی ولم یکن فی اهلی رجل اوثق منک فی نفسی واساتی وموازرتی واداء الامانة ۱۲ لہ فلما رأیت الزمان علی ابن عمک قد کلب والعدو قد حرب وامانة الناس قد خزیت وهذه الامة قد فتنت وشغرت قلبت لابن عمک ظهر المجن ففارقته مع المفارقین وخذلته مع الخاذلین وخنته مع الخائنین فلا ابن عمک آسیت ولا الامانة ادیت وکانک لم تکن الله ترید بجهادک وکانک لم تکن علی بینة من ربک وکانک تکید هذه الامة عن دنیاهم وتنوی غرتهم عن فیئهم فلما امکنتک الشدة فی خیانة الامة اسرعت الکرة وعاجلت الوثبة واختطفت ما قدرت علیه من اموالهم المصونة لاراملهم وایتامهم اختطاف الذئب الازل دامیة المعزی الکسیرة فحملته الی الحجاز رحیب الصدر تحمله غیر متأثم من اخذه کانک لا ابا لغیرک حدرت الی اهلک تراثک من ابیک وامک فسبحان الله او ما تؤمن بالمعاد او ما تخاف من نقاش الحساب ایها المعدود کان عندنا من ذوی الالباب کیف تسیغ طعاما وشرابا وانت تعلم انک تاکل حراما وتشرب حراما وتبتاع الاماء وتنکح النساء من اموال الیتامی والمساکین والمؤمنین والمجاهدین الذین افاء الله علیهم هذه الاموال واحرز بهم هذه البلاد فاتق الله واردد الی هؤلاء القوم اموالهم وانک ان لم تفعل ثم امکننی الله منک لاعذرن الی الله فیک ولاضربنک بسیفی الذی ما ضربت به احدا الا دخل النار ۱۲

(یعنی حضرت علی) مصیبت میں شوریدہ سر ہے اور دشمن ہم نبرد ہونے کیلئے آمادہ ہے اور آدمیوں کی امانت میں خرابی واقع ہوگئی ہے اور یہ امت خونریزی میں پڑگئی ہے تو تو نے مصیبت میں اپنے چچازاد بھائی سے پیٹھ پھیر لی اور جدا ہونے والوں کے ساتھ تو بھی جدا ہوگیا اور چھوڑنے والوں کے ساتھ تو نے بھی اُسے چھوڑ دیا اور اُسکے ساتھ دغا کرنے والوں کی ہمراہی میں تو نے بھی دغا کی پس تو نے اپنے چچازاد بھائی (یعنے حضرت علی) سے غمخواری کی اور نہ امانت ادا کی گویا تجھے کبھی مرنا ہی نہیں اور نہ خدا کو منہ دکھانا ہے اور گویا تو اس امت کو فریب دے رہا ہے اور تیری نیت ہے کہ اُنکی غفلت سے فائدہ اُٹھا کے اُن کا مال غت ربود کر لوں۔ اس بنا پر تو نے محض دغا بازی سے حملہ کیا اور تو نے اُنپر تاخت و تاراج کر کے جو کچھ تیرا قابو چڑھا لے اُڑا جو مال تو نے اُڑایا ہے وہ اُمت مرحومہ نے رانڈوں اور یتیموں کے لئے رکھا تھا۔ تو نے مال اس طرح لیا ہے جیسا بھیڑیا استخوان شکستہ اور خون آلودہ بکریوں کو لیجاتا ہے۔ تو یہ مال خوشی خوشی حجاز کی طرف لئے جاتا ہے۔ تجھے گناہ کا کچھ خوف نہیں ہے۔ یہ مال تو نے اس طرح سے گھر میں لیجا کے رکھا ہے۔ گویا تجھے اپنے مادر و پدر کی میراث ملی ہے۔ پاکی اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ میں پوچھتا ہوں آیا آخرت پر تیرا ایمان نہیں ہے اور آیا تو حساب کنندہ سے نہیں ڈرتا۔ یقینے اُڑائے جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ حرام کا مال کھا رہا ہوں۔ لونڈیاں دھڑا کے سے خرید رہا ہے اور نئے نئے نکاح کر رہا ہے اور اس عیاشی میں یتیموں مسکینوں اور مسلمانوں کا مال اُڑاتا ہے۔ یہ مال ان کا ہی جنکے لئے خدا نے شہروں کو آباد کیا ہے۔ خدا سے ڈر اور جن لوگوں سے بجبر تو نے مال لیا ہے اُنکا مال واپس دیدے اگر تو نے ایسا نکیا تو میں تجھپر حملہ کروں گا اور پھر میری کوئی ذمہ واری نہیں رہنے کی ہے اپنی تلوار سے تیری گردن اُڑاؤں گا اور میری تلوار جس کی گردن پہ چلتی ہے وہ فی النار ہو جاتا ہے"۔

اور بھی کئی اس قسم کے رقعے ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کر دئیے ہیں۔ اِس قسم کے خطوں سے حضرت علی کی ایک قسم کی مجبوری افسوس اور پریشانی پائی جاتی ہے۔ آپ نے خلیفہ ہوتے ہی نہایت فیاضی سے صوبوں کی گورنری تو اپنے بھانجے بھتیجوں کو سونپ دی لیکن بعدازاں آپ کو پچھتانا پڑا کہ اُن لوگوں نے صوبہ میں غدر مچا دیا لوگوں کا مال مارنا شروع کر دیا اور عیاشی کرنے لگے۔ اگر آپ میں جہانداری کی پوری قوت ہوتی تو ایک معاویہ کیا سو معاویہ مطیع ہو جاتے اور بھائیوں کی اگر وہ گورنر بھی بنائے جاتے کیا مجال تھی کہ سرکشی کر سکتے آپ کی خلافت کا زمانہ تقدیر سے پر آشوب اوّل ہی دن سے تھا اس صورت میں محض ایک خالی شجاعت کام نہیں دیسکتی تھی ایک بہت بڑی عالی تدبیری کی ضرورت تھی کاش غلبہ شجاعت آپ پر اتنا نہ ہوتا تو ضرور آپ میں ملک داری کے جوہر آجاتے اور خونریزی جو آپ کی خلافت میں با خاص صحابہ کی ہوئی کبھی نہ ہوتی اور مسلمان اُسی زمانہ میں یورپ تک چلے جاتے۔ تو بھی اس کہنے سے ہم باز نہیں رہ سکتے کہ آپ اعلیٰ درجے کے عادل اور اُمت مرحومہ کے خیرخواہ تھے اور آپ خود اس بدنصیب فساد پر افسوس فرمایا کرتے تھے آپ کو شیخین سے ایک خاص تعلق تھا اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ سب سے پہلے آپ کی خواہش خلیفہ بننے کی تھی تو بھی آپ دل آزردہ نہیں ہوئے آپ قوم کی پسندیدگی پر راضی ہو گئے اور آپ نے بھی بطیب خاطر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہی نہیں کی بلکہ اُن کے بہت سے کام کو بھی سنبھال کیا۔ آپ ہمیشہ شیخین پر جان فدا کرتے تھے اور جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو آپ نے بہت روکا تھا اور جب وہ روانہ ہوئے ہیں تو آپ بہت دور تک روتے ہوئے آئے تھے ؁

حضرت علی شیخین کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

کتاب قرۃ العینین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول درج ہے جو آپ نے خطبہ میں فرمایا تھا

آپ نے ارشاد کیا اس وقت جب آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں۔ اس جملہ سے پایا جاتا ہے کہ آپ کو شیخین سے کتنی محبت تھی اور آپ انہیں کتنا بزرگ سمجھتے تھے جتنی روایتیں باہمی دشمنی کی بیان کی گئی ہیں یہ سب فرقہ مخالف کی بعد ازاں کی تراشی ہوئی ہیں ان بزرگوں میں دشمنی کا نام نہ تھا اور وہ آپس میں سگے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اُن کی مثال دنیا میں ملنی ناممکن ہے۔ ہمیں بہت سی روایتیں مستند کتب تواریخ میں اُن کے باہمی اتحاد کی ملتی ہیں جن سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے کیسے فدائی تھے ✤

حضرت شہر بانو کا حضرت کامل بہائی کی روایت کے بموجب جب شہر بانو مدینہ میں داخل ہوئیں تو امام حسین سے نکاح۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ شہر بانو کو رستہ میں بٹھاویں اور کل مہاجرین و انصار بانو کے آگے سے گزریں جنہیں بانو پسند کریں وہی اُن کا شوہر بنجائے سب سے پہلے عمر گزرے بانو نے پوچھا یہ کون ہے جواب دیا یہ خلیفہ وقت ہی کہا بوڑھا ہے میں اپنا انہیں کرتی پھر کئی آدمیوں کے بعد حضرت امیر علی بن ابی طالب گزرے شہر بانو نے پوچھا یہ کون ہے جواب دیا گیا کہ شوہر فاطمہ دختر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جواب دیا کہ وہ میرے لائق تو ضرور ہی لیکن فاطمہ کے آگے قیامت کے دن میں کیا منہ لیکے جاؤں گی پھر حسن گزرے کہا یہ کون ہے جواب دیا

ك وعن ابراهيم النخعي قال ضرب علقمة بن قيس هذا المنبر وقال خطبنا علي على هذا المنبر محمد رسول الله واثنى عليه وذكر ما شاء الله ان يذكر وقال ان خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ابى بكر ثم عمر ثم احدثنا بعدهما احداثا الله فيها اخرجه احمد ١٢

گیا حضرت امیر کے بڑے صاحبزادے حسنؓ ہیں بانو نے کہا اسے میں پسند نہیں کرتی کیونکہ اسے زیادہ عورتیں کرنے کا شوق ہے۔ پھر حضرت امام حسینؓ شہربانو نے انہیں پسند کیا اور کہا کہ اس جوان سے میں شادی کروں گی حضرت عمر اس انتخاب سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ مدینہ کی آئینہ بندی کیجائے اور جابجا نشان اُڑائے جائیں۔ پھر حضرت امام حسینؓ کو گھوڑے پر سوار کیا اور عمر نے غاشیہ حسین اپنے کندھے پر رکھکر سارے مدینہ کا چکر لگایا تین روز تک مدینہ میں خوب جشن ہوتا رہا اور اسکے بعد نکاح ہوگیا۔

اس سے زیادہ اتحاد کا ہونا ممکن نہیں کہ خلیفہ وقت سلطان بحر و بر غاشیہ حسین کندھے پر رکھکے تمام مدینہ کا چکر لگائے اور خوشی میں تمام شہر کی آئینہ بندی کرائے ایسی مثالیں دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتیں یہ اتحاد اور محبت جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تھا دنیا میں کہیں دوسری جگہ اُس کا پتہ نہیں لگتا۔

حضرت امیر کی زرہ اور آپ کی شہادت کا ماتم

حضرت امیر نے ضرورت کے وقت اپنی زرہ کے عوض ایک یہودی سے کچھ روپے لیلئے تھے اور کوئی موقع آپ کو ایسا نہ ملتا تھا کہ اُس زرہ کی قیمت دیکے یہودی سے لیلیں لیکن حضرت ذی النورین یعنی حضرت عثمان غنی نے اپنے پاس سے قیمت دیکے اُس زرہ کو خرید لیا اور پھر وہ زرہ حضرت علی کو دیدی حضرت امیر زرہ دیکھکے بہت خوش ہوئے اور حضرت عثمان کے بہت ہی ممنون ہوئے۔

جب سعد وقاص فاتح ایران کو حضرت علی کی شہادت کی خبر پہنچی ہے تو اُنہوں نے سخت ماتم کیا اور کہا مجھے سخت شرمندگی ہے کہ میں اسوقت علی کیساتھ کیوں نہ تھا اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور اپنا مُنہ نوچ لیا۔ یہ تمام روایتیں نہج البلاغۃ۔ جلاء العیون اور بحار الانوار جیسی معتبر اور مستند کتابوں میں ملتی ہیں۔ اسیطرح حضرت علی بھی کل صحابہ پر جان فدا کرتے تھے اور بالخصوص

شیخین سے تو آپ کا خاص تعلق تھا چنانچہ حدیث محمد بن الحنفیہ و ابی جحیفہ وحدیث علقمہ وحدیث عبدالملک بن میسرہ وحدیث عبداللہ بن سلمہ اور اسیطرح شیعی راویوں کی اور بہت سی حدیثیں صاف طور پر شہادت دے رہی ہیں کہ حضرت امیر کے دل میں صحابہ کی کتنی وقعت تھی چنانچہ ان ہی راویوں کی روایت کے بموجب جب حضرت علی کے کان میں یہ آوازیں پہنچیں کہ بعض لوگ آپکو شیخین یعنے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل سمجھتے ہیں تو آپ بہت ہی ناراض ہوئے۔ غصہ میں آپ کا رنگ تمتا گیا۔ فوراً آپ مسجد نبوی میں آئے۔ اور مسلمانوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور نہایت جوش میں کہا جس شخص نے مجھ پر یہ افترا باندھا اُس کی خبر میں دُرّے سے لونگا میں شیخین سے ہرگز افضل نہیں ہوں میری خوشی اسی میں ہے کہ مجھے خلیفہ چہارم کہا جائے اور بس۔ دوسری شیعی روایت میں ہے کہ حضرت علی نے حضرت صدیق اکبر کی شجاعت کی بہت تعریف کی اور کہا کہ جنگ بدر میں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھا اور ابوبکرؓ آگے بڑھ بڑھ کے کفار پر حملے کرتے تھے۔ اسیطرح جنگ اُحد میں بھی آپنے ہی شجاعت دکھائی۔

حضرت امام محمد باقر کا قول صحابہ کبار کی نسبت

شیعی محدثین کی ایک جماعت یہ روایت بیان کرتی ہے کہ ایک شخص نے جناب امام سے دریافت کیا کہ شیخین کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے آپنے ارشاد کیا کہ میں اُنہیں دوست رکھتا ہوں۔ سائل نے جواب دیا کہ آپ کی نسبت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ محض خوف سے تقیہ کرتے ہیں اور ڈر کے مارے شیخین کی تعریف کرتے ہیں حضرت امام نے جوش میں آکے جواب دیا کہ زندگی سے ڈرنا چاہئیے موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے پھر آپ ہشام بن عبدالملک کو جو خلیفہ وقت تھا برا بھلا کہنے لگے اور فرمایا اگر میں خوف کرتا تو اس شخص سے کرتا جو صاحب حکومت ہے یہ شخص اہل بیت کا قاتل ہے جب

میں اُسے برملا برا کہہ رہا ہوں تو شیخین سے جنکی وفات ہو چکی ہے کیا تقیہ کروں گا۔

محمد بن حنفیہ کا قول بابت حضرت عثمان کے

محمد بن حنفیہ کے آگے ایک جماعت حضرت عثمان کی بُرائی کرنے لگی۔ محمدؐ نے جواب دیا تم ایسا نہ کہو پھر ابن عباس کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تجھے یاد ہو گا جنگ جمل میں میں حضرت امیر کے دائیں جانب تھا اور تو بائیں جانب جب عین معرکہ جنگ میں یہ خبر آئی کہ اُم المومنین عائشہ قاتل عثمان پر لعنت بھیج رہی تھیں حضرت علی نے سنتے ہی کہا میں بھی قاتل عثمان پر خواہ وہ کہیں ہو لعنت بھیجتا ہوں۔ ابن عباس نے یہ سنکے محمد کی تصدیق کی۔

یہ کل روایتیں ہم نے شیعوں کی معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں سنیوں کی کتابوں کی روایتیں ابھی باقی ہیں جو ہم آیندہ نقل کریں گے۔ تمام معتبر شیعی کتب میں ایک عجیب لطف پایا جاتا ہے ایک ہی کتاب میں کہیں مناقب شیخین درج ہیں اور کہیں شیخین کو گالیاں دی گئی ہیں۔ روایتوں کے اس اختلاف عظیم سے زمانہ کی نیرنگی اور عقاید کی گوناگونی پائی جاتی ہے۔ اور یہ پتہ لگتا ہے کہ شیعوں نے موجودہ عقاید پر کس صورت سے ترقی کی اور وہ اوّل کیا تھے اور کتنے زینے طے کرنے کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ سب سے پہلے اُنکا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی شیخین پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اسی زمانہ میں اس قسم کے سوال ہونے لگے تھے اور لوگ سرگوشی کرنے لگے تھے کہ آیا حضرت علی افضل ہیں یا نہیں۔ حضرت امام باقر سے یہ سوال کرنا کہ آپ فضیلت شیخین کے بیان کرنے میں تقیہ تو نہیں کرتے اسبات کی شہادت دیتا ہے کہ بتدریج شیخین کی بُرائی کے خیالات لوگوں میں پیدا ہوتے جاتے تھے اور وہ یہ پریشان سوال کرنے لگے تھے۔ مگر آفرین ہے حضرت امام محمد باقر پر کہ اُنہوں نے ان خیالات اور ان مغویانہ حرکات کی زور سے تردید کی اور برملا ہشام بن عبد الملک کو بُرا کہا اور کہا کہ جب میں اس سے نہیں ڈرتا تو شیخین سے جن کی وفات ہو چکی ہے کیا ڈروں گا۔

اس میں ہرگز کلام نہیں کہ ائمہ نے بہتیرا چاہا کہ صحابہ ثلاثہ کے نقایص کے خیالات کو ترقی نہ ہو

لیکن یہ امر اُن کی قدرت سے باہر تھا کیوں کہ ایک طرف خارجیوں کا گروہ حضرت علی اور حضرت حسنین کو برملا گالیاں دے رہا تھا اور اس نے اپنے مذہب کی یہی نشانی قرار دی تھی کہ حضرت علی پر مساجد میں تبرا کہا جائے۔ دوسرے فریق کے خیالات میں اشتعال پیدا ہو رہی تھی اور وہ خارجیوں کا کلہ بکلہ جواب دینے کے لئے صحابائے ثلاثہ پر نکتہ چینی کرنے لگے تھے گو ابھی یہ نکتہ چینی نہایت تہذیب کے پیرائے میں کی جاتی تھی لیکن قرن پر قرن گزرنے سے اس نکتہ چینی میں تعصب کا زنگ ملنے لگا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ نکتہ چینی نہ رہی بلکہ اسکی جگہ تبرے بازی اور لعن طعن نے لیلی اور پھر کئی صدی کے بعد یہ لعن طعن بازاری گالیوں کی صورت میں آ گیا اور اب تو افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ گالیاں بھی نہیں ہیں اُن سے بھی ایک درجہ بڑھ گیا اور وہ درجہ ایسا ہے کہ اُسکے نام رکھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی لفظ نہیں ہے +

جب تعصب اپنی حد سے بھی آگے بڑھ گیا تو اور جدید جدید گروہ پیدا ہو گئے اور انہوں نے اپنا اپنا طریقہ ایجاد کیا ان میں سے ایک گروہ سب سے جدا ہو گیا اور وہ اپنے قدیم مسلک پر آ گیا اور بعد ازاں اُس گروہ کا نام تفضیلیہ رکھا گیا یعنی اس نے اصحاب ثلاثہ کو بُرا کہنا چھوڑ دیا اور حضرت علی کے افضل ہونے ہی پر قناعت کی۔ اس میں ہرگز شک نہیں کہ اسلام کو ان فاسد خیالات نے بہت ہی صدمہ پہنچایا اسلام کے تمام اوامر و نواہی بالائے طاق رکھ دئے گئے اور اسلام صحابہ ثلاثہ کے گالیاں دینے کے تاریک اور غلیظ دائرہ میں محدود کر دیا گیا۔ عام طور پر حکم لگایا گیا کہ خواہ کتنی ہی عبادت کی جائے اور کیسا ہی اتقا ہو وہ شخص جہنمی ہے جسکے دل میں صحابائے ثلاثہ کی عداوت نہ ہو اور صبح شام اُن پر تبرا نہ بھیجتا ہو۔ پیہ پیاد کن خیالات بڑے غضبناک تھے انہوں نے نفس اسلام ہی کو صدمہ نہیں پہنچایا بلکہ اس گروہ کے اخلاق کو بھی کھو دیا۔ اور ایسا کھو دیا کہ تمام دنیا کے مذہبی علما اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے +

حضرت زین العابدین کی رائے خلفاء ثلاثہ کی نسبت

شیعی معتبر روایت کے بموجب خلفائے ثلاثہ کی نسبت حضرت زین العابدین سے سوال کیا آپنے ارشاد کیا مجھسے کیا پوچھتے ہو خداوند تعالیٰ اپنے کلام پاک میں آپ کی تعریف فرماتا ہی کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ صحابہ ثلاثہ نے محض اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اپنا وطن اپنا مال اور اپنے اقربا چھوڑ دیئے تھے خدا تعالیٰ اُنہیں کی نسبت ارشاد کرتا ہی اولیٰک هم الصادقون لوگوں نے کہا پھر انصار کی نسبت آپ کی کیا رائے ہی جنہوں نے اپنے ہاں اُتارا اور ہر طرح سے مہاجرین کی امداد کی کہا میں اُن کی بھی تعریف کرتا ہوں اور اِن کی نسبت کلام باری میں ارشاد ہوا ہے اولیٰک هم المفلحون میں اُن لوگوں کو اچھا سمجھتا ہوں جو اِن دونوں جماعتوں پر رحمت بھیجیں اور مہاجرین و انصار کی عداوت اور کینہ سے پاک ہیں۔ اسکے خلاف جو کوئی ہو گا گویا اُس نے گمراہی کا رستہ اختیار کیا +

امام محمد باقر امام صدیق کی زبانی حضرت صدیق کی نسبت یہ رائے نقل کرتے ہیں

ایک شخص امام زین العابدین کے پاس آیا کہ مجھسے ابوبکر کی نسبت کچھ بیان کر حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ کیا تو صدیق کی بابت مجھسے کچھ پوچھنا چاہتا ہے سائل نے کہا ہاں تو اُسے صدیق کے لقب سے یاد کرتا ہی آپنے فرمایا کہ تیری ماں تجھپر روئے خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور کل مہاجرین و انصار نے اُسے ہمیشہ اسی لقب سے خطاب کیا ہی جو شخص اُسے صدیق نہیں جانتے کا حق تعالیٰ دینا و آخرت میں اُسکی تصدیق نہیں کریگا۔ تیرا اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ شیخین کا دوست بنے +

کثیر کا قول

کثیر نے بیان کیا کہ میں نے امام باقر سے کہا کہ آیا شیخین نے کوئی چیز تمہارے حقوق میں سے غصب کی فرمایا اُس ذات کی قسم ہے جس نے قرآن مجید اپنے بندہ محمد پر نازل کیا کہ دانہ خردل کے برابر بھی ہمارے حقوق سے کوئی چیز غصب نہیں کی۔ میں نے کہا میں تجھپر سے قربان ہو جاؤں تو اُنہیں دوست رکھتا ہے فرمایا ہاں پھر مجھے حکم دیا تو بھی اُنہیں دوست رکھیو اور پھیر

اپنا ہاتھ اپنی گردن پر رکھا اور کہا کہ اُن کی دوستی سے اگر عاقبت میں تجھپر کوئی عذاب ہو تو وہ میری گردن پر ہے۔ خدا اور رسول مغیرہ بن سعید و بنان سے سخت ناراض ہیں کہ شیخین کی مخالفت کا اتہام وہ ہم پر لگاتے ہیں کہ لوگوں کو ہم سے بدگمانی پیدا ہو ✣

حضرت امام باقر کا دوسرا قول | کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا آیت ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین حق شیخین اور علی میں نازل ہوئی ہے ارشاد کیا ہاں۔ سائل نے پوچھا کہ وہ کینہ کیا تھا فرمایا کینۂ جاہلیت۔ اولاد تیم و عدی اور ہاشم میں پہلے عداوت تھی لیکن اسلام لانے کے بعد وہ ساری عداوت جاتی رہی اور سب ایک دل ہو گئے ✣

عبدالجبار ہمدانی | فاضل عبدالجبار ہمدانی کا بیان ہے کہ حضرت امام صادق ایک گروہ کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے یہ گروہ مدینہ جاتا تھا آپ ارشاد کرنے لگے کہ اہل مصر کو یہ پیغام پہنچا دینا کہ اُن میں سے جسکا یہ گمان ہوگا کہ میں شیخین سے ناراض ہوں گویا اُس نے مجھے اپنا مخالف بنا لیا میں ایسے شخص کو جو میری نسبت یہ گمان رکھے شقی اور مردود سمجھتا ہوں

محدث طبرانی | فاضل محدث اس امام عالی مقام سے روایت کرتا ہے کہ جب شیخین کی بابت حضرت امام زمان سے دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد کیا میں اس شخص سے بیزار ہوں جو شیخین کو بُرائی سے یاد کرے اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں جو شیخین کا دوست ہو۔ دریافت کرنیوالے نے کہا کہ شاید تو تقیہ کی رو سے یہ کہتا ہے اس صورت سے تو میں زمرۂ مشرکین میں ہوا اور تیرے نانا کی شفاعت بھی روز آخر مجھے نصیب نہیں ہونے کی آپنے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں میں تقیہ سے نہیں کہتا اگر تیرے دل میں اُن کی عداوت ہوگی تو تو کبھی نہ بخشا جائیگا ✣

امام اعظم امام ابو حنیفہ کی رائے شیعی روایت کے بموجب | امام ابو حنیفہ مدینہ منورہ میں گئے اور امام باقر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے امام کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ آپ اہل عراق کیطرف سے

کچھ کبیدہ خاطر معلوم ہوتے ہیں مجھے حکم دیا کہ تو میرے پاس نہ بیٹھ لیکن میں چونکہ ایک خاص ضرورت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اسلئے منع کرنے پر بھی بیٹھ گیا اور میں نے سوال کیا کہ شیخین کی نسبت آپکا کیا خیال ہے آپنے فرمایا خدا اُن پر رحم فرمائے۔ میں نے کہا اہل عراق یہ کہتے ہیں کہ تو اُن سے بیزار ہے حضرت امام زمان نے جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے پھر اُم کلثوم کا قصہ بیان کیا کہ جناب مرتضوی نے بخوشی و خرمی اپنی بیٹی حضرت عمر کے نکاح میں دی تھی۔ میں نے عرض کیا کاش اس مضمون کا ایک خط حضور اپنے دست مبارک سے لکھکے اہل عراق کو بھیجدیں تو بہت اچھا ہو جائے امام صاحب نے جواب دیا وہ میری طاعت نہیں کرتے کہ میرے رقعہ کو مانیں گے ❖

ہشام جیرفی کی روایت | فاضل جیرفی کہتا ہے میں نے امام باقر سے دریافت کیا کہ تو شیخین کے حق میں کیا کہتا ہے ارشاد کیا خدا کی قسم میں دوست رکھتا ہوں اور اُنکے لئے استغفار کرتا رہتا ہوں کوئی اہل بیت کا شخص ایسا نہیں ہے جو شیخین کو بُرا کہتا ہو ❖

باقر العلوم کی روایت | فاضل باقر العلوم کا بیان ہے کہ کسی نے امام محمد باقر سے دریافت کیا کہ ایک شخص اہل بیت میں سے میں نے دیکھا کہ شیخین کو بُرا کہہ رہے تھے فرمایا نہیں نہیں ایسا نہو معاذ اللہ اہل بیت میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو شیخین کو بُرا کہتا ہو۔ سب اہل بیت کو اُن سے محبت ہے اور سب نے اُن پر رحم کھایا ہے ❖

دوسری روایت | امام باقر علیہ السلام نے عبد اللہ کے جواب میں فرمایا کہ حلیۂ سیف کا کچھ ڈر نہیں ہے کیونکہ ابو بکر صدیق سے اسکا ثبوت ملتا ہے راوی نے کہا تو اسے صدیق کہتا ہے آپنے مکرر فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہے جو شخص ایسا اعتقاد نہ رکھے حق تعالیٰ کونین میں اُسکی تصدیق نہیں فرمائے گا

حضرت امام باقر کی رائے حضرت امام جعفر کی زبانی | امام جعفر فرماتے ہیں مجھسے امام باقر نے یہ کہا کہ سید لبشنا! اطہرہ!

کی اولاد شیخ کی حسن سیرت اور بزرگی کی قایل ہے اہل بیت میں سے ایک شخص نے اس سے مخالفت نہیں کی ہے +

سالم بن حفصہ کی روایت

سالم بن حفصہ کہتے ہیں کہ میں نے امام باقر اور انکے صاحبزادے امام جعفر صادق سے پوچھا تو ہر ایک نے مجھے یہ جواب دیا کہ اے سالم ہم اُن سے محبت رکھتے ہیں اور جو اُن سے محبت نہیں کرتا ہم اُس سے بیزار ہیں وہ ہدایت اور ارشاد کے امام تھے +

اسی قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جو اصحاب شیعہ کی معتبر کتابوں میں ہیں۔ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ اس قسم کی سرگوشیاں اسی زمانہ میں شروع ہو گئی تھیں اور یہ سوالات اور سازشیں خلفائے ثلاثہ کے خلاف اہل بیت کی کمزوری کی وجہ سے ترقی پذیر ہو گئیں اگر اہل بیت صاحب حکومت اور صاحب فوج ہوتے تو ان مخالفانہ خیالات کی اتنی اشاعت نہ ہوتی غضب یہ ہوا کہ اہل بیت کی حیات ہی میں اماموں کی نسبت غلط باتیں شایع ہونے لگیں جب اماموں کی وفات ہو گئی تو گروہ مخالف کو اور بھی ترقی ہوئی لیکن دقت یہ تھی کہ ادھر تو وہ جھوٹی روایتیں ان کی نسبت مشہور کرتے رہے اور ادھر سچی روایتوں کا انبار نکل آیا جو فضیلت شیخین میں تھیں تو اب انہیں دقت ہوئی کہ ان متضاد باتوں کو کہاں تک نبھایا جائے فوراً انہوں نے اپنی چالاکی سے یہ بیان کرنا شروع کیا کہ یہ کل امام تقیہ کرتے تھے یعنی مروانی خلفا کے ڈر سے جھوٹ بولتے تھے دل میں انکے کچھ تھا اور کہتے کچھ تھے جب اس پر بھی کامیاب نہیں ہوگے تو ایسی بے بنیاد روایتیں اُن کے نام سے ایجاد کیں جن کی وقعت چڑے چڑیا کی کہانی سے زیادہ ہرگز نہیں ہو سکتی کاش ایسی روایتیں کسی جھوٹے قصہ میں ہوتیں تو زیادہ موزوں تھیں ہم خود ہی ان واضعوں کے مہمل پنے پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ جو شخص دیکھے گا خود بول اُٹھے گا کہ ہم غلطی پر ہیں یا صحت پر دقت صرف یہ ہے کہ ہم حضرت علی یا اور اماموں کو بزدل نہیں سمجھتے کیونکہ تاریخی شہادتیں ہمارے

پاس بہت ہیں اور اگر شہادتیں بھی نہ ہوں تو کیا اتنا کافی نہیں ہو سکتا کہ خود حضرت علی شیر خدا فاتح خیبر اور آپکے پوتے سب اہل بیت ہیں سب ہیں شجاعت کی سند اس رشتہ سے خود بخود مل سکتی ہے اخیر کوئی ضعیف سا ضعیف پہلو بھی ایسا ہی جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت علی اور دوسرے امام نامرد تھے جیسا کہ ہمارے بھائی شیعوں کا خیال ہی۔ اگر اہل بیت میں یہ بات نہ ہو کہ وہ جان حق پر قربان کردیں اور ننگی تلواروں کے سایہ میں بھی جھوٹ نہ بولیں تو پھر یہ صفت اور کس میں ہو سکتی ہی اور قوموں کو جانے دو خود اسلام ہی میں ہزاروں بلکہ لاکھوں خدا کے بندے ایسے گزرے ہیں جو شہنشاہوں کے آگے بھی جھوٹ نہیں بولے ہیں۔ گردنیں دیدی ہیں لیکن کیا مجال ہی جو خلاف حق ایک لفظ بھی نکلا ہو۔ اس میں شک نہیں اُن اماموں کی نسبت بے ایمانی اور دروغ حلفی کا الزام رکھنا عقل اور انصاف سے دور ہی اُن ہی کے نام لیوا ہو کے اُن ہی کو گالیاں دیں یہ شان اسلام اور شرافت سے بعید ہے کون شبہ کر سکتا ہی کہ حضرت علی شیر خدا تھے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت زین العابدین حضرت محمد باقر اور حضرت امام صادق اور اسیطرح اور امام بھی بڑے ہی بہادر اور غیر تمند تھے اور اُن کی نظیر کم سے کم اسلامی گزشتہ اور موجودہ دنیا میں تو نہیں ملنے کی۔ ہمارا ایمان ہی کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جھوٹ بولنا تو کیسا اُنہیں اُسکا وہم بھی نہ گزرتا تھا +

ناظر کو تعجب ہوگا کہ جس کتاب یا کتابوں میں سے شیخین کی یہ مدح انتخاب کی گئی ہی اُنہیں کتابوں میں بے انتہا گالیاں بھی بھری ہوئی ہیں اور وہ گالیاں ایسی فحش ہیں کہ تعجب ہوتا ہے اس قسم کی باتیں کیوں ایسی اعلٰے درجہ کی کتابوں میں درج کی گئی ہیں اور بلا سبب کیوں اُن معتبر اور پاک کتابوں کو بگاڑا گیا جو بعد از قرآن سمجھی گئی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ جہاں ہم نے ایک ہی قسم کی روایتوں کا رنگ دکھایا ہی وہاں دوسری قسم کی اختلافی حکایتوں کو بھی ناظر کے آگے پیش کردیں تاکہ وہ اندازہ کرلے کہ بتدریج تعصب مذہبی میں کتنی ترقی ہوئی ہی کہ فاضل مصنفوں کو اسکا مطلق خیال نہ رہا

کہ ابھی ہم کیا لکھ چکے ہیں اور اب کیا لکھ رہے ہیں ؟

مامون رشید کا قول بابت شیخین

ایک شخص نے کہا۔ ابوبکر کی فضیلت متفق علیہ روایتوں سے مدلل ہے اسلئے امر نبوی تمامی اُمت پر اقتدائے شیخین کیلئے جب تک فضیلت نہ ہو نہیں ہو سکتا یعنی خلافت اور پھر اُمت کا اقتدا کرنا اسی شخص کو سزاوار ہے جو افضل ہو۔ انہوں نے جواب دیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں روایتیں اور حدیثیں مروی ہیں۔ لیکن ان کل روایتوں اور حدیثوں میں تین شقیں ضرور ہونی چاہیئیں کیونکہ وہ ان تین شقوں سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں کیا تو وہ کل کی کل حق ہونگی یا کل کی کل باطل یا بعض باطل اور بعض حق۔ اگر وہ کل کی کل حق ہوویں تو لازم آتا ہے کہ اپنے تعارض اور تناقض کی وجہ سے باطل ہوں اور جب وہ باطل ہوئیں تو پھر دین کی خرابی لازم آئی اور ملت سید المرسلین برباد ہوا پس ضرورت کیلئے شق ثالث کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ حالاً یہ لازم ہوگا کہ روایت کی حقیقت کا مدار معاضدت دلیل عقلی پر ہو اور جو کچھ تو نے ابوبکر کی فضیلت پر استدلال کیا ہے باطل ہے اور ہرگز عقل اُسے باور نہیں کرتی۔ اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ احکم الحکماء اور بہترین انبیاء تھے نہایت مستبعد ہے کہ اپنی اُمت کو ایک امر محال کا حکم کریں جب لازم باطل ہو تو ملزوم خودبخود باطل ہوگیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ شیخین من جمیع الوجوہ متفق تھے یا مختلف تقدیر اول میں چاہیئے کہ جسم و صورت میں بھی متفق ہوں اور یہ محال ہے کہ دو فرد انسان اعیان خارجیہ میں من جمیع الجہات و الحیثیات موافق ہوں اسلئے اُن کی اطاعت کرنی تکلیف مالایطاق ہوگی کیونکہ اگر ایک کا اقتدا کرتے ہیں تو دوسرے کی مخالفت کرنی پڑے گی اور اُن کے اختلاف پر یہ دلیل ہے کہ ابوبکر سبی اور اہل ردت کے قتل پر متوجہ ہوئے اور عمرؓ نے اسکے خلاف فتویٰ دیا۔ عمر یہ چاہتے تھے کہ ابوبکر خالد کو قتل مالک بن نویرہ پر معزول کردیں لیکن ابوبکر نے اُسے معزول نہیں کیا۔ عمر نے متعہ النساء و متعہ الحج کو حرام کردیا لیکن ابوبکر نے ایسا نہیں کیا۔ عمر نے دیوان عطا

مقرر کیا لیکن ابوبکر کی خلافت میں اسکا وجود بھی نہ تھا۔ ابوبکر نے وقت رحلت اپنا خلیفہ آپ نامزد کیا اور عمر نے خلافت کا دارومدار شوریٰ پر رکھا اسیطرح بہت سی باتوں میں عمر نے ابوبکر سے مخالفت کی۔ یہ ہی ماموں رشید کی بوسیدہ منطق اور یہ ہے شیخین میں اختلاف جو شخص کچھ بھی دماغ اور دماغ میں عقل رکھتا ہی وہ جان سکتا ہی کہ یہ اختلاف امور جہانداری اور مصلحت قومی میں تھا اور قدرتاً ایسے اختلاف کا ہونا ہر فرد بشر میں ضروری ہی۔ یہ انتظامی اختلاف دنیا کی کل متمدن اور غیر متمدن سلطنتوں میں روز اول سے پایا جاتا ہی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ عرب مدینہ یا اس سے زیادہ حجاز کی چار دیواری میں مقید تھے اُسوقت اُن کی قانونی اور انتظامی وسعت بہت ہی محدود تھی ایک زمانہ وہ آیا کہ مسلمان کسریٰ اور قیصر کی سلطنتوں کو ہڑپ کر گئے اب بتقاضائے جہانداری اُنہیں اپنے قوانین میں وسعت دینی پڑی نئے نئے محکمے بنانے پڑے اور نئی نئی عدالتیں قایم کرنی پڑیں۔ تو کیا اس وسعت انتظام سے یہ لازم آئے گا کہ ان مسلمانوں نے خلفائے راشدین اور معاذ اللہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کی حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا کیوں کہ ابتدا ہی میں وہ انکو منتخب کر چکے تھے اور سعد بن سقیفہ میں حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ آپ کی قلیل مدت خلافت میں حضرت ابوبکر ہی امور خلافت کی انجام دہی کرتے تھے اور آپ بطور وزیر اعظم کے تھے۔ مگر حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت یا اپنی حیات میں اپنے جانشین کا انتخاب نہیں کیا تھا کیونکہ آپ اچھے گرانڈیل تھے اور آپکے وقت میں چونکہ سلطنت کو وسعت زیادہ ہو گئی تھی اسلئے آپ کو امور سلطنت کے انجام دینے میں بہت کم فرصت ملتی تھی اور آپ کی جسمانی طاقت اور صحت اس امر کی کافی ضامن تھی کہ اگر کوئی اتفاقی حادثہ نہ پڑا تو آپ پندرہ بیس سال اور بھی زندہ رہ سکتے تھے دوسرے سلطنت کی زیادہ وسعت اس امر پر مصر تھی کہ آپ اپنی طرف سے اپنا کوئی خلیفہ نامزد نکریں بلکہ اس اہم

امر کو قوم پر چھوڑ دیں اس مدبر اعلیٰ کی یہ بہت بڑی حکمت عملی تھی کہ اسلام میں جمہوری سلطنت قایم کرنا چاہتا تھا اگر یہی طریقہ بعد ازاں اسلام میں جاری ہو جاتا تو آج تمام دنیا میں اسلام ہی نظر آتا۔ اگر اس تجدید انتظام کا نام کوئی مذہبی اختلاف ہے تو بس سب کچھ بھر پایا پھر ایک بھی مسلمان دنیا میں ایسا نہیں نکلے گا جس نے اپنے کاموں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت نکی ہو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو اپنا پائے تخت بنایا لیکن حضرت علی نے کوفہ کو اسیطرح تمام امور جہانداری میں برابر مخالفت ہوتی چلی گئی۔ اس قسم کی باتیں معاملات دنیاوی اور انتظام جہانداری سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے جو حکمت عملی حضرت علی کی تھی وہ حضرت امام حسن کی نہیں رہی اور جو حضرت امام حسن کی تھی وہ حضرت امام حسین کی نہیں رہی علاوہ ازیں بھی کیونکر سکتی ہے جب خداوند تعالےٰ نے سب کے قوائے عقلی یکساں نہیں بنائے دوسرے ہر شخص کے زمانہ میں نئی نئی صورتیں اور تازہ تازہ واقعات پیش آتے ہیں کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ ایک بادشاہ یا خلیفہ کا جانشین لکیر کا فقیر ہو کے بیٹھ رہے اور اپنی خداداد عقل سے مطلق کام نلے اور اگر کوئی اختلاف بھی قایم کیا جائے تو اُس کا جواب حضرت امام صادق نے بہت اچھا دیا ہے جسے کلینی نے بروایت علی ابن ابیہ نقل کیا ہے ؛

کلینی کی روایت | [1] ابن حازم کا بیان ہے میں نے امام صادق سے اصحاب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] "اخبرنی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقوا علی محمد ام کذبوا قال بل صدقوا قال قلت فما بالھم اختلفوا فقال اما تعلم ان الرجل کان یاتی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسألہ عن المسالۃ فیجیبہ فیہا بالجواب ثم یجیبہ بعد ذالک بما ینسخ ذالک الجواب فنسخت الاحادیث بعضھا بعضًا الی غیر ذالک من الروایات" ۱۲

دریافت کیا کہ آیا انہوں نے سید الانبیا پر افترا کیا ہے یا راہ صدق میں قدم زن ہوئے ہیں امام نے جواب دیا ہر گز افترا نہیں کیا بلکہ راستی کے ساتھ وہ متصف تھے پھر میں نے دریافت کیا اُن کی اختلاف کی وجہ کیا ہے حضرت امام نے جواب دیا ایک شخص حضرت رسالت آب کی خدمت میں حاضر ہوتا سوال کرتا اور جواب پاتا پھر دوسرے وقت کوئی دوسرا شخص آتا اور وہ اُسی مسئلہ کو پوچھتا تو اُسے دوسرا جواب دیا جاتا کیونکہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔ بس اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا"۔ یہ جواب جو کلینی نے امام صادق کا نقل کیا ہے مذہبی پہلو سے بہت اچھا ہے لیکن مورخانہ جواب وہی صحیح ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے +

خلفا پر الزام | جن کتابوں میں خلفا اور بالخصوص شیخین کی تعریف کی گئی ہے اُن ہی کتابوں میں یہ الزام بھی خلفا پر لگائے گئے ہیں شیخین کی بنائے مذہب کفر و نفاق پر تھی سوائے اُن کے کل صحابہ منافق تھے اور انہوں نے محض ریاست اور طمع دنیا کے لئے حضور انور کے ساتھ ہجرت کی تھی کئی بار شیخین نے آنحضرت کو زہر دینا چاہا لیکن کامیاب نہیں ہوئے اُن کا تمام جہاد و عبادت محض مکاری کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے اہل بیت کو تکلیفیں دیں اور حضرت علی کی کسی امر میں مدد نہ کی۔ اور علی کے حق کو جبراً چھین لیا۔ حضرت علی نے شیخین کی متابعت اور اُن کے پیچھے محض تقیہ اور خوف سے نماز پڑھی تھی یہاں تک کہ حضرت علی نے اپنی پیاری بیٹی خوف میں آکے حضرت عمرؓ کے نکاح میں دیدی تھی اور صرف ڈر اور تقیہ سے اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر اور عثمان رکھے تھے۔ جو صحابہ سچے دل سے ایمان لائے تھے اُنکا شمار اُنگلیوں پر ہے یعنی ابوذر۔ مقداد۔ سلمان۔ عمار اور جابر۔ اسیطرح اور بھی دو چار تھے باقی سب منافق اور بیدین تھے۔ ان ناگوار باتوں نے فریق ثانی کے دلوں میں اشتعال پیدا کر دی اور پھر انہوں نے بھی شیعی مذہب پر اعتراض کرنے شروع کئے اعتراضوں کا سلسلہ جاری رہا اور اُس نے ایک غیر فانی

عداوت فریقین کے دلوں میں قایم کردی جو انتہا درجہ قابل افسوس ہے +

رسالہ وسیلۃ النجات میں علامہ دہلوی نور اللہ ضریحہ کسی سائل کے جواب میں مفصلہ ذیل بیان لکھتے ہیں - ایک سایل نے آپ سے دریافت کیا کہ سنی دعوی کرتے ہیں ہمارا مذہب حق ہے اور قرآن مجید کے موافق بھی یہی مذہب ہے شیعوں کی تمام کتابیں باطل ہیں اور ان میں افترا ہی افترا بھرا ہوا ہے اُن کا مذہب مذہب اہلبیت نہیں ہے بلکہ مذہب اہل بیت یہی ہے جو ہمارا ہے اسکے مقابلہ میں شیعوں کا یہ دعوی ہے کہ قرآن ہمارا مذہب ہے اور ہمارا طریقہ امام جعفر صادق کا طریقہ ہے - سنیوں کی تمام کتابیں غیر معتبر اور لغو ہیں میں چاہتا ہوں کہ آیات قرآنی سے ان باتوں کا ایسا جواب دیا جائے کہ کوئی دم نہ مار سکے اور حجت منقطع ہو جائے اور ایسا راستہ بتا دیا جائے کہ طالبان حق اسپر عمل کریں اور باطل مذہب سے روگردانی کرکے نجات کی کنجی حاصل کریں - علامہ دہلوی نے اسکا جواب یہ دیا +

جواب

اے بھائی اول ہر مذہب کی بنا کو دریافت کرنا چاہیے اور ہر فریق کی کتابوں کو بالائے طاق رکھدے اور جب ہر مذہب کی بنا سے واقف ہو جائے تو اُسے آیات قرآنی سے مطابق کر اور جس مذہب کی بنا محکم اور استوار ہو اُس مذہب کی کتابوں کو پڑھ اور اُسپر عمل کر اور جو مذہب کہ بعد تحقیق کے تجھے باطل معلوم ہو اسکی کتابوں کو وساوس شیطانی جان کے انکو آب برد کردے اُن کی طرف مطلق توجہ نکر بلکہ اُنکو پارہ پارہ کردے اور یقین کرلے کہ یہ مذہب اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا نہیں ہے بلکہ شیطانی مذہب ہے تجھے سمجھنا چاہیئے کہ اہل بیت کے مذہب کی بنا ابوبکر عمر عثمان علی مہاجرین و انصار و اصحاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و تقوی و صلاح پر موقوف ہے - ان اصحاب کی تعداد ہزاروں پر جاکے تمام ہوتی ہے ان لوگوں نے راہ خدا میں جہاد کیا - نمازیں پڑھیں اور حضور انور کے زمانہ حیات میں حمایت کرتے رہے اور بعد وصال رسول مقبول اپنی اپنی خلافتوں میں

راستی اور عدل سے کام لیتے رہے اور اہل بیت کی خدمت کرتے رہے۔ اہل بیت کی محبت اُن کا پہلا کام رہا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہمیشہ اُن سے میل جول رکھا اور اُن کے ہمراہ کفار سے جہاد کیا اُنکے پیچھے جماعت کی نمازیں پڑھیں اور ہمیشہ اُن کے ساتھ نشست و برخواست رکھی اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے رہے اور اُن کے مناقب اکثر اوقات آپنے بیان فرمائے ہیں لیکن شیعی مذہب کی بنا خلفائے ثلاثہ اور ہزاروں صحابہ کو کافر اور منافق سمجھنے پر ڈالی گئی ہے اُن کا قول ہے کہ کل منافق تھے اور نفاق سے ایمان لائے تھے اور اُن کی ہجرت بھی طمع ریاست اور دنیا پر منحصر تھی اور اُن کا تمام جہاد اور ساری عبادت بالکل ریاکاری پر تھی خدا کے لئے وہ کوئی کام نہ کرتے تھے حضور انور کے وصل کے بعد اُنہوں نے اہل بیت کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اور حضرت علی کی کبھی بات نہ پوچھی اور اُسکے حق کو زبردستی چھین لیا حضرت علی کا اُنکے پیچھے نماز پڑھنا اور اُن کی متابعت کرنا محض خوف اور تقیہ سے تھا یہانتک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی بیٹی محض خوف اور تقیہ سے حضرت عمر کو بیاہ دی تھی اور اپنے بچوں کا نام ابو بکر و عمر و عثمان تقیہ سے رکھا تھا اور سوائے دو چار کے کل صحابہ منافق اور کافر ہیں (اس عبارت کو گزشتہ صفحوں میں بھی ہم نقل کر آئے ہیں)

جب تو نے دونوں مذہبوں کی بنا کو دریافت کر لیا اب تجھے جاننا چاہیئے کہ اہل سنت کی بنائے مذہب آیات قرآنی پر ہے اختصار کے طور پر یہاں چند آیتیں لکھی جاتی ہیں۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه

یعنی سابقین مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے پیروی اور متابعت سابقین کی راستبازی میں ایمان و طاعت کے ساتھ کی خدا اُنسے اور وہ خدا سے راضی ہوئے پھر فرمایا وعد لهم جنت تجری من تحتها الانهار ط اور خدا نے اُن کے لئے بہشت بنائی کہ اُن کے نیچے یا درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں خلدين فيها ابدا یعنی یہ کل

مہاجرین والانصار اور اُن کی متابعت کرنے والا ہمیشہ بہشت میں رہینگے۔ یہ آیت صاف شہادت دیتی ہی کہ مہاجرین والانصار سابقین کی تعداد بکثرت ہی اور اسیطرح اُن کے بعد اُن کی پیروی کرنیوالوں کی تعداد بہت زیادہ ہی۔ ان سب لوگوں کو دائمی بہشت کی بشارت دی گئی ہی۔ اس میں کسی طرح کا شک نہیں رہا کہ ابوبکر صدیق مہاجرین اولین میں سے ہیں کہ ہجرت کے وقت حضور انور کے ہمراہ تھے اور عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اور بہت سے دیگر مہاجرین اولین میں سے شمار ہوئے ہیں اور جو شخص ابوبکر صدیق کو سب سے پہلا مہاجر نہ جانے وہ کافر ہے اس سبب سے کہ ابوبکر صدیق کی مہاجرت کا انکار کرنا قرآن کی آیت کا انکار کرنا ہی۔ خداوند تعالی فرماتا ہی اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی جب رسول خدا کو کفار مکہ نے باہر نکالا اس وقت صرف دو ہی کس غار میں تھے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا اے ابوبکر صدیق غمگین نہ ہو کہ خدا ہمارے ساتھ ہی۔ پھر آپ کی متابعت مہاجرین والانصار نے کی اور برابر حمایت کرتے رہے اور آپ ہی کے لئے خداوند تعالی نے دائمی جنّت کی بشارت دی ہی۔ اگر تجھے یہ وسوسہ شیطانی دیا جائے کہ اس آیت کا مفہوم وہ صحابہ ہیں جن کی نسبت شیعہ حُسن ظن رکھتے ہیں ابوبکر اور اُن کی متابعت کرنے والے نہیں ہیں جنہوں نے محض طمع دنیا سے ہجرت کی تھی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ محض غلط ہی تمام مہاجرین نے محض ایمان اور خدا کے لئے مہاجرت کی تھی چنانچہ وہ آیت جو قتال کے باب میں نازل ہوئی ہی یہ ہی اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا خداوند تعالی نے اُنہیں یعنی مہاجرین کو کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا اسلئے کہ اُنہیں کفار سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں وان اللہ علی نصرھم لقدیر یعنے خدا اُن کی نصرت کرنے پر قادر ہی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقول ربنا اللہ جو لوگ بغیر حق اپنے گھروں سے بے گھر کئے گئے صرف اسلئے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی اور اُنہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ اُسکی وجہ سے وہ جلاوطن ہوتے

اس تمام آیت سے معلوم ہوتا ہی کہ کل مہاجرین کی ہجرت محض خالصاً اللہ تھی دنیا کی طمع کا اس
میں کیا ذکر ہے اس لحاظ سے کل مہاجرین رضی اللہ عنہم مغفور ہوئے ؛

اے بھائی جسکا ایمان قرآن پر ہی تو اُسے یہ دیکھنا چاہیئے جب خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ سب
قطعی جنتی ہیں تو پھر تمام اعتراضات جو اُن کی نسبت کئے جاتے ہیں ساقط ہو گئے۔ اسلئے کہ حق تعالےٰ
عالم الغیب ہے اور وہ جانتا ہی کہ فلاں بندہ سے فلاں وقت بھلائی یا بُرائی کا ظہور ہوگا اور جب سے
فرما دیا کہ میں اس شخص کو جنتی کرتا ہوں تو گویا وہ تمام عمر افعال حسنہ کرتا رہا پھر اور لوگونکو اُسکے حق
میں طعن و تشنیع کرنے کی کیا وجہ ہی۔ اُن پر اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ جناب الٰہی پر اعتراض کیا جاتا
ہی گویا معترض کا یہ مدعا ہی کہ خدا نے اس بندہ کو کیوں جنت کی بشارت دی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا
اعتراض کرنا داخل کفر ہے جس بندہ کو خدا بہشتی کہچکا اسکی ذات پر کوئی اعتراض کرنا اُسے کسی قسم
کی مضرت نہیں پہنچا سکتا اور نہ معترض کے اعتراض سے وہ دوزخی بن سکتا ہے بلکہ اُلٹا اعتراض کرنیوالا
کافر ہو جائے گا اسوجہ سے تمام وساوس شیطان ساقط ہو جاینگے پھر کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اُس کا
جواب دیا جائے فقط۔

یہ جواب و سوال اور یہ رد و بدل ہی جو مدتہائے دراز سے شیعوں اور سنیوں میں چلی آتی ہی۔ جسکا
نتیجہ سوائے باہمی دشمنی اور عداوت کے اور کچھ نہیں نکلا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ شیعہ جواب دینے
میں سنیوں سے فوقیت رکھتے ہیں یا سُنی اُنسے افضل ہیں مگر ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہی کہ آپس کی نوک
جھوک سے طرفین کے مقاصد قومی کو بہت صدمہ پہنچا ہی ہمیں ہر واقعہ کو اسی کی بنیاد پر مورخانہ طور پر
جانچنا چاہیئے اور تمام مذہبی بحث بالائے طاق رکھکے تمدن اور تہذیب کے دائرہ میں لے انا چاہیئے ہم نے
فریقین کی کتابوں کو انصاف کی نظر سے دیکھا ہی اور ہم جانتے ہیں کہ اسلامی سلطنتونکے تغیر و تبدیل
سے ان میں کسقدر فرق پیدا ہو گیا۔ بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں کسی سچے واقعہ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے

مذہبی تعصب کا پردہ اس عمدگی سے ڈالا گیا ہے اور اس گھڑی سے پڑا ہے کہ اُس کا اٹھا دینا معمولی کام نہیں ہے ۔

مجھے اس وقت اختلافات روایات شیعہ دکھانا ہے کہ ایک ہی کتاب میں ایک شخص کی تعریف کی گئی ہے اور اُسی میں اُسے گالیاں دی گئی ہیں۔ اس اختلاف سے ہمیں روایتوں کی تاریخ کا پتہ لگتا ہے کہ جب سابق الذکر روایتیں لکھی گئی تھیں تو سلطنت اسی خیال اور مذاق کی تھی اور جب آخر الذکر روایتیں لکھی گئیں تو حکومت کا مذاق بدل گیا تھا ان کتابوں کے مصنفین کو ہرگز کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا وہ حکومت کی طرف سے مجبور تھے اور ناچار حکومت کا مذاق خواہ وہ کتنا ہی خراب یا اعلیٰ درجہ کا نہو انہیں نبھانا پڑتا تھا۔ ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں اور ان بیّن شہادتوں سے قیامت تک کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ فردوسی شیعی مجتہد تھا لیکن محمود غزنوی کے دربار میں اُسے شیعی لباس اُتارنا پڑا اور جبتک وہ دربار غزنی میں رہا اس نے کبھی شیعی لباس نہیں پہنا۔ فردوسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑے زور سے تعریف کرتا ہے ۔

عمر آنکہ بُد مومناں را امیر ستودہ ورا خالق بے نظیر

مگر جب محمود سے بگڑ گئی تو اُس نے شیعی مذہب اختیار کر لیا اور اُسکے ہجویہ اشعار سے پایا جاتا ہے کہ وہ کیسا متعصب شیعہ بن گیا تھا اسکے بعد وہ بغداد چلا گیا یہاں خلافت بغداد نے پھر اسے پکا سُنی بنا دیا اور اُس نے علاوہ مدح خلفائے بغداد کے اصحاب ثلاثہ کی تعریف میں بھی بہت سے قصائد موزوں کئے۔ اس مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے فاضلوں پر سلطنتوں کا کیسا زبردست اثر پڑتا تھا اور وہ اپنے خیالات اور رایوں کو کتنی جلدی تبدیل کر دیتے تھے۔ درحقیقت اگر دیکھا جائے تو یہ علما کی کمزوری پر دال نہیں ہو سکتا بلکہ مجبوری ایسی بلا ہوتی ہے کہ ضعیف انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا فاضل ہو سب کچھ کرنا پڑتا ہے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ تاریخ میں ایسے لوگوں کا بھی پتہ لگتا ہے جنہوں نے

سلطنتوں کے دباؤ سے اپنی رائے نہیں بدلی مثلاً امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مگر ایسی مثالیں آٹے میں نمک کا حکم رکھتی ہیں اور تاریخ کے صفحوں میں اُن کا عدم وجود برابر ہے انسان کو اپنی زندگی بہت عزیز ہے اور ساتھ ہی ایک اولوالعزم انسان زندگی سے زیادہ اپنی عزت کی قدر کرتا ہے جب جان بھی بچے اور عزت بھی برقرار رہے تو پھر ہر فعل آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اسیطرح وہ علما جنہوں نے شیعی روایات جمع کی ہیں سلطنت کے دباؤ میں دبے ہوئے تھے اور انہیں آزادانہ کسی مسئلہ میں اپنی رائے دینیکا بہت کم موقع ملتا تھا۔

حضرت صدیق کی غار میں زاری قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں کہ ابوبکر[1] سخت بزدل تھے کہ غار میں نالہ و بکا کرنے لگے تھے جب اُنہوں نے کفار مکہ کی آوازیں غار ثور کے باہر سنیں تو سخت خوف میں آ کے رونے لگے۔ پھر دوسرا شیعی فاضل لکھتا ہے کہ ابوبکر کا غار میں ساتھ جانا اور جا کے رونا محض اس غرض سے تھا کہ کفار مکہ سنیں اور آ کے گرفتار کر لیں جتنی روایتیں غار میں ساتھ جانے کی بابت لکھی گئی ہیں خلاصہ یہ ہے جو ہم نے درج کیا چنانچہ بڑے بڑے شیعی شعرا نے بھی غار کے قصہ کو نظم میں باندھا ہے اور وہ نظم اپنی فصاحت و بلاغت میں ضرور لاثانی ہے اسکی تو ہم داد دیتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ اصل واقعہ کا خون کیا ہے اور محض سلطنت یا اپنے گروہ کو خوش کرنے کے لئے صدیق کی سچی فدائیت اور بے نظیر عشق کو دشمنی پر محمول کیا ہے باایں ہمہ نظم کے عمدہ ہونے میں شک نہیں ہے اگرچہ واقعہ کی طرف خیال کرکے تو اس نظم پر ہنسی آتی ہے لیکن محض ان روایتوں کی جدت اور نظم کو دیکھ کے بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے؎

بس کن حدیث غار کہ عارست نزد عقل　　آں حزن و بیقراری شیخ معمّم

---

[1] الثانی ان قولہ تعالیٰ ثانی اثنین بیان لحال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعتبار دخولہ فی الغار ثانیاً و دخول ابی بکر اولاً کما نقل فی السیر۔ انتہی۔ ۱۲

اصل روایت مگر بعض شیعی روایتوں میں اس واقعہ کو اسطرح بیان کیا ہے۔ کہ جب ابوبکر ارشاد نبوی پر آپکے ساتھ غار میں گئے تو راستہ میں کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں حضور انور نے دریافت کیا ابوبکر میں نے تجھے کبھی اسطرح چلتے نہیں دیکھا آج یہ کیا بات ہے جو تو یوں چل رہا ہے ابوبکر نے جواب دیا یا رسول اللہ میں آگے پیچھے دائیں بائیں اسلئے چلتا ہوں کہ تیری کفار مکہ سے نگہبانی کروں اور کوئی مخالف تجھپر ادھر ادھر سے نکلکر وار نکردے اور رستہ میں یہ بھی ہوتا تھا کہ جب آنحضرت تھک جاتے تھے تو صدیق اپنے کندھے پر چڑھا لیتے تھے دوسری حکمت عملی کندھے پر چڑھانے کی یہ تھی کہ کفار مکہ قدموں کے نشان دیکھکر اس طرف نکلیں غرض آپ اور حضور انور غار میں پہونچے پہلے ابوبکر غار میں گھس گئے اور اُسکے تمام سوراخوں کو بند کیا اور جو سوراخ ابوبکر کے کپڑوں سے بند نہو سکے اُن میں اپنے پیر رکھدئے پھر حضور انور کو بلا لیا۔ حضور انور تشریف لائے اور بآرام بیٹھ گئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک بچھو نے آپکے پیر میں کاٹ کھایا حالانکہ حد سے زیادہ تکلیف ہوئی لیکن آپنے ہونٹ تک نہ ہلائے کہ مبادا حضور انور کی استراحت میں فرق پڑجائے اسی اثناء میں حضور انور کی نظر مبارک ابوبکر پر پڑی دیکھا کہ آپ پُرمنہ ہیں اور بچھو کے ڈنک کی تکلیف سے ایک رنگ آتا ہے اور ایک رنگ جاتا ہے ارشاد کیا ”لاتحزن ان اللہ معنا“ پھر آپکے حق میں دعائے خیر کی اور کہا خدا کی رحمت تجھپر ہو کہ تونے میری تصدیق میں مبادرت کی ایسے وقت میں کہ اور لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے تھے اور اس وقت جب چاروں طرف سے مجھپر حملے ہونے لگے تو تو میرا سینہ سپر ہوا الحمد للہ کہ تیری امداد و رفاقت سے میں نے کل آفتوں سے نجات پائی۔

غار کے بارے میں اختلافی اقوال ابوبکر کے پیر میں بچھو نے صرف اس لئے کاٹا تھا کہ وہ آنحضرت کو غار میں پکڑوانا چاہتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حزن و ملال محض نامردی کی دلیل تھا بعض شیعی علما کا

یہہ خیال ہی کہ حزن و ملال مواعید الٰہی کے عدم وثوق پر ہوا تھا اور بھی بہت سے اقوال ہیں جو ہم بسبب طول کے یہاں درج کرنا مناسب نہیں جانتے۔ اختلاف روایات کے جانچنے کے لئے شاید اس واقعہ کے متعلق یہی اقوال کافی ہوں گے۔

حضرت علی کا غار ثور میں آنا بحار میں فاضل مجلسی لکھتا ہی اور یہی روایت بصائر الدرجات میں بھی بیان ہوئی ہی کہ جب آنحضرت نے ہجرت کا تہیہ کر لیا اور یہہ بھی ارادہ کر لیا کہ حضرت علی کو اپنی جگہہ پر چھوڑ دینا چاہیئے تو آپنے جا کے اپنا مافی الضمیر حضرت علی سے کہا کہ میں ہجرت کرنا چاہتا ہوں اور میری مرضی ہی کہ تم میری جگہ لیٹ رہو حضرت علی نے کہا آیا میری اسطرح لیٹنے سے آپکی جان بچ جائگی اور آپ کفار سے محفوظ ہو جائیں گے آپنے فرمایا ہاں یہہ ضرور ہو جائیگا غرض آنحضرت علی کو اپنی جگہہ سلا کے آپ غار ثور کی طرف چلے گئے۔ جب کفار کو معلوم ہوا کہ محمد نکل گئے تو سخت مایوس ہوئے اور غار کی طرف تلاش کرنے کے لئے روانہ ہوئے حضرت علی کو فکر اور پریشانی ہوئی مبادا آنحضرت پر کوئی حملہ ہو آپ فوراً اٹھے اور غار ثور میں آنحضرت سے آکے ملگئے۔

حضرت علی سر زد و کوب ہونا دوسرا فاضل شیعی اسبات سے انکار کرتا ہی کہ حضرت علی غار ثور میں گئے تھے بلکہ وہ یہہ روایت بیان کرتا ہی کہ جب کفار مکہ مکان کے اندر گھس آئے اور انہوں نے حضرت علی کو پایا تو بہت برہم ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد کہاں گئے حضرت علی نے اپنی لاعلمی بیان کی کفار نے پکڑ کر حضرت علی کو خوب مارا۔

دوسری دلچسپ روایت فاضل شوستری محمد بن جریر طبری کے حوالہ سے یہہ روایت بیان کرتا ہے کہ آنحضرت علی سے تنہا مشورہ کر کے غار کی طرف روانہ ہوگئے تھے تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر آئے اور علی سے پوچھا کہ حضرت رسالت مآب کہاں ہیں انہوں نے چپکے سے کہدیا کہ غار ثور کی طرف گئے ہیں ابوبکر بھاگے ہوئے آپکے پیچھے روانہ ہوئے۔ یہانتک کہ آپ سے چند قدم فاصلہ پر رہگئے جب آنحضرت نے

اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تو آپ یہ سمجھے کہ مجھے کوئی مشرک پکڑنے آیا ہے اور بھی تیز بھاگے کہ رستہ میں ایک پتھر سے آپ کو ٹھوکر لگی اور آپ کی جوتی کا تلا اُکھڑ گیا انگلی میں ایسی ضرب آئی کہ آپ ٹھہر گئے۔ ابو بکر نے اتنے میں جا لیا۔ آپ کی اُنگلی سے خون شرشر بہہ رہا تھا +

سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل شوستری نے محمد بن جریر طبری میں سے یہ روایت کیونکر نقل کر دی ہم نے طبری کلاں کو سارا ٹٹول ڈالا مگر اس روایت کا پتہ ہمیں نہیں ملا +

تفسیر عباسی تفسیر کا فاضل مصنف حضرت امام صادق کا قول نقل کرتا ہے کہ ایکدن آپ فرمانے لگے تم جانتے ہو کہ آنحضرت کی معمولی موت سے وفات نہیں ہوئی بلکہ حفصہ اور عائشہ نے آپکو زہر دیا تھا یہ سنکے ہم نے کہا کہ یہ دو عورتیں اور ان کے باپ بدترین خلایق ہیں +

شیخ طبرسی فاضل شیخ نے اس سے بھی زیادہ مزیدار ایک اور روایت اسی قسم کی لکھی ہے جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ چنانچہ فاضل طبرسی لکھتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس پھرے تو رستہ میں بارہ منافق گھات لگا موقع کی تاک میں بیٹھے کہ ادھر سے آنحضرت گزریں تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے فوراً ان منافقوں کے ارادہ اور گھات کی خبر دینے کے لئے حضرت جبرائیل عرش پر سے اُتر کے آئے اور حکم دیا کہ کسی شخص کو بھیجو کہ اُنکے اونٹوں کا منہ دوسری طرف پھیر دے۔ اس رات عمار یاسر حضور انور کے اونٹ کی نکیل پکڑ کے چل رہا تھا حذیفہ پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ غرض حذیفہ نے آنحضرت کے حکم کی تعمیل کی اور اونٹوں کو دوسری طرف لوٹا دیا۔ جب حذیفہ کام کر کے واپس آیا تو حضور انور نے پوچھا تو نے دیکھا کون کونسا منافق تھا حذیفہ نے جواب دیا یا رسول اللہ مجھے تو رات کیوقت کسیکی صورت نہیں پہچانے دی آپنے فرمایا جبرئیل مجھے بتا گئے کہ ابو بکر و عمر اور منافقوں کے ساتھ تھے۔ یہ ہیں مزیدار چٹپٹی روایتیں جو اپنے مصنف کی اعلے درجہ کی لیاقت قدسیہ کوئی کی شہادت دیتی ہیں اور ایسی روایتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عقلیں کٹی

صدی پہلے ہی سے سلب ہو چکی تھی۔

قرآن مجید کی ایک آیت کی عجیب تفسیر

علی بن ابراہیم اپنی تفسیر میں آیت کریمہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ میں فرماتے ہیں۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اسکی تفسیر میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت میرے پاس آئیگی اور انکے ساتھ پانچ نشان ہونگے اول نشان گوسالہ امت کے ہاتھ میں ہوگا میں دریافت کروں گا کہ میرے بعد ثقلین کے ساتھ تم کیونکر پیش آئے وہ کہیں گے ثقلین اکبر یعنے قرآن کی ہم نے تحریف کی اور ثقلین کوچک یعنی اہل بیت کی دشمنی پر ہم کمربستہ رہے اور ہمنے ان پر طرح طرح کے جور ظلم کئے میں انہیں دوزخ میں جانے کا اسوقت حکم کرونگا کہ اسوقت وہ پیاسے اور سیاہ رو ہوںگے پھر اس امت کے فرعون کا جھنڈا آئیگا اور یہی کلمات درمیان آئیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

نہیں سمجھ میں آتا کہ قرآن مجید کی ایسی مضحکہ خیز تفسیریں کیوں کی گئیں اور کیوں ایسے ذہنی مطالب درج کئے گئے۔ اس سے زیادہ حقارت انگیز بات اور کیا ہوگی کہ رسول کریم صحابہ ثلاثہ کو جب دشمن اہل بیت سمجھ چکے تھے پھر اس کا تدارک آپنے اپنی زندگی میں ہی کیوں نہ فرمایا یہ ایسے سوالات ہیں جو بار بار دل میں آتے ہیں شان نبوت کے خلاف ہے کہ اس خوف اور دہشت سے کام کیا جائے اور اپنے دشمنوں سے تمام عمر ڈرا جائے۔ حضور انور کی معاذ اللہ بزدلی کی یا حضرت علی کی نامردی کی ہرگز تاریخ اور واقعات شہادت نہیں دیتے۔ اور نہ موجودہ اثرات سے جو کر رہا نفوس پر ہیں اسکی تصدیق ہوتی ہے

ایک اور مضحکہ خیز روایت

شیعی معتبر روایت کے موجب ایک درزی حضرت صادق علیہ السلام کے پاس قمیصین لایا اور عرض کیا اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قمیصین جو میں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ان دونوں کو میں نے اس صورت سے سیا ہے کہ ایک قمیص میں ہر سوئی فکر الہی

کے ساتھ داخل کی یعنی ہر ہر ٹیپچی اور ہر ہر بخیے پر ذکر الٰہی کرتا رہا اور دوسری قمیص شیخین کے تبرے کے ساتھ سی ہے اب ان میں سے جو سی حضور کی پسند آئے حاضر ہے حضرت صادق نے تبرے والی قمیص لے لی،، مانا کہ فی الواقع شیخین پر تبرا بھیجنا کسی زمانہ میں کوئی عمدگی سمجھی گئی تھی لیکن تعجب تو اس بات کا ہے کہ کیوں اہل بیت کی شان اقدس و اطہر میں سواد ہمہ کل گر و جناب صادق کو اس روایت سے انتہا درجہ بدخلق ثابت کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ ایسے اخلاق رکھتے تھے کہ گالیوں کے ساتھ سلی ہوئی قمیص کو آپنے پسند فرمایا یا جدّ آپ فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ خلق تھا کہ جن لوگوں نے آپکی عبادت اذیتہ نے آپکو بچھائے تھے - جنہوں نے حضور پر اونٹ کی اوجھڑیاں پھینکی تھیں جنہوں نے آپ پر پتھر برسا آپ کا جسم مبارک لہو لہان کر دیا تھا جنہوں نے آپ پر قاتلانہ حملے کئے تھے جنہوں نے آپکو وطن سے بے وطن کر دیا تھا اور جنہوں نے مدینہ پر کئی بار حملہ کرکے آپکے رشتہ دار اور رفقا کو شہید کر دیا تھا غرض جنہوں نے تمام ممکن الوقوع تکلیفیں آپ کو دی تھیں انکے ساتھ مکہ فتح کرنے کے بعد آپنے جو کچھ سلوک کیا وہ اظہر من الشمس ہے سبکو اپنا بھائی کہکے اپنی پناہ میں لیلیا اور کسی کا بھی بال بانکا ہونے دیا - جب حضور انور کی یہ شان تھی پھر کیوں کر خیال آسکتا ہے کہ آپ کی اولاد ایسی کج خلق ہوگی کہ دشمنوں پر دبشرطیکہ وہ دشمن بھی ہوں) تبرے کہنا اور انکے تبرو کی قمیص سلی ہوئی ذکر الٰہی کے مقابلہ میں پسند کریگی - این خیال ست و محال ست و جنوں

اسی قسم کی ایک اور روایت

ایکدن سید الساجدین سلام اللہ علیہ و علی ابائہ و ابنائہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے پانی پیا اور شیخین پر لعن طعن کرنے لگا اور پھر چلا گیا حضرت سید الساجدین نے اسے بلایا اور کہا اگر میں تجھسے کوئی چیز مانگوں تو دیگا اس شخص نے عرض کیا میں تو حضور کا فدائی ہوں اور میرا جان و مال حضور پر سے قربان ہے، جس چیز کا ارشاد ہوگا بندہ لاکے حاضر کرے گا میں اسکو اپنی سعادت

کو نہیں سمجھتا ہوں حضرت نے فرمایا ان لعن طعن کے کلموں کا ثواب مجھے دے اور میری تمام عمر کی عبادتوں کا ثواب جو میں نے رات دن کی ہیں تو لیلے +

حیات القلوب میں نسیبہ کی روایت عجیب قصہ کے پیرایہ میں لکھی ہے جو ایک ... فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی چنانچہ حیات القلوب الا تفسیر اہلبیت سے نقل کرتا ہے

...یت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسیبۃ بنت کعب المازنیۃ وکانت تخرج ... ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزواتہ تداوی الجرحی وکان ابنہا معہا فاراد ان ینہزم ویتراجع فحملت علیہ وقالت یا بنی الی این تفر عن اللہ ورسولہ فردتہ فحمل علیہ رجل فقتلہ فاخذت سیف ابنہا فحملت علی الرجل فضربت علی فخذہ فقتلتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ فیک یا نسیبۃ وکانت تقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصدرہا وثدیہا حتی اصابتہا جراحات کثیرۃ وحمل ابن قمیئۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارونی محمد لا نجوت ان نجی فضرب علی حبل عاتقہ ونادی قتلت محمد اواللات والعزی ونظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل من المہاجرین قد القی ترسہ خلف ظہرہ وھو فی الھزیمۃ فناداہ یا صاحب الترس الق ترسک ومر الی النار فرمی بترسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نسیبۃ خذی الترس فاخذت الترس وکانت تقاتل المشرکین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمقام نسیبۃ افضل من مقام فلان وفلان وفلان —

زنان انصاریہ میں سے کعب مازنی کی لڑکی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتی تھی اور حضرت رسالت پناہی ہر جنگ میں اُسے اپنے ساتھ رکھتے تھے کیوں کہ وہ مجروحین جنگ کی مرہم پٹی کرتی تھی۔ اس عورت کا لڑکا بھی جنگ میں ساتھ ساتھ رہتا تھا ایک دن لڑائی میں لڑکے نے بھاگ جانا چاہا عورت نے غل مچا کے کہا اے بیٹے تو خدا و رسول سے بھاگتا ہے کہ اتنے میں ایک مشرک نے اُس لڑکے پر حملہ کر کے اُسے شہید کر دیا نسیبہ جھپٹی اور اپنے بیٹے کی تلوار لیکے اُس مشرک کی گردن اُڑا دی حضرت رسالت پناہی نے اُسکی بہت تعریف کی اور فرمایا خدا برکت دے تجھے اے نسیبہ اُس عورت نے اپنے سینہ اور پستان کو آنحضرت کا سپر بنا رکھا تھا اور حفاظت کے لئے آپ پر جھکی پڑتی تھی مبادا آپ پر کوئی وار نہ کر بیٹھے نسیبہ کو اس کارروائی میں سخت زخم آئے اتنے میں ابن قمیئہ نے آپ پر حملہ کیا اور کہا محمدؐ کو میرے آگے لاؤ وہ کہاں ہیں وہ مجھسے لاکھ چھپینگے لیکن میں انہیں نہیں چھوڑنے کا یہ کہکے وہ اور بھی آگے بڑھا اور ایک ضرب حضرت رسالت پناہی کے دوش مبارک پر لگائی اور غل مچایا مجھے لات عزیٰ کی قسم ہے میں نے محمدؐ کو مار ڈالا۔ یکایک حضرت رسالت پناہی کی نظر بعض مہاجرین کی نامردی پر جا پڑی کہ پیٹھ کے پیچھے سپر ڈالے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں آپ نے آواز دی ای صاحب سپر اپنی سپر کو پھینک دے اور دوزخ میں چلا جا مہاجر نے یہ آواز سنکے سپر کو پھینک دیا حضرت رسالت پناہی نے نسیبہ سے کہا یہ سپر اٹھا لے یہ سنتے ہی نسیبہ نے سپر اُٹھا لی اور مشرکوں کے ساتھ جدال و قتال میں مشغول ہوئی۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ مقام نسیبہ اور اُس کی وفاداری آج مقام ابوبکر عمر اور عثمان سے بہتر ہے ؟

حضرت صدیق کا ایک اور قصہ | حضرت رسالت پناہی نے ابوبکر کو چار ہزار فوج کا سرکردہ بنا کے ایک مہم پر روانہ کیا اور حکم دیدیا اگر وہ اسلام قبول نکریں تو انہیں قتل کر ڈال ابوبکر گئے اور مسلمانوں نے

ایک گروہ کی ہمراہی میں کفار سے جا کے لڑے اور حضرت رسالت پناہی کا پیغام دیا کفار نے کہا اگر رشتہ داری مانع نہ ہوتی تو ہم تجھے معہ اصحاب کے قتل کر ڈالتے قسم ہے لات اور عزیٰ کی ہمیں ذرا بھی فرق نہیں ہے بس اب تجھے یہی لازم ہے کہ تو واپس چلا جا ہمارا یہ ارادہ ہے کہ محمد کو علی کے ساتھ قتل کر دیں پھر ابوبکر نے اپنے لشکر سے کہا کہ آؤ مدینہ واپس چلیں فوج نے ہر چند اصرار کیا کہ ان پر جہاد کرنا چاہئے ابوبکر نے منظور نہیں کیا جب مدینہ واپس چلے آئے حضرت رسالت پناہی نے کہا ابوبکر تو نے میرے حکم کی مخالفت کی اور تو نے اُس پر عمل نہیں کیا اسلئے تو گنہگار ہوا پھر حضرت رسالت پناہی منبر پر تشریف لیگئے اور یہ وعظ فرمایا اے معاشر مسلمین ابوبکر کو میں نے حکم دیا تھا کہ تو اسلام پھیلا اور جہاد کر اُس نے محض نامردی سے میری اطاعت نہیں کی اور مخالفت کی فوج سے ڈر گیا اب میں جبرئیل کے حکم سے عمر کو بھیجتا ہوں اے عمر جا اب تو ایسا نہ کیجو جو ابوبکر نے کیا غرض عمر بھی گئے اور وہ بھی خوف کھا کے واپس چلے آئے اور انہیں بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ لتاڑ بتائی +

مندرجہ واقعات پر ایک عام نظر

جو روایتیں گزشتہ صفحوں میں نقل کی ہیں اُن سے خدانخواستہ میری غرض مذہب شیعی پر کسی حملہ کی نہیں ہے نہ میں شیعی علما پر کوئی اعتراض کرتا ہوں بلکہ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ یہ متضاد روایتیں جو ایک ہی کتاب میں ہمیں ملتی ہیں محض سلطنت کے دباؤ یا ایک گروہ کے اثر سے لکھی گئی ہیں اور یہ ممکن ہے کہ یہ کل روایتیں مجبوری سے نیک نیتی کے ساتھ درج کی گئی ہوں گی لکھنے والوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ آیندہ نسلوں پر ان فرضی روایتوں کا اثر کیا پڑیگا اور اُن کی اخلاقی خیالات کو کتنا صدمہ پہنچے گا +

شیعہ اور سنیوں کے خیالات کی بنا تیسری صدی ہجری کے وسط میں پڑی اور اس سے پہلے غلط

روایات دونوں فریق میں اسقدر زور ہوگیا تھا کہ العظمۃ للہ خود بخاری کو صحیح روایات کے انتخاب میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے لاکھوں حدیثوں میں سے چھانٹ کے چند ہزار حدیثیں انتخاب کیں۔ تاریخ میں ایسی کئی شہادتیں ملتی ہیں کہ بعض بادشاہوں نے ہر ایسی حدیث کے لئے جو اُن کے مطلب کی ہو ایک اشرفی مقرر کردی تھی اور یہ اشرفی اس شخص کو دیجاتی تھی جو کوئی حدیث بنا کے لائے اور اُس سے بادشاہ کو امداد ملے۔ جب یہ طوفان ہو تو پھر کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہی کہ جو حدیثیں ہمارے آگے پیش کیجاتی ہیں وہ سب صحیح ہوں اور ایسا کون سا پیمانہ ہی کہ ہم حدیث کی صحت و غیر صحت اُس سے جانچ سکیں۔ سوائے اسماء الرجال کے اور کوئی پیمانہ ہمارے آگے پیش نہیں کیا جاتا مگر وہ پیمانہ ایسا نادرست ہی کہ اُس سے ہم حدیث کی واقعی صحت کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ اسماء الرجال میں ہمیں صرف یہ بات ملتی ہی کہ فلاں راوی متقی ہی اور فلاں پرہیزگار ہی اور فلاں سچا ہی اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ جس روایت کی نسبت کسی راوی کی شہادت بیان کی جاتی ہی یہ شہادت کیونکر جانچی جائے اگر ہم کسی راوی کا پتہ لگانا چاہیں کہ سلطنت سے اُسکے کیا تعلقات تھے اُس کا مرتبہ کیا تھا کن کن لوگوں سے اُس کی زیادہ رسم تھی اور اُسکا مذاق مذہب کے کس پہلو پر تھا آیا وہ حضرت عمر کے فیصلوں کو پسند کرتا تھا یا آپکے صاحبزادے عبداللہ کے فتووں کو آیا اس کی رائے میں حضرت علی کے فیصلے ناطق ہوتے تھے یا حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اُس کا تسکین کرتی تھیں جن صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین نے اُس سے وہ روایت بیان کی تو اُس روایت کا مفہوم اسنے یاد رکھا یا الفاظ یا اُن روایتوں کے بیان کرنے کا کیا وقت تھا اور وہ روایتیں انہوں نے کسی خاص مسئلہ کے استفسار پر بیان کی تھیں یا خود ہی بیان کردی تھیں یہ سوالات ہیں جو ہر روایت کو دیکھکے خواہ سنی کی ہو یا شیعہ کی دل میں آتے ہیں مگر جب اطمینان بخش جواب

نہیں ملتا تو مایوسی کے ساتھ خاموش ہونا پڑتا ہے۔ عقل اسبات کی شہادت دیتی ہے کہ بنی امیہ کا بہت سا حصہ صحیح ہو کیونکہ ان روایتوں میں عرب کے عام تمدن سے بحث کی ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری عظمت دکھائی ہے۔ بخاری میں جہاں چاروں صحابہ کے فضائل بیان کئے ہیں وہاں نہایت وسعت ضمیری سے کام لیا ہے اور ہر گز ان روایتوں کو دیکھکے کیسا ہی باریک بین کیوں نہو ایک کی فضیلت دوسرے پر نہیں ثابت کر سکتا ہے۔ تاریخ یہ بھی شہادت دیتی ہے کہ سلطنت کا اثر بخاری پر مطلق نہتھا اور اوس نے بالکل آزاد ہو کے حدیثوں کا انتخاب کیا تھا۔ ہارون الرشید کی سلطنت کا زمانہ تھا اور مامون کٹّا معتزلی تھا اگر کچھ اثر پڑتا تو معتزلی ہونیکا اثر پڑتا حالانکہ بخاری بھر میں کہیں مذہب معتزلہ کی مطلق تائید نہیں کی گئی ہے

بخاری پر دو بڑے بڑے اعتراضات بخاری پر دو بڑے بڑے اعتراضات کئے جاتے ہیں اور وہ اعتراضات ایسے سنگین ہیں کہ اُنکا جواب دینا مشکل ہے۔ پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ بخاری نے ائمہ اہل بیت سے کیوں نہیں روایتیں نقل کیں حالانکہ ان سے بہتر حدیثیں اور کسی کو نہیں پہنچ سکتی تہیں دوسرے بنی اُمیہ کے لوگوں کی حدیثوں کو کیوں قلم انداز کر گیا حالانکہ اُن میں بھی عمر بن عبد العزیز جیسے خوش عقیدہ اور نیک خلیفہ گزرے ہیں اسی طرح اور بھی متعدد تابعین اور تبع تابعین کا پتہ لگتا ہے جو بنی اُمیہ میں سے تھے اور بہت ہی صادق الوعد اور راسخ الاعتقاد مسلمان تھے اور جنکے اتقا اور پرہیز گاری میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ ان دو فریق کی روایتوں کو بالکلیت قلم انداز کر دینا ضرور کچھ دال میں کالا کالا رکہتا ہے اور یہ کھلتا ہے کہ بخاری کو کیا تو ان دونوں گروہ پر خود اعتبار نہ تھا یا سلطنت کا اُسپر بھی دباؤ پڑا تھا ؎

جواب پہلے اعتراض کا جواب تو یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت میں سے کوئی قابل شخص بخاری کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھا دوسرے اہل بیت کی روایتوں کا انتشار اسقدر پیدا ہو گیا تھا اور موضوع و

مردود روایتیں اس کثرت سے جمع ہو گئی تھیں کہ صحیح و غلط چھانٹی نہ جا سکتی تھیں حضرت صادق کی نسبت یہ عام طور پر مشہور ہو چکا تھا کہ وہ صحابہ ثلاثہ کو اچھا نہ جانتے تھے حالانکہ آپ نے اپنی زندگی میں کئی بار ان غلط خیالات کی تردید بھی کی لیکن مخالفت کا زور بڑھتا جاتا تھا اور حضرت صادق کی ایسی تردید و نکا بہت کم خیال کیا جاتا تھا جب آپ کے سامنے یہ کیفیت تھی تو آپ کی وفات کے بعد اس مخالفت کی کیا نوبت ہونی چاہئے تھی جب روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا اور حضرت سید الساجدین اور حضرت باقر اور حضرت جعفر کے مقولے ایسے غلط مشہور ہو گئے تھے تو کیونکر ممکن ہو سکتا کہ تنہا شخص بخاری تمام اسلامی دنیا میں مارا مارا پھرتا اور صحیح روایات کا پتہ لگاتا اگر بفرض محال وہ ایسا بھی کرتا جب بھی اُسے کامیابی نہ ہوتی کیونکہ مخالفت کا بیج پڑ چکا تھا اور تعصب بڑھتا جاتا تھا ایسی حالت میں کوئی بھی اُسکی مدد نکرتا اور وہ لوگ جو اہل بیت کی صحیح و غیر صحیح روایتوں کے مدعی بن بیٹھے تھے ہزار ہا مزاحمتیں اُسکی راہ میں پیدا کر دیتے اور ادھر کبھی بھی تحقیق نکرنے دیتے۔ سوائے اسکے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ بخاری کو ائمہ اہل بیت کی کوئی قابل وثوق صحیح روایت اُس زمانہ میں بہم نہ پہنچ سکتی تھی کیونکہ معتزلی خلیفہ کا زمانہ تھا اور یہ معتزلی خلیفہ یعنی مامون الرشید اہل بیت میں سے ایک خاتون سے شادی کر چکا تھا و جسکے مذہب معتزلی کو بھی شیعہ مذہب کی ایک شاخ سمجھنی چاہئے۔ معتزلی سلطنت ہونے کی وجہ سے ایسی روایتوں کا اور بھی زور ہو گیا تھا غرض بخاری کسی صورت سے بھی ائمہ اہل بیت کی روایتیں نقل نہیں کر سکتا تھا +

دوسرے اعتراض کا جواب | بنی اُمیہ سے کسی حدیث نقل نکرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانہ تک بنی اُمیہ والے مٹ چکے تھے اور اُن کی قبریں تک اکھیڑ کے پھینک دی گئی تھیں یہانتک کہ حضرت معاویہ کا مزار بھی اکھڑوا کے پھکوا دیا گیا تھا اور آپ کی ہڈیاں آگ میں جلا دی گئی تھیں

اور یہ ظالمانہ اور بزدلانہ افعال بنو عباس یعنی مامون الرشید کے باپ دادا نے کئے تھے بنی امیہ سخت حقارت سے دیکھے جاتے تھے اور کیا مجال تھی کہ کوئی نام بھی لے سکتا اگرچہ بخاری نے ایک روایت ایسی بیان کی ہے جس میں مروان کا قول ہے لیکن یہ چوری چھپے ایسا ہوگیا ہوگا ورنہ یہ ناممکن تھا کہ بخاری مامون الرشید کی سلطنت میں رہتا اور بنی امیہ کی روایتیں بیان کرتا اسکے علاوہ بخاری کے زمانہ میں کسی بنی امیہ کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا سب قتل کر ڈالے گئے تھے اور انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کے مارا تھا۔ ملک شام جیسے وسیع ملک میں بنی امیہ کے خاندان میں سے صرف ایک بچہ عبد الرحمن بچا تھا جسنے اندلس میں جا کے سلطنت بنی امیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ جب ایک فرد بشر بھی نہ ہو نہ اپنی روایتوں کی کوئی کتاب چھوڑ گیا ہو پھر بخاری کیوں کر بنی امیہ کی روایات انتخاب کرتا ہاں اگر بخاری کو علم غیب ہوتا تو وہ ضرور ایسا کر سکتا تھا یہ اعتراض تھے جو بخاری پر کئے جاتے ہیں اور یہ جواب ہیں جو ان اعتراضوں کے ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی بہتر جواب ہونگے لیکن میرے خیال میں یہی جواب کافی ہیں اسلئے میں انہیں پر اکتفا کرونگا۔

شیعی حدیثیں میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ شیعی حدیث کی کتابیں جو بقول بعض شیعہ قرآن مجید سے بھی فضل ہیں سنیوں کی کتابوں سے پچاس سال کے بعد ترتیب ہوئی ہیں اور اسی لئے ان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے احکام متعلق دین بہت کم ہیں اور اس سے بھی کم ایسی روایتیں ہیں جن کا سلسلہ حضور انور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچتا ہو کلینی ایک بہت مستند کتاب ہے کیوں کہ اس کا ماخذ سلیم ہے اور مشہور ہے کہ کتاب سلیم کے رواۃ اجلّہ اصحاب سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور ائمہ ہدیٰ نے اس کتاب کو کتاب ہدایت تسلیم کر لیا ہے اور اس کتاب کا مصنف ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمرکاب رہا ہے۔ اور جو واقعات گزرے ہیں وہ سلیم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ غرض جو کچھ سلیم نے لکھا ہے اس میں ایک بات بھی غلط

نہیں ہے، ایک طرف تو یہ عقیدہ ہی مگر علماء شیعی کا ایک گروہ خود کتاب سلیم کا بہت مخالف ہے اس کتاب پر بڑی رد و قدح کی گئی ہے اور مصنف کو بڑے بڑے طعنے دیئے گئے ہیں شیعی امام اعظم کتاب خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال میں اُن تمام دہوان ڈہار نکتہ چینیونکی پوری تصریح کرتے ہیں جو سلیم پر کی گئی ہیں۔ اور حسن بن علی بن داود نے کہ شیعی عقائد کے بموجب بڑا فقیہ اور محدث ہے کتاب کی نسبت یہ لکھا ہے حیث قال بلسبب لیہ الکتاب المشہور وھو موضوع یعنے سر سے وہ کتاب سلیم کو موضوع ہی بتاتا ہے ॥

یہ تو خدا کو معلوم ہے کہ کون سے بیانات صحیح ہیں لیکن ہم ان متضاد اقوال سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کسی روایت کی تصدیق اس زمانہ میں ہونی محال ہے اصل میں ہم کسی ایسی حدیث کو خواہ وہ سنیوں کی ہو یا شیعوں کی ہرگز تسلیم نہیں کرنے کے جو تمدن عرب اور تمدن اسلام کے خلاف ہو۔ مثلاً اگر صحابائے رسول کریم کی نامردی اور بے ہمتی کی داستانیں بیان کی جائیں گی تو ہم کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یا اگر یہ کہا جائے گا کہ سوائے چند صحابہ کے لاکھوں صحابہ حضور انور کے دشمن تھے تو ہمیں خلاف مشاہدہ کیوں کر اس کا یقین آئے گا یہ ایسی باتیں ہیں جنکو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اور یہ ایسی توضیحات ہیں جن سے ایک ناسمجھ بھی انکار نہیں کر سکتا ॥

ہزار ہا روایتیں ان مذہبی کتب میں بھری پڑی ہیں اور وہ ایسی روایتیں ہیں کہ بچہ بھی سنکے ہنس دے۔ جو کچھ ہم بیان کر آئے ہیں اُسی کو کافی سمجھتے ہیں ورنہ نقل کرنے کو تو ابھی بہت کچھ باقی ہے لیکن سوائے اسکے کہ سننے والیکو صدمہ ہو اور کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے مناسب یہی ہے کہ شیخین کے مختصر کارنامے بیان کر دیئے جائیں تاکہ ناظر کتاب اندازہ کرلے کہ ان مکرم و معظم صحابا نے اپنے زمانہ اسلام اور خلافت میں کیا کیا ✤

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو وصل باری تعالےٰ ہوا تو کل صحابہ حضور انور کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے کہ اتنے میں مغیرہ بن شعبہ دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کس خیال میں ہو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور عنقریب ان میں سے کوئی خلیفہ بن جائے گا حضرت عمر یہ سنکے پریشان ہو گئے اور ڈرے کہ مبادا فتنہ عظیم پیدا ہو جائے آپنے فوراً حضرت ابو بکر سے کہا کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی یہ کیفیت ہے حضرت صدیق نے جواب دیا جب تک رسول مقبول کی تجہیز و تکفین نہ ہو جائے گی میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا یہ سنکے حضرت عمر بھی خاموش ہو رہے۔ جب صحابہ اس کار عظیم سے فارغ ہو گئے تو شیخین مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ موضع مذکور میں روانہ ہوئے۔ اسوقت یہاں تمام انصار کا مجمع تھا۔ ابو عبیدہ جراح بھی شیخین کے پیچھے پیچھے ہو لئے تھے۔ کچھ سقیفہ بنی ساعدہ ہی میں مجمع نہیں ہو رہا تھا بلکہ مدینہ منورہ کے گوشہ گوشہ میں یہی کیفیت تھی۔ مہاجر و انصار کے ایک بڑے مجمع میں ابو الہیثم بن الہتیان اشعار پڑھ رہا تھا جن کا مضمون یہ تھا کہ حضور انور کی وفات نے ہمارے دماغوں کو مختل کر دیا ہے اور دشمن جو ضعیف ہو گئے تھے اب قوی ہو گئے ہیں یمامہ میں مسیلمہ کذاب موجود ہے اور بنی اسد میں طلیحہ بن خویلد مرا نہیں ہے۔ یہ دونوں غضب کے ہیں اور ہماری مخالفت پر اٹھ کھڑے ہونگے جبتک قریش میں سے کوئی شخص خلیفہ نامزد نہ ہوگا ہم ہرگز نہیں بچ سکتے۔ مجھے امید ہے کہ علی مرتضیٰ ابو بکر اور دوسرے صحابہ سے مشورہ کرکے فوراً اس امر میں فیصلہ کریں ورنہ پھر بنائے بن نہ پڑے گی۔ یہ سنکے کل مسلمانوں نے کہا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں چلو وہاں چلکے اس کا فیصلہ کر لیں گے ؛

وہاں یہ کیفیت تھی اور یہاں ذو شہادتین خزیمہ بن ثابت انصار کو آمادہ کر رہے تھے کہ جس

طرح ہو بہت جلد اپنے میں سے ایک خلیفہ نامزد کرو جب یہ تحریص و ترغیب دی گئی تو انصار کے ایک مجمعہ کثیر نے بیان کیا کہ ہم عویم بن ساعدہ کو اپنا خلیفہ بنانا منظور کرتے ہیں۔ چند آدمیوں نے انصار میں سے اس رائے کے مخالفت کی اور انہوں نے صاف طور پہ کہا ہم عویم ابن ساعدہ کو اپنا خلیفہ ہرگز نہیں بنانے کے دو چار نے یہ بھی کہا کہ جبتک مہاجر جمع نہ ہوں فیصلہ ہی نہیں ہو سکتا۔ ان مخالف باتوں سے باہم تو تو میں میں ہونے لگی اور اس رد و بدل میں زیادہ دیر لگ گئی اخیر کثرت رائے سے بن ساعدہ خلیفہ قرار دیا گیا۔ انصار اسکے ہاتھ پہ بیعت ہی کرنے کو تھے کہ حضرت عمر فاروق حضرت صدیق اکبر وغیرہ پہنچ گئے ان کی صورت دیکھتے ہی انصار جنہوں نے بن ساعدہ سے بیعت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا ٹھٹک گئے اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ انہیں دیکھتے ہی ثابت بن قیس اٹھ کھڑا ہوا اور مناقب انصار میں چند کلمے کہے پھر کہنے لگا مناسب یہی ہے کہ امر خلافت ہم ہی میں سے ایک شخص کے سپرد ہو۔ حضرت ابوبکر نے اسکا جواب دیکے اسے بند کر دیا جب یہ کیفیت ہوئی تو انصار میں سے ایک شخص نے کہا منا امیر و منکم امیر یعنے ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے یہ محال تھا کہ اسلام کے دو خلیفہ ہوتے اور وہ ایک ہی شہر میں رہتے اس تجویز کا جواب حضرت عمر دینا چاہتے تھے کہ حضرت صدیق نے اشارہ سے منع کر دیا پھر حضرت صدیق خود ہی کھڑے ہوئے اور اسکا یہ جواب دیا۔ اے معاشر انصار ہم تمہارے فضایل و مناقب کا اعتراف کرتے ہیں اور جو مساعی جمیلہ کہ اسلام کی عمارت مستحکم کرنے میں تم نے کی ہیں انکی داد دیتے ہیں اور تمہاری قیمتی خدمتیں ہم ہرگز فراموش نہیں کر سکتے لیکن یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قریش کی فضیلت مسلم ہے اور وہ یہی فضیلت ہے کہ دوسرونکو نصیب نہیں ہے۔ عرب ہرگز کسیکی اطاعت نہیں کرینگے جبتک انہیں سے کوئی خلیفہ نہوگا مجھے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ خلافت تم ہم میں رہنے دو اور وزارت اپنے میں رکھو۔ خدا سے خوف کرو اور علا سے ڈرو اور کوئی بات ایسی نہ کرو کہ اسلام میں مخالفت پیدا ہو اور رخنہ پڑے خدا کے لئے کسی قسم کی خلل اندازی نکرو۔ حضرت صدیق جب یہ فرما چکے تو معن بن عدی اٹھے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا اے زمرۂ مہاجر خدا کی قسم تم ہماری آنکھوں میں معزز و محترم ہو ڈر یہ ہے مبادا کوئی ایسی صورت درپیش ہو کہ ہم میں اور تم میں مخالفت پیدا ہو اور اسکا خطرناک نتیجہ نکلے۔ پھر حضرت عمر نے کہا اے گروہ انصار کیا تم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے الائمۃ من قریش ولا یکون ھٰذا الامر الا فیھم یعنی خلافت اور امارت سوائے قریش کے کسی کو بھی سزاوار نہیں ہے ؛

بشیر بن سعد نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ حدیث رسول مقبول کی زبانی سنی ہے اگرچہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ تم میں سے ایک شخص کو ضرور خلافت ملے گی یہ سنکے حضرت صدیق نے فرمایا احسنت احسنت و نعم الرجل انت تو نے بہت خوب کہا واہ واہ۔ میں اپنی ذات کیلئے خلافت نہیں چاہتا یہاں عمر اور ابو عبیدہ بن جراح موجود ہیں ان دونوں میں سے جو تمہیں پسند ہو اسکے ہاتھ پر بیعت کر لو مسلمانوں اور اسلام کی مصلحت اسی میں ہے یہ سنکے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے کہا حاشا و کلا تیرے آگے ہماری کیا حقیقت ہے۔ یار غار اور صاحب اسرار رسول اللہ تو ہی ہے تیرے آگے کس کی مجال ہے کہ خلافت کا دم بھرے۔ غرض قیل و قال ہونے لگی اکثر صحابہ تو حضرت صدیق کی خلافت پر راضی ہو گئے اور بعض کو تامل ہوا بشیر بن سعد نے آگے بڑھ کے کہا خدا کی قسم کوئی شخص اس بیعت میں مجھسے سبقت نہیں لیجا سکتا یہ کہکے ہاتھ آگے بڑھایا اور حضرت صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعض کا یہ قول ہے جس نے حضرت صدیق کے ہاتھ پر پہلے بیعت کی وہ حضرت فاروق اعظم تھے اور بعض کا بیان ہے کہ عباد بن بشیر تھے ایک روایت

میں لکھا ہی کہ جب بشیر بن سعد نے حضرت صدیق کے دست مبارک پر بیعت کی تو بن المنذر نے کہا اے بشیر تجھے کیا ہوا کہ تو نے سعد بن عبادہ کا ساتھ چھوڑ دیا جس سے حق کا خون ہو گیا تجھے سعد بن عبادہ سے حسد تھا جس سے تو نے یہ کارروائی کی بشیر نے جواب دیا نعوذ باللہ سعد بن عبادہ اگرچہ میرے چچا کا بیٹا ہی لیکن میں اُسکے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمانوں کا حق برباد کرنا نہیں چاہتا یہ سنتے ہی بن المنذر نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ انصار نے بن المنذر کو پکڑ لیا اور کہا آپ کسیطرح کا خیال نکریں غرض ہر طرح سے تسکین دی اسپر بن المنذر نے کہا مجھے تسکین دینے سے کیا فائدہ ہی جبکہ وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب وہ موقع آگیا ہی کہ تمہاری اولاد مہاجرین کے دروازہ پر کھڑی ہوکے ایک گھونٹ پانی کا مانگے گی اور وہ دینے سے انکار کرینگے یہ سنکے حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا جو کچھ تو نے کہا مجھسے اور میرے بھائیوں سے بہت بعید ہی ہم نے نہ کبھی ایسا کیا اور نہ کر سکتے ہیں۔ یہ سنکے بن المنذر بہت شرمندہ ہوئے اور کہا اس میں شک نہیں کہ آپ میں اور آپکے بھائیوں میں مروت و حیا زیادہ ہی لیکن جب ہم آپکے دست نگر ہو جائیں گے تو آپ کی طبیعت بھی ہماری طرف سے بدل جائگی۔ بن المنذر کی اس تقریر کو خود انصار نے جنکی وہ حمایت کر رہے تھے کچھ توجہ سے نہیں سنا اور سب نے معہ گروہ اُسکے ہاتھ پر شیاو رغبت بیعت کی۔ ہاں قبیلہ خزرج والے بہت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کا سردار سعد بن عبادہ ناکام رہا تھا۔ یہ بھی روایت ہی کہ خلقت کا ہجوم اسقدر ہوا کہ سعد بن عبادہ کا کچلا ہو گیا اور وہ بیچارہ فوراً جان بحق تسلیم ہوا بعض کا یہ قول ہی کہ اُسے زندہ اُٹھا کے گھر لیگئے۔ اکثر مورخوں کا یہ بیان ہی کہ تمام مہاجر و انصار میں محض سعد بن عبادہ نے مخالفت کی تھی اور صاف انکار کر دیا تھا کہ میں صدیق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا جب عام طور پر سب بیعت کر چکے تو سعد مدینہ سے شام بھاگ گیا اور وہاں کسی شخص نے اسے قتل کر ڈالا ✦

سعد بن عبادہ کی نسبت دوسری روایت

ایک یہ روایت ہے کہ جب حضور انور کی وفات ہوگئی تو کل انصار سعد بن عبادہ کے گھر گئے اور کہا سقیفہ بنی ساعدہ میں ہم جلسہ کریں گے تو ہمارے ساتھ چل سعد بن عبادہ سخت مریض تھا اس نے مرض کا عذر کیا تو بھی انصار اُسے اُٹھا کے سقیفہ بنی ساعدہ میں لے آئے سعد نے ایک اسپیچ دی جسکا خلاصہ یہ ہے اے گروہ انصار تمہیں آج وہ فضیلت حاصل ہے جو دنیا میں کسیکو بھی نہیں ہو سکتی حضور انور اپنی قوم میں دس سال سے زیادہ نہیں رہے اس عرصہ میں آپنے دعوت اسلام کی لیکن وہ ایمان نہیں لائے ہاں جو لوگ ایمان لائے اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے تم پر رحمت کرکے تمہاری طرف اپنے رسول کو بھیجا اور تمہی ذریعہ تکمیل تبلیغ اسلام کا ہوا یعنے خدائے قادر مطلق کی عنایت سے ایمان کی نعمت تمہیں نصیب ہوئی۔ محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپکے اصحاب شر اور آفت سے محفوظ ہوئے۔ تم نے اپنا دھن من تن اپنے نبی پر قربان کر دیا۔ تمہاری مدد اور توفیق باری سے طوعاً و کرہاً عرب فتح ہوا اب حضور انور کی وفات ہوگئی ہے اور حضور تمہاری مساعی جمیلہ سے بہت خوش تھے اسصورت سے خلافت و امارت سزاوار انصار ہے یہ سنتے ہی سب انصار بول اُٹھے اے سعد تو ہی ہمارا سردار ہے اور تو ہی ہم میں بزرگ ہے ہم تیرے آگے کسیکو نہیں جانتے ہم تجھ ہی کو اپنا خلیفہ بنائینگے ہاں اگر مہاجرین نے ہم سے اسبارہ میں کچھ جھگڑا کیا تو ہم اُن سے کہہ دینگے کہ ایک امیر تم اپنے میں سے انتخاب کر لو اور ایک ہم اپنے میں سے انتخاب کر لیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سعد بن عبادہ چونک پڑا اور کہا جب ابھی سے تمہارا یہ خیال ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم بودے ہو اور تمہاری باتیں ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔ غرض یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور وہاں حضرت عمر کو خبر ہوئی آپ حضرت صدیق کو لیکے یہاں پہنچگئے حضرت عمر کا قول ہے کہ میں نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ مجمع انصار میں یہ کہونگا جب میں اُس موضع

میں پہنچا اور چاہا اپنے دل کی بات کہوں تو ابوبکر نے مجھے منع کر دیا اور خود باتیں کرنی شروع کیں لیکن جو کچھ میں نے دل میں سوچا تھا وہی باتیں کیں اور کوئی لفظ نہ چھوڑا۔ غرض بے کم وکاست سب بیان کر دیا +

حضرت ابوبکر صدیق کے وعظ کا خلاصہ یہ ہے:۔ خدائے عز وجل نے اپنا رسول ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اسلئے کہ ہم اُسپر ایمان لاکے خداوند تعالیٰ کی توحید اور یگانگی پر گواہی دیں چونکہ قبایل عرب اباً عن جدٍ مختلف دیوتاوں کی پرستش میں مصروف تھے دعوت توحید اُنہیں سخت ناگوار گزری اور اُنہیں بُرا معلوم ہوا کہ ہم اپنے باپ دادا کا دین کیونکر چھوڑ دیں اسلئے اُنہوں نے حضور انور کی مخالفت کی اور اُس کی تکذیب کے درپے ہوئے خداوند سابق لانعام نے اولین مہاجرین کو اُس کی تصدیق کے لئے مخصوص کیا تاکہ اخلاص سے اُس کی طاعت کریں اور اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ نکریں اُنہیں ایذا اور اضرار کفار کا کچھ خوف نہ ہوا یہی جماعت ہے جس پر سب سے پہلے خدا کی رحمت نازل ہوئی اور جس نے رسول پر اپنی جان اپنا مال اور اپنا گھر قربان کر دیا۔ اب حضور انور کے بعد امر خلافت اسی جماعت کو سزاوار ہے اس گروہ سے سوائے ظالم کے کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اے گروہ انصار ہم تمہاری مساعی جمیلہ کو جانتے ہیں اور جو کچھ تم نے شریعت غرا کو تقویت اور ملت بیضا کو ارتفاع اور اعلام اسلام اور اجرائے اوامر و احکام کیا ہی ہم سب پر روشن ہے۔ تو بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ خلافت ہمارے پاس رہنے دو اور ہم بخوشی وزارت تمہیں دیتے ہیں بغیر تمہارے مشورے کے کوئی چھوٹا سے چھوٹا اور بڑا سے بڑا کام نہیں کرنے کے۔ یہ سنتے ہی بن المنذر نے مخالفت کی اور کہا اے گروہ انصار افسوس ہے کہ تم سرداری کو اپنے ہاتھ سے دیکے دوسروں کے دست نگر بنا چاہتے ہو ہاں یہ ہم منظور کر لینگے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے حضرت عمر فاروق

نے اس کا جواب دیا۔ لا یجتمع الامیران پھر آپ نے نہایت درشت باتیں کہیں اخیر بشیر بن سعد انصاری نے سب سے پہلے آپکے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ امر عظیم اسطرح طے پا گیا ✦

اختلاف روایات جو روایتیں ہم نے اوپر بیان کیں ان میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ اختلاف ایسا ہی جو صدہا سال کے واقعہ کی نسبت ہونا چاہئیے اور لطف یہ ہے جتنی مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں وہ سب ممکن الوقوع ہیں اور ایسے قومی مجمعوں میں جہاں خلافت جیسے امر عظیم کی دو بڑے بڑے گروہوں میں بحث ہو ایسی باتوں کا وقوع لازمی اور ضروری ہے سعد بن عبادہ کا کچل کے مر جانا صرف ایک ہی روایت میں بیان ہوا ہے لیکن یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اول تو صرف ایک ہی راوی نے اسے بیان کیا ہے اور دوسرے سعد بن عبادہ انصار کا سردار تھا اگر اُسے اس قسم کا کوئی جانی صدمہ پہنچتا تو انصار ضرور بھڑک جاتے اور معاملہ جدال و قتال پر پہنچتا۔ رہا یہ کہ وہ شام پہنچکے مار ڈالا گیا ممکن ہے کہ یہ بات صحیح ہو کیونکہ حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر کی خلافت میں اُس کا پھر کبھی کوئی ذکر سننے میں نہیں آیا ✦

تاریخی روایتیں جہانتک غور کیا جاتا ہے بالکل تُلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور نکتہ چین سے نکتہ چین نظر بھی ان واقعات میں کوئی عیب نہیں نکال سکتی۔ ان تمام واقعات پر نظر کرکے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام جو حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق پر رکھا جاتا ہے کہ رسول مقبول کے جنازہ کو بے تجہیز و تکفین چھوڑ کے خلافت کے لینے کے لئے چلے گئے محض غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ دنیا بھر کی مذہبی اور تواریخی روایات کے بموجب سب سے پہلے انصار موضع سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تھے حضرت صدیق یا فاروق کو تو اس کا خیال بھی نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ شیخین کو جانا مناسب نہ تھا۔ اسکی بابت یہ عرض ہے کہ انکا جانا حمایت دین خدا کے لئے لازمی تھا اگر وہ نہ جاتے اور سعد بن عبادہ خلیفہ بنا دیا جاتا تو ضرور

قریشیوں اور انصار میں تلوار چلتی اور پھر تمام مسلمان مدینہ کی چار دیواری میں کٹ کے مر جاتے کیونکہ قریش کبھی دوسرے کی اطاعت نہ کرتے اور سعد بن عبادہ کی خلافت کا فیصلہ اگر خلیفہ ہو جاتا بغیر تلوار کے نہیں ہو سکتا تھا۔ رہا یہ خیال کہ حضرت علی کو بھی موقع سقیفہ بنی ساعدہ میں آنا چاہیئے تھا حالانکہ انہوں نے تجہیز و تکفین کے آگے خلافت کی کوئی پروانہ کی تو اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے۔ اول تو آپ کو معلوم ہی نہ تھا کہ اس قسم کا جھگڑا ہو گیا ہے دوسرے رسول کریم کی وصیت تھی کہ مجھے میرے اہل بیت غسل دیں اور کفنائیں پھر بھلا آپ وصیت کے خلاف کیسے کر سکتے تھے کہ جنازہ کو چھوڑ کے چلے جاتے تیسرے بڑی بات یہ تھی کہ آپ حضرت صدیق کا حق خلافت جانتے تھے اسلئے خلافت کی بحث کے وقت آپ کا ہونا کچھ ضروری نہ تھا نہ قوم نے آپ کی موجودگی ضروری سمجھی تھی کیونکہ اتنے بڑے جلسہ میں جہاں ہزاروں انصار اور مہاجرین جمع ہوں ایسی ایسی طولانی بحثیں اور وعظ ہوں اور وہاں کوئی شخص بھی حضرت علی کا نام نہ لے۔ یہ ساری باتیں شہادت دیتی ہیں کہ حضرت علی خود چاہتے تھے کہ رسول کریم کی خواہش کے مطابق حضرت صدیق خلیفہ بنائے جائیں اور اگر آپ کچھ بھی اپنا استحقاق سمجھتے تو کم سے کم آنا تو ضرور کرتے کہ جلسہ مذکور میں کسی شخص کی زبانی کہلا بھیجتے کہ علی کے آنے تک کوئی فیصلہ نہ ہو۔ ہاں اگر اس کی تعمیل نہ ہوتی تو دیکھا جاتا۔ مگر حضرت علی نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ اصل مطلب کو خوب سمجھتے تھے +

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت

حضرت علی کے بیعت کرنے کے بارے میں مختلف تواریخی روایتیں ہیں جنہیں ہم یہاں درج کر دیتے ہیں۔ ہر اختلافی روایت اپنی اپنی جگہ دلچسپ ہے اگرچہ ان میں سے بعض روایتیں ناممکن الوقوع اور طبائع عرب کے خلاف ہیں لیکن ایسے دلکش پیرائے میں ادا کی گئی ہیں

کہ دیکھ کے ایک عجیب دلچسپی پیدا ہوتی ہے ٭

پہلی روایت | جب مہاجر و انصار نے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو دوسرے روز ایک بہت بڑا جلسہ قرار دیا گیا۔ ہزاروں صحابہ اُس جلسہ میں آکے جمع ہوئے۔ پھر حضرت علی کو جلسہ میں بلایا گیا آپ تشریف لائے اور مناسب مقام پر نشست فرمائی پھر آپ نے دریافت کیا تم لوگوں نے مجھے کیوں بلایا ہے حضرت عمر نے جواب دیا آپ کے بلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ بھی کل صحابہ کے ساتھ اتفاق کریں یعنی جسطرح اُنہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے آپ بھی اُسکے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا تم لوگوں نے حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو قرابتی بیان کرکے انصار کو تسکین دیدی اور اسطرح خلیفہ ابو بکر کو بنا دیا لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ سے جو کچھ مجھے قربت حاصل ہے تم میں سے ایک کو بھی نہیں ہے اور اس بات کو کل انصار جانتے ہیں خدا تعالیٰ سے ڈرو اور انصاف کرو "جب تم خود بھی انصاف کی خواہش رکھتے ہو تو دوسروں کا بھی انصاف کرو"

حضرت عمر نے سختی سے کہا جبتک آپ ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنیکے میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑنے کا حضرت علی نے جواب دیا میں ایسی باتوں سے نہیں ڈرتا اور جبتک میری جان میں جان باقی ہے میں اپنے حق سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گا۔ اس پر ابو عبیدہ جرّاح بولے یا ابا الحسن آپ کی فضیلت و سبقت ہم سب پر روز روشن کی طرح نمایاں ہے کیونکہ تو اہلبیت ہے اور خلافت کا استحقاق رکھتا ہی بلکہ خلافت سے بھی زیادہ بلندگی کا تو مستحق ہی لیکن جبکہ اصحاب رسول اللہ نے اتفاق کرکے ابو بکر کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہی تو بھی اُسے خلیفہ تسلیم کرلے تجھے مخالفت کرنا کسی صورت سے بھی مناسب نہیں ہے۔ حضرت علی نے فرمایا ابو عبیدہ تو مقرب رسالت پناہی اور معتمد اُمتی ہو کیسے یہ کیا کہتا ہے تجھے سچی بات

کہنی چاہیے جو فخر کہ حضرت عزت نے خاندان نبی کو بخشا ہے تو دوسروں کے قبضہ میں اُس بزرگی کو نہ کر۔ قرآن ہمارے ہی گھر میں نازل ہوا اور معدن علم و دین بس ہم ہی لوگ ہیں۔ اوضاع شریعت اور مصالح ملت کو ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اپنی طبیعت کے اقتضا پر عمل نکرو کہ تمہیں اس سے نقصان ہوگا۔ پھر بشیر بن سعد بولا یا ابا الحسن جو کچھ آپ اب فرما رہے ہیں اگر ابوبکر سے بیعت کرنے کے پہلے معلوم ہو جاتا تو ہم تیرے ہی ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تیرے ہاتھ پہ بیعت کرنے میں ایک شخص بھی مخالفت نکرتا مگر یہاں تو یہ معلوم تھا کہ تجھے جہانداری کی کوئی خواہش نہیں ہے اور اسی لئے تو نے خانہ خدا سے قدم باہر نہیں نکالا۔ جو کچھ لوگوں کا عقیدہ تیری نسبت ہے اُس کو قایم رہنے دے اور ہرگز اسلام اور مسلمانوں میں مخالفت کر کے رخنہ نہ ڈال ہم نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور یہ مہم خطیر اُسکے قبضہ اقتدار میں دیدی ہے حضرت علی نے جواب دیا اے بشیر تو یہ نہیں سمجھا بھلا مجھ سے کیونکر ہو سکتا تھا کہ میں کالبد حضرت خواجہ کائنات و خلاصہ موجودات کا بے تجہیز و تکفین گھر پر چھوڑ کے ریاست و حکومت کے لئے دوڑا چلا آتا حضرت ابوبکر نے جواب دیا اے ابا الحسن اگر مجھے یہ پہلے سے معلوم ہوتا کہ خلافت کی تجھے یہ آرزو ہے اور تو میرے ساتھ یہ منازعت کریگا تو میں کبھی خلیفہ نہ بنتا لیکن اب یہ امر عظیم طے ہو گیا ہے تو بھی میں تجھپر کچھ دباؤ نہیں ڈالتا اگر اسوقت تیرا جی بیعت کرنے کو نہیں چاہتا تجھے اختیار ہے تو بخوشی و خرمی گھر جا سکتا ہے۔ یہ سنکے حضرت علی اُٹھ بیٹھے اور اپنے گھر چلے آئے۔

دوسری روایت | بعض مورخوں کا قول ہے کہ حضرت علی نے چالیس دن کے بعد بیعت کی اور بعض کا یہ بیان ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی وفات کے بعد بیعت کر لی +

تیسری روایت | بعض مورخوں کا قول ہے کہ جب حضرت نے یہ سُنا کہ انصار اور مہاجرین نے ابوبکر سے بیعت کر لی تو آپ برہنہ سر و پا بھاگے ہوئے آئے اور صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی

آپ ایسے پریشان ہو کے خانہ مبارک سے تشریف لائے تھے کہ آپکے کاندھے پر چادر بھی نہ تھی بیعت کرنے کے بعد آپنے گھر سے چادر منگا کے اوڑھی ۔

چوتھی روایت| بعض مورخ رسوخ سے بیان کرتے ہیں کہ بیعت سے پہلے ابو سفیان حضرت علی کے پاس آیا اور کہا اے ابا الحسن کیا تو اس سے راضی ہی کہ ایک شخص بنی تیم میں سے حکومت کے کاموں کا متصدی ہووے خدا کی قسم اگر تیری خواہش ہو تو میں سوار و پیادہ سے اس وادی کو بھر دوں حضرت علی نے جواب دیا اے ابو سفیان تو نے زمانہ جاہلیت میں ہمیشہ فتنے برپا کئے ہیں اب بھی تو یہی چاہتا ہے کہ اسلام میں فتنے و فساد کی آگ بھڑکے میں ابو بکر کو خلافت کے لئے بالکل موزوں سمجھتا ہوں۔ یہ سنکے ابو سفیان اپنا سا منہ لیکے چپکا ہو رہا۔ جب شیخین نے یہ سنا کہ ابو سفیان مخالفت کرنا چاہتا ہی تو فوراً اُسکے بیٹے کو شام کا گورنر جنرل بنا کے بھیجدیا جب ابو سفیان نے یہ سنا مخالفت کے خیال سے باز آیا ۔

پانچویں روایت| بعض مورخوں کا یہ قول ہی کہ جب حضرت علی نے بیعت کرنے میں لیت و لعل کی تو حضرت ابو بکر نے ایک خط اپنے ہاتھ سے لکھ کے حضرت علی کو بھیجا اسکا مضمون یہ تھا۔
"ابی بکر خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی ابن ابی طالب کو معلوم ہو کہ مسلمانوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہی اور میری خلافت پر راضی ہو گئے ہیں تجھے بھی اور صحابہ کی متابعت کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے" اس خط کا جواب حضرت علی نے یہ دیا" اے ابو بکر تو نے اپنے خط میں مجھے لکھا ہی کہ مسلمانوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کر لی اور تیری حکومت پر راضی ہو گئے اور اُن کے ساتھ تو مجھ سے بھی بیعت کی آرزو کرتا ہے یہ تجھے نہیں معلوم کہ میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہوا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے اول تصدیق کی میں خدائے عزوعلا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ہرگز تیری خلافت سے

رضامند نہیں ہوں اور کبھی تیرے ہاتھ پر بیعت نکروں گا ؂

چھٹی روایت تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہی کہ بریدہ بن الخضیب اسلمی جو اپنی قوم میں بہت بڑا عالم اور فاضل تھا مدینہ میں آیا اور حضرت علی کے در دولت پر اپنے ڈنڈے ڈیرے ڈال دیئے یہ دیکھ کے حضرت عمر نے کہا بریدہ تو بھی عجیب شخص ہے صحابہ نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ہی اور تو علی کے دروازہ پر پڑا ہوا جمہور مسلمین سے کیوں مخالفت کرتا ہی۔ بریدہ نے جواب دیا کہ میں اس صاحب خانہ کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنے کا۔ پھر صحابہ نے مجمع کر کے بریدہ کو بلا کے پوچھا کہ تیری مخالفت کی نسبت جو بیان کیا جاتا ہی کیا یہ صحیح ہی کہ تو کل مہاجرین و انصار کی مخالفت پر آمادہ ہی۔ بریدہ نے کہا سینئے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت رسالت پناہی نے مجھے اور خالد ولید کو ایک گروہ کے ساتھ ملازمت علی ابن ابی طالب میں جانب یمن روانہ کیا خدا کی قسم میں نے علی کی بہت مخالفت کی اور سفر بھر میں آپ سے کشیدہ خاطر رہا جب ہم حضرت رسالت پناہی کے حضور میں حاضر ہوئے تو حضور نے استفسار فرمایا کیوں علی سے کیسی بنی میں نے اس کدورت کی وجہ سے جو اول روز سے میرے دل میں تھی علی کی غیبت کی یہ سنتے ہی حضرت رسالت پناہی کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا یا بریدہ اے رجل قطع اولی الناس بکم بعدی جب میں نے سردار دو عالم کی زبان مبارک سے یہ کلمے سنے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم میں نے اس چیز سے توبہ کی جو تیرے غصہ کی باعث ہوا اب میں عرض کرتا ہوں کہ میرے حق میں دعا کر اور میری بخشش کی طلب کر حضرت رسالت پناہی نے ارشاد کیا علی کو آجانے دے اتنے میں حضرت علی آگئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کے اپنی جوتیوں کو صاف کرنے لگے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ تو نے وعدہ کیا تھا علی آجائے تو میں دعا کروں اب تو علی بھی آگئے دعا کیوں نہیں کرتا آنحضرت نے علی کیطرف

خطاب کرکے کہا اے علی یہ بریدہ ہو اس نے میرے پاس آکے تیری برائی کی اب طلب آمرزش کرتا ہو تو اجازت دیتا ہو تو اسکی مغفرت کی دعا مانگی جائے علی راضی ہوگئے اور پھر میری مغفرت کی دعا مانگی گئی حضرت علی نے بھی میری بخشش چاہی کہتے ہیں بریدہ جنگ جمل اور صفین میں بھی حضرت کے ساتھ تھا +

یہ اختلافی روایتیں ہیں جو حضرت علی کی نسبت کتب تواریخ میں ملتی ہیں الحمد للہ اسبات پر تو سب کا اتفاق ہو کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ضرور کی صرف اختلاف اس میں ہو کہ کب کی دیکھنا یہ ہو کہ اگر حضرت علی اور شیخین کی مخالفت کو تسلیم کرلیں تو کل واقعات پر جو شیخین کے زمانہ خلافت میں ہوئے پانی پھر جاتا ہو کیوں کہ جس محبت اور دلی ہمدردی سے حضرت علی نے شیخین کو امور خلافت میں مدد دی ہو اُسکی نظیر ملنی مشکل ہے تو یہ بات غلط معلوم ہوتی ہو کہ اُن کی باہم کوئی مخالفت ہو۔ ہاں باقی کی یہ دو روایتیں کہ حضرت علی نے سنتے ہی بیعت کرلی صحیح معلوم ہوتی ہیں کیونکہ حضرت علی کو کوئی وجہ مخالفت کی نہیں تھی اور آپ ایسی مخالفت کر بھی نہ سکتے تھے جس سے قوم و ملت کو کوئی صدمہ پہنچتا یہ ممکن ہے کہ حضرت علی خلیفہ بننا چاہتے ہوں لیکن جب قوم نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کرلیا تو آپنے بھی برضا و رغبت فوراً بیعت کرلی۔ اصل یہ ہے کہ حضرت علی کا مرتبہ باہمی نوک جھوک کی اور کشش سے بہت بلند ہے آپ اول درجے کے عالی ظرف اور صاحب ہمت تھے اور ایسی باتوں کی آپ کو بہت کم پروا ہوتی تھی ؛؛

مختصر واقعات خلافت

جب حضرت صدیق اکبر مستقل خلیفہ بنائے گئے تو سب سے پہلے جو آپکے کام کرنا پڑا وہ لشکر اُسامہ کی روانگی کے متعلق تھا آپنے حکم دیدیا کہ جو لوگ اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے نامزد

ہو چکے ہیں اور جنہیں رسول کریم صلے اللہ وسلم مقرر فرما چکے ہیں وہی لوگ بھیجے جائیں گے اور اُس میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوگی۔ یہ اعلان دیکھتے ہی بہت سے صحابہ حضرت صدیق کے پاس آئے اور کہا آپ یہ کیا کر رہے ہیں اور کیوں اس لشکر کثیر سے مدینہ کو خالی کرتے ہیں۔ قبایل عرب اور یہودی جو مدینہ کے قرب و جوار میں رہتے ہیں مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اگر آپ نے لشکر اسلام کو روانہ کر دیا تو غضب برپا ہو جائیگا اور مسلمانوں کو جان کے لینے کے دینے پڑ جائیں گے حضرت صدیق نے یہ سنکے جواب دیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر قبایل عرب اور یہود ملکے میرے ٹکڑے بھی اُڑا دیں میں ہرگز باز نہ آؤنگا پھر چند انصار حضرت فاروق اعظم کے پاس آئے اور کہا آپ ابوبکر سے جاکے کہیں کہ یہ مہم جسپر اُسامہ بھیجا جاتا ہے بہت بڑی ہے اسکے لئے کوئی معمر تجربہ کار شخص مقرر ہونا چاہئے جو اس اہم اور بزرگ کام کی انجام وہی خوش اسلوبی سے کرے۔ اُسامہ ابھی بچہ ہے اور نہ اسے کوئی تجربہ حاصل ہوا ہے چنانچہ حضرت فاروق حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ساری کیفیت بیان کی حضرت صدیق کو یہ سنتے ہی غصہ آگیا آپنے حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا ثکلتک امک یا ابن الخطاب؟ رسول کریم تو اُسامہ کو سپہ سالاری کا عہدہ عنایت کریں اور تو اُسے معزول کرنا چاہتا ہے غرض اُسامہ کا لشکر تیار ہوا اور اُسامہ روانہ ہونے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوا حضرت صدیق اکبر گھوڑے کی باگھ پکڑ کے اُسامہ کے ساتھ پا پیادہ چلنے لگے اُسامہ نے کہا ابوبکر یہ کیا کرتے ہو کیا تو آپ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیے اور یا مجھے بھی نیچے اُترنے اور پا پیادہ چلنے کی اجازت دیجئے حضرت ابوبکر نے نہ مانا اور اسطرح باگھ پکڑے ہوئے بہت دور تک ساتھ ساتھ چلے آئے آپ افسران فوج کو سمجھاتے تھے کہ اُسامہ کی ہرگز نافرمانی نہ کرنا جو کچھ وہ حکم کرے اُسکو بدل و جان ماننا پھر آپنے سبکو مخاطب

کرکے یہ ہدایت فرمائی تھی بچوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارنا اور میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا اور اُن فقیراؤں اور راہبوں کو جو خانقاہوں اور گرجوں میں خدا کا نات کی یاد میں بیٹھے ہوں مت چھیڑنا اور نہ اُن کے ساتھ کوئی تعرض کرنا"

یہ روشن ہدایتیں ہیں جو پیغمبر اسلام کے خلیفہ اول نے سب سے پہلے اپنے لشکر کو کیں اور رُشتہ قوانین جنگی کی دنیا میں بنیاد قایم کی بعض مورخوں نے اسامہ کی روانگی کے واقعہ کو اسطرح لکھا ہے کہ جب صحابہ نے آپ پر زور دیا کہ لشکر اُسامہ کو مدینہ سے روانہ نکریں صرف اس مصلحت سے کہ بدوی عربوں کی نیت بد معلوم ہوتی ہے تو آپ نے بڑے جوش سے جوابدیا کہ اگر مدینہ کی شاہراہیں خون میں تر ہو جائیں اور مسلمان مدینہ کی گلیوں میں کاٹ ڈالے جائیں میں ہرگز اُسامہ کو روانہ کرنے سے باز نہ آؤں گا کیونکہ میرے رسول صادق نے اُسے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا یہ تھی صداقت اور یہ تھا سچا عشق جو حضرت صدیق اپنے ہادی برحق سے رکھتے تھے کسی تاریخ میں اس خدایانہ عشق کی مثال نہیں ملتی۔

اُسامہ غرض اُسامہ روانہ ہو کے قبایل قضاعہ پر حملہ آور ہوا۔ خوب لڑائیاں ہوئیں تمام قبایل کو زیر وزبر کر ڈالا۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ اُسامہ نے اپنے باپ زید کا خوب انتقام لیا کیونکہ وہ یہیں شہید ہوئے تھے بعض کا بیان ہے کہ یہاں کوئی لڑائی ہی نہیں ہوئی اور اُسامہ مدینہ واپس چلے آئے۔

اسود عنسی کا قتل جب باذان یمن کا حاکم مسلمان ہوا تو اُس نے یہ کوشش کی کہ اُسکے اُسکے قرب وجوار کے لوگ بھی مسلمان ہو جائیں چنانچہ بکثرت لوگ مسلمان ہو گئے جب باذان کی وفات ہو گئی تو حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو یمن کا حاکم بنا کے بھیجا اور علیحدہ علیحدہ ایک ایک شہر پہ ایک ایک حاکم مقرر کر دیا

یعنے بحران پر عمرو بن حزام و بحران و زبید کے درمیانی موضع پر خالد بن سعید ابی العاص ہمدان پر عامر بن فہیرہ اور حکومت صنعا کہ جو دار الملک یمن تھا۔ شہر بن باذان۔ مارب پر اور موسےٰ اور حضرموت پر زیاد بن ولید انصاری اسیطرح مختلف شہروں پر مختلف حاکم بنا کے بھیجدئے اور معاذ بن جبل کو تعلیم شریعت غرّا کے لئے نامزد کیا +

جب حضور انور نے مکہ سے مراجعت فرمائی اور آپ مدینہ میں کچھ عرصہ کے بعد صاحب فراش ہوگئے تو اسود عنسی کہ تعہیلہ بن کعب کے نام سے موسوم تھا اور سے ذو الحمار بھی کہا کرتے تھے نواحی یمن میں دعوی نبوت کر بیٹھا یہ شخص بڑا چالاک اور شعبدہ باز تھا اس نے شعبدے دکھا دکھا کے قبیلۂ مذحج کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ سب لوگ اُسپر ایمان لے آئے غضب یہ ہوا کہ قیس بن عبد یغوث جو اس نواح میں صاحب اثر اور دولتمند شخص تھا مرتد ہو کے اُسکے ساتھ ہوگیا اور اُسکی فوج کا سپہ سالار بنگیا۔ یہ شخص پہلے مسلمان ہوگیا تھا لیکن اخیر میں اُس نے دغا کی اور کھلم کھلا اسلام کا مخالف ہوگیا۔ اسود نے سوار و پیادہ کی ایک جمعیت کے ساتھ سب سے پہلے شہر بن باذان پر حملہ کیا۔ شہر اُسکے حملہ کی خبر پاکے پایۂ تخت سے نکلا اور اسود سے مقابل ہوا خوب دست جنگ ہوئی اخیر شہر بن باذان شہید ہوا اور اسود فتح کا باجا بجاتا ہوا صنعا میں داخل ہوا۔ اسود کی اس نمایاں فتح سے تمام یمن میں ہلچل پڑگئی اور اسلامی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں اسود نے صنعا کو قبضہ میں کرکے شہر کی بیوہ سے شادی کرلی۔ اس بیوہ کا ایک چچازاد بھائی فیروز نامی تھا اسود نے اس شخص کو و دادویہ نامی ایک آدمی کے ساتھ اُن اہل عجم کا جو یمن میں رہتے تھے سردار مقرر کیا +

عمرو معدی کرب | ایک اور شخص عمرو معدی کرب جو بڑا زبردست اور صاحب اثر آدمی تھا

مرتد ہو گئے اسی اثنا میں اسود سے ملگیا اسکی اصلیت یہ ہے کہ یہ شخص مذکور حضرت رسالت پناہی
کی خدمت میں پہلے حاضر ہوا تھا اور اُس نے التجا کی تھی کہ حضور زبید کی جگہ مجھے کر دیں۔
حضور نے منظور نہیں فرمایا اور زبید کی جگہ دوسرے قابل شخص کا تقرر ہو گیا۔ عمرو معدی کرب
کو سخت ناگوار گذرا اور یہ حضور انور سے کشیدہ خاطر رہنے لگا یہاں تک کہ اسود نے دعوے
نبوت کا کیا اور یہ فوراً اسکے ساتھ جا ملا۔ اسکے جا ملنے نے اسود میں ایک زبردست قوت
پیدا کر دی اور وہ اسی کے صدقہ میں قریب قریب تمام یمن کا مطلق العنان حاکم بن بیٹھا۔

نامہ حضور انور — جب حضور انور کو یہ خبریں پہنچیں کہ اسود نے یہ آفت برپا کر رکھی ہے تو آپنے ایک
مہم بھیجنے کی تجویز کی اور اسود کو ایک رقعہ لکھا اور معاذ بن جبل کو اس مہم کا سرگروہ بنا کے
روانہ کیا۔ اب اسود کے دو بڑے بڑے مصاحب تھے ایک قیس بن عبد یغوث۔ دوسرا
فیروز وادویہ یہ دونوں اسکی بیجا حرکات سے سخت پریشان ہو گئے اور مجبور ہو کے انہوں نے
اسود کے قتل کا ارادہ کر لیا اور برابر موقع کی تاک میں لگے رہے جب معاذ بن جبل پہنچے تو
وہ دونوں انکے ساتھ آکے گٹھ گئے اور اب اسکے قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ کہیں ان سازشوں
کی بھنک اسود کے کان میں بھی پڑی اور وہ گھبرا گیا اُس نے قیس کو تخلیہ میں بلا کے
کہا کہ تو اور کئی آدمیوں کے ساتھ میرے قتل کی سازش کر رہا ہے تجھے معلوم نہیں کہ
کہ اس سازش کا نتیجہ تجھے کیا ملے گا ایک عذاب تجھپر ہوگا اور تو برباد ہو جائے گا
قیس نے یہ سنتے ہی اسود کی ذات کی قسم کھائی اور صاف انکار کیا کہ تجھے یہ خبر غلط
پہنچی ہے میں نے کسی سے سازش نہیں کی ؞

اسیطرح اور بہت کچھ اطمینان دیکے قیس چلا آیا اور اسنے اپنے احباب سے کہا کہ ہماری سازش
کی خبر اسود کو ہو گئی ہے اب ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے مبادا وہ ہمیں کچھ نقصان پہنچائے

اسی سازش کے زمانہ میں عامر بن شہیر اور ذوالکلاع وغیرہ امرائے عظام کے خطوط آئے جن میں اسود سے سخت ناراضی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور التجا کی گئی تھی کہ جسطرح ہو سکے اسکا قلع قمع کر دیا جائے قیس کو یہ خط دیکھکے اور بھی جرات ہوئی۔ فیروز نے کہا ٹھرو میں اپنی چچازاد بہن کے پاس جو آج کل اسکی بیوی ہی جاتا ہوں اور اُس سے مشورہ کرتا ہوں دیکھوں اسکا عندیہ کیا ہی چنانچہ فیروز اپنی بہن کے پاس گیا اور اُس سے حال دریافت کیا وہ عورت یہ سنکے بہت خوش ہوئی اور کہا اسود سے میرا دم بھی ناک میں آگیا ظالم رات بھر شراب کے نشہ میں بیہوش پڑا رہتا ہی غسل جنابت آجتک اس نے کیا ہی نہیں میں تمہیں ایک ترکیب بتاتی ہوں جس سے تم بآسانی اسپر قابو پا سکتے ہو کہ فلاں وقت فلاں باغ میں تم آجاؤ۔ پھر ایک خاص علامت سے تمہیں بتا دوں گی کہ اسود آجکی شب فلاں کمرہ میں سوئے گا۔ چونکہ اُسے اپنے تمام امیروں سے شک ہے اُس نے دروازہ پر سخت پہرے بٹھا دئے ہیں کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تم دیوار کے پیچھے چھپ جانا اور اُس میں آہستہ آہستہ ایک چھید کر لینا اور پھر وقت پر کمرہ میں گھسکے اُس کا کام تمام کر دینا۔

واقعہ قتل یہ سنکے فیروز واپس چلا آیا اور شبکو فیروز داذویہ اور قیس بن عبد یغوث مقام مقصود پر پہنچے اور اُسی ترکیب سے دیوار کے پیچھے چھپکے اُسمیں سوراخ کر لیا۔ پھر آپس میں باتیں ہونے لگیں کہ پہلے کون کمرہ میں جائے۔ داذویہ نے کہا بھائی میں ضعیف آدمی ہوں شاید میری ضرب کارگر نہو اور اسود جاگ جائے میں نے قیس سے کہا تو یہ کام کر سکتا ہی اُسنے جواب دیا مجھمیں عادت ہی کہ جب میں قتال کرتا ہوں تو میرے دل میں دغدغہ پیدا ہو جاتا ہی ممکن ہے کہ اُسوقت ضرب کارگر نہ لگے اور اسود جاگ اُٹھے اور ہماری ساری محنت

ضائع ہو جائے۔ جب میں اپنے رفقا سے مایوس ہو گیا تو میں خود اسود کے کمرہ میں داخل ہوا جب کمرہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا میرے پاس تلوار نہیں ہے مبادا یہ جاگ اٹھے اور کام بنا بنایا بگڑ جائے۔ میں نے یہ سوچا کہ جب یہاں پہنچ گیا ہوں تو کچھ کرنا چاہیے میں نے اسکی گردن کا منکا توڑ ڈالا۔ جب گردن ٹوٹتے ہوئے اس نے غل مچایا تو تمام پہرے والے دوڑتے ہوئے دروازے پر آئے اور پوچھا ہمارے پیغمبر کو کیا ہوا کیوں غل مچاتا ہے اسکی بیوی نے کہا خاموش نزول وحی ہو رہی ہے۔ وہ یہ سنکے چپکے اپنی اپنی جگہ پہ چلے گئے۔ فیروز کا بیان ہے کہ بعد ازاں قیس گھر میں آیا اور ہم اسود کا سر تن سے جدا کر کے باہر نکل آئے اور یار ام منزل پر پہنچ گئے۔ ہم نے استراحت کی علی الصباح ہم نے اذان دی اور نماز پڑھی اتنے میں بہت سے مرید اسود کے ہم پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے ہم نے اسود کا سر انکے آگے ڈال دیا وہ سب تتر بتر ہو گئے پھر ہم بخوشی و شادمانی شہر میں آئے اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسود کے قتل کی خبر دی اور ہماری وجہ سے اسلام کی پشت قوی ہوئی کہتے ہیں کل تین مہینے اسود نے یمن پر حکومت کی +

خطبہ جب حضرت صدیق تخت خلافت پر بیٹھے تو آپنے مسجد نبوی میں یہ خطبہ پڑھا تھا اے لوگو تمہیں معلوم ہو کہ تمہاری ولایت کا عہدہ مجھے سپرد ہوا ہے اگر میری زندگی عدالت اور مروت میں کٹے تربیت اور ہمت سے مجھے نصرت دینی چاہیے اور اگر مجھ سے کسی مرتبہ غلطی ہو جائے تو تم مجھے آگاہ کر دو مداہنہ اور میل کے پاس ہو کے نہ جاؤ کیونکہ سچ بولنا امانت ہے اور جھوٹ بولنا خیانت تم یقین کرو کہ ضعیف ترین آدمی میرے نزدیک قوی ہے جبکہ میں اس کی داد لوں۔ ایمان کے خلاف کوئی قوت کام نہیں دیسکتی سوائے ذلت و خواری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی گروہ فساد اور بغاوت نکرے ورنہ حوادث زمانہ اور ناگہانی

بلا میں گرفتار ہو جائے گا جبتک میں خداوند تعالیٰ کی متابعت اور فرمانبرداری کروں تم میری اطاعت کرو اور اگر حکم خدا کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے تم ہرگز میری اطاعت نہ کرو بلکہ میری مخالفت کرو" اس سے زیادہ راستبازی اور صداقت کیا ہو سکتی ہے جس نے اپنی قوم میں زندگی کی ایک تازہ روح پھونک دی اور جس نے بتا دیا کہ جو شخص خدا کی طاعت نہ کرے تم ہرگز اُس کی اطاعت نہ کرو۔ تم چونکہ راستباز ہو ایک راستباز بندہ تمہارا آقا بن سکتا ہے تم حق کہنے میں ایک شہنشاہ کے آگے بھی آزاد ہو۔ حق کو امانت اور دروغ کو خیانت کے لفظ سے تعبیر کرنا آپ کی صداقت اور راستبازی کی شہادت دیتا ہے ؂

خالد بن الولید۔ جنگ طلحہ بن خویلد و قتل سلمیٰ بنت مالک

جب اُسامہ کا لشکر کامیابی کے ساتھ واپس چلا آیا اور وہ قبایل عرب جنہوں نے سر اُٹھایا تھا دوبارہ مطیع اسلام ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے طلحہ بن خویلد کی سرکوبی کے لئے فوج کو نئی طرح سے ترتیب دیا سامان باربرداری وغیرہ کا انتظام کر کے آپ مع فوج مدینہ کے باہر تشریف لائے جب بمقام ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ سے صرف ایک مرحلہ ہے تو حضرت علی نے گھوڑے کی باگ پکڑ کے کہا میں مصلحت نہیں سمجھتا یا ابوبکر کہ آپ آگے بڑھیں آپ مدینہ واپس چلے آئیں اور طلحہ بن خویلد سے کسی کو اپنی طرف سے جنگ کرنے کے لئے بھیجدیں" حضرت ابوبکر نے حضرت علی کے اِس مشورہ پر فوراً عمل کیا اور آپ فوج کی کمان خالد کو دیکے خود مدینہ واپس چلے آئے ؂

خالد کمان افسر بنکے آگے بڑھے اور موضع بزاخہ میں پہنچے جو بنی اسد کا مسکن تھا اور یہیں طلحہ بھی رہتا تھا یہ شخص پہلے مسلمان ہو گیا تھا لیکن بعد ازاں اپنے قبیلے بنی اسد کے ساتھ وطن میں آکے مرتد ہو گیا اور صرف مرتد ہی نہیں ہوا بلکہ دعویٰ نبوت کر بیٹھا اور فتویٰ دیدیا کہ شراب حلال ہے نماز و روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے ہر شخص زناکاری اور

عیاشی کے لئے آزاد ہو۔جس بات کو نفس چاہے وہ بخوشی کر سکتا ہے ٭

طلحہ کی جمعیت حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے بہت بڑھ گئی تھی جب خالد قریب پہنچے تو انہوں نے لشکر طلحہ کی خبر لانے کے لئے عکاشہ بن محصن اور ثابت بن ارقم کو روانہ کیا۔رستہ میں ان سے طلحہ کا مقابلہ ہو گیا یہ صرف دو آدمی اور وہ کئی تھے لڑائی ہوئی اور خوب تلوار چلی اور یہ دونوں صحابہ شہید ہو گئے۔جب ان صحابہ کی شہادت کی خبریں پہنچیں تو خالد مقتل میں آکے پہنچے دیکھا دونوں صحابہ شہید پڑے ہوئے ہیں رضائے الٰہی سے صبر کیا اور اپنے ارادہ پر عزم بالجزم کر کے اسلامی سپاہ آگے بڑھائی۔خالد نے بہت ہی قریب پہنچکے طلحہ کو ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں لکھکے بھیجا کہ اب بھی توبہ کر لے اور اپنی حماقت سے باز آ۔خدا اور رسول تیرا قصور معاف کر دینگے اور تو خدا کے برگزیدہ بندوں میں ہو جائے گا ٭

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

خالد کے اس خط کی طلحہ نے اپنی فرضی پیغمبری کے خمار میں کچھ پروانہ کی جب خالد کو کامل مایوسی ہو گئی تو اپنی فوجوں کی ترتیب دینی شروع کی میمنہ میں عدی بن حاتم طائی کو مقرر کیا میسرہ میں زید الخیل کے بیٹے کو متعین کیا اور آپ قلب لشکر میں قائم ہوئے۔طلحہ کے ساتھ قبایل بنی اسد۔غطفان اور ہزارہ تھے۔مسلمانوں کیطرح طلحہ نے بھی صف بندی کی دونوں لشکروں کی صفیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں جم گئیں۔طلحہ کے ہاں کچھ تھوڑی دیر تک سکوت سا دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل آنے کو ہیں اسلئے میں بغیر انکے مشورہ کے جنگ میں پیشقدمی نہیں کرنے کا۔٭

طلیحہ ایک فرضی جبرائیل کا رستہ دیکھ رہا تھا اور وہاں خالد اپنی صفوں اور پروں کی ترکیب اور حملوں کی صورتیں ملاحظہ کر رہا تھا۔ یہانتک کہ اُسکی طرف سے عتبہ بن حصین نے سات سو سواروں کو لیکے قلب لشکر پر حملہ کیا۔ خوب خوب لڑائی ہوئی مگر عتبہ کا منہ پھیر پھیر گیا۔ جب عتبہ کو ہزیمت ملی اور اُس نے لشکر اسلام کی یہ آن بان دیکھی تو طلیحہ کے پاس بھاگا ہوا آیا اور کہا کیا ابھی تک جبرائیل نہیں آئے۔ طلیحہ نے جواب دیا میں اُنہیں کا رستہ دیکھ رہا ہوں ابھی تک وہ نہیں آئے۔ یہ سنکے عتبہ بہت سخت ازردہ ہوا اور طوعاً و کرہاً میدان جنگ میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس آیا اور گھبرا کے پوچھا جبرائیل آئے طلیحہ نے انکار کیا نہایت پریشان ہو کے پھر میدان جنگ میں واپس گیا فوج کو لڑایا اور جب کامیابی کی صورت نہ معلوم ہوئی تو پھر بھاگا ہوا آیا اور طلیحہ سے پوچھا کیوں جبرئیل آئے۔ اب کے طلیحہ نے جواب دیا کہ ہاں آئے عتبہ نے خوش ہو کے پوچھا کیا خبر لائے طلیحہ نے کہا کہ جبرائیل نے آتے ہی مجھسے یہ خطاب کیا ان لک رحجا کرحاہ وحدیثا لا ینساہ "مترجم تاریخ اعثم کوفی نے ان کلمات کا یہ ترجمہ کیا ہی کہ تو خالد سے ہرگز برسر نہیں آنے کا اور ایک ایسی حالت تجھ پر آئیگی جسے تو ہرگز نہیں بھلا سکتا" یہ سنتے ہی عتبہ کو سخت غصہ آیا اس نے طلیحہ سے کہا مجھیر تو کیا تجھپر ایک ایسی حالت آنے والی ہی جو تجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔ پھر اپنی قوم کی طرف خطاب کر کے کہا اے قوم فزارہ یہ بدبخت طلیحہ کذاب اور بدمعاش ہی میں اسکے دہوکے میں آگیا تھا خدا اس سے ہر شخص کو بچائے۔ یہ کہکے میدان جنگ سے معہ اپنے آدمیوں کے چلدیا دوسری روایت یہ ہی جب خالد نے اسے نمایاں شکست دی تو عتبہ بھاگ کھڑا ہوا طلیحہ نے پوچھا میدان سے کیوں بھاگتا ہی عتبہ نے جواب دیا ہم تو اپنی باری ختم کر چکے اب جبرئیل سے کہنا کہ وہ اپنی بانگی دکھائیں کیونکہ اُن کی باری ہی دو چار ہاتھ تو میدان میں کسکے اُنہیں آمارین

کیفیت کھلے کہ جنگ کیونکر کرتے ہیں غرض بنی فرارہ بھاگ گئے تو بنی اسد اور بنی غطفان کے بھی قدم اکھڑ گئے۔ خالد کی تلوار کی کہیں پناہ نہ تھی طلحہ و تین میدان جان توڑ کے لڑا تھا مگر سیف اسد کی سیف ہی تھی ❊

بہر جا کہ شمشیر او کار کرد یکے را دو کرد و دو را چار کرد

جب طلحہ نے دیکھا کہ صفیں کی صفیں کام آچکی ہیں اور کل قبائل پیٹھ دکھا چکے ہیں فوراً ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کے بھاگ کھڑا ہوا اور فرضی جبرائیل کا لاڈلا بیٹا ہل ہرام اس طرح کافور ہوا کہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل لی نہ کل شہر سے راہ جنگل کی لی۔ کمبخت سیدھا جانب شام ہو لیا۔ خالد نے فوراً اسکے تعاقب میں گھوڑا ڈال دیا وادی الاخراب نامی ایک موضع میں اُسے جا لیا۔ یہاں عتبہ معہ اپنے گروہ کے مورچہ زن تھا۔ کسی میدان بہت خونریز ہوئے اخیر عتبہ اور قرہ بن سلمہ طلحہ کے یہ دو بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے ❊

طلحہ بھاگا ہوا سیدھا شام آیا اور غسانی شاہوں کے آگے التجا کی اور کہا میں ارتداد سے باز آیا اور صاف دل سے توبہ کرتا ہوں چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا جب خالد کو طلحہ سے فراغت ملگئی تو اس نے قانون جنگ کے مطابق عتبہ و قرہ کو قید کرکے بطور جنگی قیدی کے حضرت صدیق اکبر کے پاس مدینہ بھیجدیا۔ جوں ہی دونوں مذکورہ بالا اشخاص حضرت صدیق کے حضور میں پہنچے حضرت صدیق نے نہایت پر اثر لہجہ میں انہیں شرمندہ کیا اور اسلام کی بہت سی خوبیاں انہیں سمجھائیں۔ دونوں اشخاص نے توبہ کی اور بطیب خاطر توبہ کرکے مسلمان ہوگئے ❊

طلحہ سلمی بنت مالک بن حذیفہ بن بدر

جب ان لوگوں کا قلع قمع ہوگیا اور خالد کی تلوار نے فرضی نبی کا فیصلہ کر دیا تو طلحہ سلمی بنت مالک کو ملک گیری کی ہوس دامنگیر ہوئی یہ

کمبخت پہلے مسلمان تھی لیکن ہوائے نفسانی سے اس نے نہ صرف اسلام جیسے روشن دین سے روگردانی کی بلکہ جہلا کو بہکا کے اسلام کے مقابلہ میں آمادہ پرخاش ہو گئی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میدان جنگ میں گرفتار ہو کے حضور انور کی خدمت میں لائی گئی تھی اور جب حضرت رسالت پناہی کے حضور میں کفر سے تائب ہو کے مشرف باسلام ہوئی تو حضور انور نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ مگر حضرت رسالت پناہی نے یہ ارشاد کر دیا تھا کہ طلحہ سلمیٰ بنت مالک دل سے مسلمان نہیں ہوئی ہے یہ ضرور کبھی نہ کبھی کچھ رنگ لائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو اُس نے کھلم کھلا بغاوت کی اور قبایل غطفان۔ ہوازان۔ سلیم۔ اسد اور طے کو اپنے ساتھ ملا کے پوری قوی بنگئی بہادر سپاہ سالار اسلام یعنی خالد نے جوں ہی سلمیٰ کی بغاوت کی خبریں سنیں فوراً اپنے گھوڑے کی باگیں اپنی ظفر موج فوج کے ساتھ اُسکی طرف اٹھائیں ادھر سلمیٰ بھی مقابلہ پر آئی۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی سیف اللہ کی شمشیر زنی کی دھاک مچگئی جسطرف بہادر سپاہ سالار نے رخ کیا صفیں کی صفیں اُلٹ گئیں۔ طرفین سے دل کھول کے مقابلے ہوئے اخیر سلمیٰ عین میدان جنگ میں ماری گئی اور یہ فتح عظیم خالد کو نصیب ہوئی ؂

ایک اور فرضی مرسلہ سجاح بنت المنذر نصرانی عورت تھی۔ نبوت کے خیالات مدت سے اسکے دماغ میں چکر کھا رہے تھے۔ یہ اعلےٰ درجہ کی فصیح اور بلیغ تھی اسکے وعظ مشہور زمانہ میں صدہا بلکہ ہزارہا آدمی اس کی خوش بیانی پر مٹے ہوئے تھے جوں ہی اُس نے حضرت رسالت پناہی کی خبر وفات سنی علانیہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھی اور اب مسجع باتیں کرنی شروع کیں اور کہا کہ یہ وحی الٰہی ہے۔ قبیلہ بنی تغلب نے سب سے پہلے اُسکے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی اس ہوشیار عورت نے اپنے متابعین کو نماز روزہ۔ زکوٰۃ اور صدقہ کی ہدایت کی اور سور کا گوشت

حلال کردیا جب کل بنی تغلب اسکے حلقہ بگوش بنگئے تو اُس میں گونہ قوت پیدا ہوگئی۔ اس چالاک عورت نے تمام قبایل عرب کے پاس مسجع اور مقفٰے خطوط بھیجنے شروع کردئیے صدہا عرب آنے شروع ہوئے اور سب نے اسکی متابعت کی اب اُس کی قوت پوری ہوگئی اور اُس کا داؤں ہزاروں پر چلگیا ✣

اس چالاک عورت نے اپنی اس کثیر تعداد ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے اور بھی آگے اپنی نظریں دوڑائیں اور بنی تمیم کے رئیس مالک بن نویرہ کو خط لکھا اور اپنے مذہب میں آنے کی دعوت کی۔ مالک بن نویرہ اس عورت کے داؤں میں آگیا اور فوراً ترک اسلام کرکے مرتد بنگیا۔ جب بکثرت قبایل عرب اُسکے مطیع ہوگئے تو سب نے باتفاق اس چالاک عورت سے کہا کہ مخالفوں کی ضرور خبر لینی چاہئیے اور ایک کو چن چنکے مارنا چاہئیے۔ چالاک عورت نے کہا جبتک آسمان سے وحی نہیں اُترے گی میں کچھ نہیں کہسکتی۔ چنانچہ اس عورت نے سوچ سمجھکے ایک فرضی وحی کی ترتیب دی اور عبارت کو خوب مسجع کیا جسکا مضمون یہ تھا کہ سب سے پہلے بنی رباب کی خبر لینی چاہئیے۔ یہ مشورہ کرکے بنی رباب پر جا پڑی اور اُن بیچاروں کا قتل عام کردیا۔ اس غیر معمولی فتح سے سرخوش ہوکے کسی دوسرے پر حملہ کرنے کا مشورہ ہونے لگا سب کی رائے اسپر قرار پائی کہ اُمت محمد سے زیادہ فی الحال کوئی قوی ترین دشمن ہمارا نہیں ہے مناسب یہ ہے کہ پہلے ابو بکر کے لشکر کا قلع قمع کردیں اور مدینہ فتح کرکے وہاں اپنی فتح کا جھنڈا گاڑدیں پھر ہمارے مذہب کی بنیادیں دنیا میں قایم ہوجائیں گی۔ چالاک عورت نے اس مشورہ اور تجویز کو بغور سنا اور اپنے سرداروں کے جواب الجواب میں یہ کہا جبتک وحی نازل نہ ہوگی میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی رشب کو تخلیہ میں ایک مسجع عبارت کی ترتیب دی اور علی الصباح اس فرضی وحی کا مضمون اپنے سرداروں کے آگے پڑھ کے سنایا۔

مضمون صرف یہ تھا کہ پہلے یمامہ پر حملہ کرنا چاہیئے اور رئیس حضرت صدیق اکبرؓ نے شرحبیل بن حسنہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو سجاح کی سرکوبی کے لئے یمامہ روانہ کیا خالدؓ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ شرحبیل اور عکرمہ کے ساتھ یمامہ میں آکے ملجائیں لیکن جب بہادر سپاہ سالار نے سجاح کی دوسری خبر سُنی تو توقف کیا ادھر شرحبیل اور عکرمہ مفصل کیفیت عرض کرنے کے لئے مدینہ میں واپس چلے آئے کہ دیکھئے ان دو مدعیان نبوت کی آپس میں کیونکر نبٹرتی ہے۔ خالد نے بھی بڑی عقلمندی کی کہ سجاح کے قلع قمع کرنے کے لئے آگے قدم نہیں اٹھایا اور یہ موقع خاموش ہی رہنے کا تھا کیونکہ دو دشمن اسلام ایک دوسرے سے ہم نبرد ہونے کی تیاری کر رہے تھے +

غرض سجاح بنیہ کی فوج جانب یمامہ روانہ ہوئی مسیلمہ سنتے ہی گھبرا گیا کہ سجاح لشکر کثیر کے ساتھ اُسپر چڑھی چلی آتی ہے۔ مسیلمہ نے فوراً ایک سفارت سجاح کے پاس بھیجی تاکہ اس مدعی نبوت کی غرض معلوم ہو جائے سفارت نے پیغام مسیلمہ کا اُسکے پاس پہنچایا۔ سجاح نے جواب دیا مجھے وحی الٰہی ہوئی ہے کہ میں تمہارے ساتھ جدال وقتال کروں بس سوا اسکے میری کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی قاصد واپس چلے آئے مسیلمہ جسنے دعوی نبوت کیا تھا ایک چالاک شخص تھا وہ جانتا تھا اگر مینے اس عورت سے لڑکے اپنی قوت زایل کر دی تو پھر مسلمان آسانی سے مجھے ہڑپ کر جائینگے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس عورت نے مثل میرے جھوٹا دعوی کیا ہے تو بھی اُسکے ساتھ صلح کر لینا ہر طرح سے بہتر ہے۔ یہ خیال مسیلمہ کذاب کا بہت صحیح تھا اسنے ایک خط دیکے پھر دوبارہ سفارت کو روانہ کیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ نے نصف زمین تو قریش کے قبضہ میں دیدی اور نصف زمین کی مجھپر بخشش کرکے مجھے محمد کے ساتھ نبوت میں شریک بنا دیا ہے اب اگر تو انصاف سے کام لے

تو نصف قریش والی زمین کے حق کا عز و علا مجھے مالک بنا دے گا اور اب چونکہ تجھپر وحی نازل ہوتی ہے تیری فرمانبرداری کرنی لازم اور ضروری ہوئی جب میری سفارت تیرے پاس پہنچ جائے مجھے امید ہے کہ تو اپنے خواص کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تاکہ میں تیری شیریں کلامی سے محظوظ ہوں +

زان لب شیریں تکلم یک سخن گر بشنوم تا قیامت آن سخن در دربان من شود

جب یہ خط سجاح نے دیکھا بہت خوش ہوئی اور کہا تم لوگوں کی تعریف میں خدا نے ابھی مجھپر وحی نازل کی ہے تم وہ لوگ ہو جو شراب کو حرام کہتے ہو اور نیکو کاری جو کرتے ہو خدا اسکا تمہیں اجر عظیم دیگا۔ غرض مسیلمہ کذاب کی سفارت کامیاب ہوگئے۔ یمامہ چلی آئی اور سجاح کے مہربانی آمیز الفاظ سب بیان ہو ادیئے مسیلمہ کذاب نے کہا کہ بیشک وہ عورت مرسلہ ہے اور اس میں ہرگز شک نہیں رہا۔ تمہاری تعریف میں ایک وحی مجھپر بھی خداوند تعالیٰ نے نازل کی ہے تم ایسی ہی تعریف کے مستحق ہو ان دونوں میں صلح ہوگئی اور سجاح اپنے خاص خاص سرداروں کے ساتھ مسیلمہ سے ملنے آئی۔ کذاب نے اپنے قلعہ کے پاس ایک خیمہ نصب کرایا اور وہاں بڑے تپاک سے آکے سجاح سے ملا۔ سجاح نے اثناء گفتگو میں کہا اے مسیلمہ کیا خدا نے اسوقت کوئی وحی بھیجی ہے مسیلمہ نے جواب دیا ہاں۔ سجاح بولی وہ وحی کونسی ہے مسیلمہ نے فرضی وحی سنا دی اسمیں سجاح کی بہت تعریف تھی۔ یہ توصیفی جملے سنکے چالاک عورت بہت خوش ہوئی اور کہا بلاشک تو سچا پیغمبر ہے جب مسیلمہ نے اس عورت کا التفات اپنی طرف دیکھا تو چکنی چپڑی باتوں سے اُسے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے یہ کہا کہ ہم دونوں سچے پیغمبر ہیں مناسب ہے کہ میرا اور تیرا نکاح ہو جائے کمبخت عورت پہلے ہی سے مسیلمہ کو نازک اندام دیکھکے اُسپر فریفتہ ہو چکی تھی اور اوسکی ساری ہوشیاری اور فرضی نبوت خاک میں ملگئی تھی نکاح کا نام سنتے ہی راضی

ہوگئی۔ نکاح لفظ بھی ایک فرضی تھا۔ دونوں میں ناجائز تعلق ہوگیا اور خواص سجاح اپنا ساتھ لیکے واپس چلے آئے تین دن اور تین رات دونوں اسی خیمہ میں رہے اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے رہے چوتھے روز سجاح اپنی فوج میں چلی آئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ تین دن تک تو کہاں رہی سجاح نے کہا کہ میں نے مسیلمہ کے ساتھ نکاح کرلیا ہے کیونکہ ایک مرسلہ کے لئے مرسل کا ہونا مناسب ہے لوگوں نے کہا تیرا مہر کیا بندھا۔ سجاح نے جواب دیا کچھ بھی نہیں لوگوں نے طعنے دیئے اور کہا تو ابھی جا اور مہر ٹھیراکے آ بغیر مہر کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ وہ عورت شرمندہ شرمندہ واپس آئی۔ مسیلمہ نے دروازے بند کرادیئے اور آپ کوٹھے کی منڈیر پر چڑھکے بولا سجاح تو دوبارہ کیوں آئی۔ سجاح نے کہا مہر لینے آئی ہوں مسیلمہ نے کہا تیرے ساتھ کوئی موذن ہے عورت نے جواب دیا ہاں شبیث بن ربیع میرا موذن ہے۔ شبیث کو بلاکے کہا تو اپنی قوم میں منادی کردے کہ فجر اور عشا کی نماز تم لوگوں پر معاف کردی۔ یہ سنکے سجاح اپنے لشکرگاہ میں واپس چلی آئی اور اس نے اپنے مصاحبوں سے ساری کیفیت مہر کی بیان کردی۔ سجاح کی اس حرکت سے اُسکے سمجھدار معتقد بدظن ہوگئے اور آپس میں کہنے لگے ہم نے ناحق اس عورت کے جال میں پھنسکے اپنا دین و ایمان کھویا۔ یہ تو بڑی فاحشہ نکلی تین دن کمبخت مسیلمہ کے ساتھ رہکے آئی ہے اور اس نے اپنی عصمت اور عزت کا ذرا خیال نہیں کیا۔ اب کس منہ سے خالد کے آگے جائیں اور ہمیں کیونکر جرأت ہوسکتی ہے کہ اُسکی خدمت میں حاضر ہوکے اپنی خطاکاریوں کا اقرار کریں اور گزشتہ اعمال بد سے تائب ہوں +

با تو نشستن بکدام آبرو   در تو بریدن بچہ مردانگی

آخر قبایل عرب باہم مشورہ کرکرکے اُس سے متفرق ہونے لگے اور اُنہوں نے یکے بعد دیگرے اِدہر اُدہر کھسکنا شروع کیا یہانتک کہ صرف چند آدمی ملازم رہگئے اور ساری جمعیت ٹوٹ

کئی قبایل عرب کے شیوخ نے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں توبہ نامے بھیجے اور عفو تقصیر چاہا اور سب بطیب خاطر مسلمان ہو گئے۔ ساتھ ہی سجاح نے بھی اپنی نجات مسلمان ہونے میں ڈھونڈھی اور اس فساد عظیم کا اسطرح خاتمہ ہوا۔

مالک بن نویرہ کا قتل مالک بن نویرہ وہ رئیس تھا جو سجاح کے دام تزویر میں پھنس چکا تھا اور افتراق سجاح کے بعد موضع بطاح میں رہتا تھا حضرت ابوبکر صدیق نے جب خالد کو رخصت کیا ہے تو یہ ہدایت کر دی تھی کہ کسی قبیلہ یا موضع پر حملہ کرنے سے پہلے جاسوسوں کے ذریعہ سے یہ ضرور تحقیق کر لیا کرنا آیا یہاں اذان بھی دی جاتی ہے یا نہیں اگر اس موضع سے اذان کی آواز سنائی دے تو کبھی ادھر کا رخ نکرنا اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو وہاں کے رہنے والوں کو دعوت اسلام کرنا اگر وہ مسلمان ہو جائیں فبہا نہ مسلمان ہوں تو جزیہ کی درخواست کرنا جزیہ بھی نہ دیں تو ان سے جنگ کرنا۔ خالد نے حضرت صدیق اکبر کی ہدایت پر عمل کر کے چاروں طرف جاسوس بھیج دیئے جب خالد موضع بطاح پر پہنچے تو چند جاسوسوں نے تو یہ بیان کیا ہم نے اذان کی آواز سنی اور چند نے حلفیہ اسبات کی شہادت دی کہ ہم نے کئی روز میں ایک وقت کی بھی اذان نہیں سنی سابق الذکر شہادت دینے والوں میں ابو قتادہ انصاری بھی تھے جنہوں نے باصرار خالد کو یقین دلایا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے موضع بطاح میں اذان سنی۔ مگر ان متضاد بیانوں سے خالد کو اطمینان نہیں ہوا خالد بن نویرہ سے خود ملنے گیا کہ اسبات کی پوری تحقیق ہو جائے آیا مالک مسلمان ہے یا نہیں۔ ملاقات ہونے کے بعد اثنائے گفتگو میں مالک بن نویرہ جب سرور عالم حضرت رسالت پناہی کا ذکر کرتا تھا تو ان حقارت انگیز الفاظ میں حضور انور کی طرف اشارہ کرتا تھا قال رجلکم کذا یہ سنکے خالد کو

سخت غصہ آیا اور نہایت درشت لہجہ میں کہا اے کتے یہ تو کیا بکتا ہے پیغمبر ہمارا امر دہا تیرا نہیں تھا یہ کہکے اپنے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اُنہوں نے مالک کی گردن اُتار لی ✦

قتل کی دوسری روایت

بعض تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ جنگ کے بعد مالک بن نویرہ گرفتار ہوکے آیا تو خالد نے ایک محفوظ مقام میں کل قیدیوں کے ساتھ نویرہ کو بھی نظر بند کر دیا شام کو جب سردی زیادہ ہوئی تو خالد کو اسیران جنگ پر رحم آگیا کہ شب کو یہ سردی میں نہ اکڑ جائیں خالد نے حکم دیا کہ ایک شخص جاکے یہ پکار آئے کلمہ اذا اراد اللہ شیئا ھییا اصابہ پکارنے والے نے ان الفاظ کو دوسرے پیرایہ میں پکارا جسکے معنے بنی کنانہ کے محاورہ میں یہ ہوتے تھے کہ اسیران جنگ کو قتل کر ڈالو اتفاق سے اُسوقت بنی کنانہ پہرہ پر تھے اُنہوں نے آنکھ بند کرکے سبکو قتل کر دیا۔ جوں ہی خالد کو اس افسوسناک واقعہ کی خبر ہوئی اُسکی زبان سے بیساختہ یہ نکل گیا اذا اراد اللہ امرا اصابہ مالک کے قتل کے بعد خالد نے اسکی بیوہ سے خود نکاح کر لیا ✦

اصل واقعہ تو صرف اسقدر ہے لیکن سنی شیعوں میں خاص اس حادثہ قتل اور نکاح کی نسبت وہ وہ ردوبدل ہوئے ہیں کہ کتابوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں ہم اُن اعتراضات اور جوابات کو قلم انداز کرکے اصل واقعہ پر بحث کرتے ہیں۔ اسمیں ہرگز شبہ نہیں کہ مالک بن نویرہ مسلمان نہیں تھا کیونکہ جھوٹی مرسلہ سجاح کا مرید ہونا اور اسلام سے روگردانی کرنا مالک کا عیاں ہوچکا ہے۔ تاریخ میں اسکا کہیں پتہ نہیں لگتا کہ مثل سجاح کے مالک نے بھی بعدازاں اپنے ارتداد سے توبہ کی ہو رہا ابوقتادہ انصاری کا یہ شہادت دینا کہ میں نے اُس قبیلہ میں اذاں ہوتی ہوئی سُنی اس امر کی کافی دلیل نہیں ہوسکتا کہ مالک

مسلمان تھا۔ اُن کی یہ شہادت ضرور سچی ہوگی لیکن یہ ایسی شہادت ہے جس سے اصل مطلب کا پتہ نہیں لگتا جب اُس کا مسلمان ہونا کسی صورت سے ثابت نہیں ہو سکتا پھر خالد کا اسکی بیوہ سے نکاح کرنا کیونکر قابل اعتراض بن سکتا ہے +

حضرت عمر کا اعتراض | جب اس واقعہ کی خبر مدینہ منورہ میں پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خالد پر صرف اسلئے زیادہ غصہ آیا کہ اُس نے ابو قتادہ انصاری کی شہادت کو کیوں نہیں تسلیم کیا چنانچہ حضرت صدیق کے پاس آئے اور کہا کہ خالد نے یہ فعل کیا ہے اور ابو قتادہ انصاری کی شہادت کو مسترد کرکے مالک بن نویرہ کو قتل کرڈالا اس پر ابو قتادہ نے قسم کھائی ہے کہ آئندہ سے خالد کے ماتحت ہوکے کبھی کام نہ کروں گا مناسب یہی ہے کہ خالد کو سپاہ سالاری کے عہدہ سے معزول کردیا جائے حضرت صدیق اکبر نے انکار کیا کہ یہ کبھی نہ ہوگا جس کی تلوار کافروں کے مقابلہ میں کھلی ہوئی ہو اور اسلام کی فتوحات کر رہا ہو اُسے میں موقوف کردوں حضرت عمر نے باصرار کہا کہ خالد سپاہ سالاری کے قابل نہیں ہے اُسے آپ ضرور معزول کردیں اُس نے بڑا جرم کیا ہے جب حضرت صدیق اکبر زیادہ مجبور ہوئے تو خالد کو ایک قاصد کے ہاتھ بلا بھیجا کہ مدینہ حاضر ہو۔ چنانچہ خالد حکمنامہ خلیفہ دیکھتے ہی بھاگم بھاگ مدینہ پہنچا۔ جب خالد مسجد نبوی میں پہنچا حضرت عمر نے غصہ میں اُسکی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا مسلمان کو قتل کرکے اُسکی بیوہ سے تو نے نکاح کرلیا خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کروں گا اور ہرگز تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ خالد نے حضرت عمر کی اس درشت کلامی کا مطلق جواب نہ دیا۔ حضرت عمر اُسے پکڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس لائے۔ حضرت صدیق نے کیفیت دریافت کی خالد نے کہا آپ عمر کو باہر کردیں تو میں مفصل کیفیت بیان کردوں حضرت صدیق نے فوراً حکم دیا عمر باہر چلے جاؤ اللہ اکبر

کیا تو وہ غصہ تھا یا یہ اطاعت کہ گردن جھکا کے آپ سیدھے باہر چلے آئے اور ہوں تک نہیں کی جب خالد اور حضرت صدیق تنہا ہوئے تو خالد نے کہا یا خلیفہ رسول اللہ آپ کو یاد ہوگا کہ مجھے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کہا ہے پھر بھلا آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ سیف اللہ سوائے کافر کی گردن کے مومن کی گردن پر کیوں چلنے لگی یہ سنکی حضرت ابو بکر نے کہا فادجع من فوزات الی عملات خالد بہت خوش ہوئے اور شادان و فرحاں مسکراتے ہوئے باہر چلے آئے حضرت عمر رستہ میں بیٹھے ہوئے انتظار ہی کر رہے تھے کہ دیکھئے کیا فیصلہ ہوتا ہے اور خالد کو کیا سزا دی جاتی ہے لیکن جب خوشی کی صورت میں خالد کو دیکھا تو آپ سمجھ گئے خالد بچکے نکل آیا اور پھر آپنے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں کہا +

حضرت عمر کا خیال حضرت عمر کا خیال بالکل صحیح تھا آپ سے ابو قتادہ نے قسم کھا کے کہا تھا کہ میں نے خود گروہ مالک میں اذان کی آواز سنی اور خالد نے میری شہادت کو بلا وجہ تسلیم نہیں کیا چونکہ آپ میں جوش اسلام بہت تھا اور آپ غصیلے بھی بہت تھے ابو قتادہ کی گواہی پر بھڑک اٹھے اور خالد کو اس جرم میں سزا دینی چاہی۔ مگر ابھی تک معاملہ طے نہیں ہوا تھا۔ خالد کی صورت دیکھکے آپ کو ضرور غصہ ہوتا تھا اور یہ بھی کہنا زیبا تھا کہ تو نے ایک مسلمان کو قتل کر کے اسکی بیوہ سے نکاح کیا ہے تجھے سنگسار کرنا چاہیئے ان تمام جوشیلی باتوں اور دھمکیوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عمر کو خالد کے مجرم ہونے کا کامل یقین تھا آپ نے حضرت ابو بکر پر اسی بات کا زور دیا تھا کہ خالد کو معزول کر کے اس امر کی تحقیقات کرنی چاہیئے مگر جب مطلع صاف ہو گیا تو حضرت عمر نے سوائے نیچی گردن کر لینے کے اور کچھ نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابتدائی زیادتی سے آپ نادم تھے۔ اگر آپ اسے مجرم سمجھتے تو ضرور اپنے زمانہ خلافت میں اُسے سنگسار کراتے مگر آپنے ایسا نہیں کیا۔ +

اگر شیعی روایتوں کے بموجب ہم مالک بن نویرہ کو مسلمان تسلیم کر لیں تو پھر یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا خالد جیسا جو شیلا مسلمان سپاہ سالار صرف ایک حسینہ عورت کے لئے اسقدر قتل و غارت کر سکتا تھا اور اگر یہ بھی مان لیں کہ اُسنے مالک کی بیوہ کے لئے یہ سارا جدال و قتال کیا تو پھر اُن ہزار ہا صحابہ رسول کریم پر حرف آتا ہے جو خالد کی ماتحتی میں جنگ کر رہے تھے جسطرح ابو قتادہ انصاری نے خالد کی ماتحتی میں کام کرنے سے قسم کھالی تھی دوسرے صحابہ جو اس سے بھی زیادہ جلیل القدر تھے ایسا کیوں نہیں کیا حالانکہ خالد کا اونپر کچھ دباؤ نہیں تھا جسطرح وہ ابو قتادہ کا کچھ نہ کر سکا انکا بھی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ مگر کسی نے ہوں تک نہیں کی سب نے خالد کو اپنا سردار تسلیم کیا اور نہ کوئی شکایت حضرت ابو بکر کے پاس بھیجی کہ خالد نے یہ حرکت کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد کی یہ کارروائی منصفانہ تھی اور کسی کو اعتراض کرنیکی گنجایش نہ تھی۔ نہ کسی تاریخ میں مالک بن نویرہ کی بیوی کی کوئی شکایت درج ہے اگر وہ مظلوم ہوتی اور اُسکا خاوند اسلام کی حالت میں قتل ہوتا تو وہ ضرور خالد کے خلاف خلافت کبریٰ میں دعویٰ دائر کرتی اور اُس سے قصاص چاہتی۔ مگر ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہوئی پھر کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ مالک ناحق مارا گیا۔

مسیلمہ کذاب کا قتل | جب خالد بن الولید الزام سے بری ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق نے حکم دیا کہ فوراً یمامہ پر چڑھائی کر کے مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی جائے۔ خالد خلیفہ کے احکام لیکے روانہ ہوئے اور بہت پھرتی سے اپنے لشکر میں پہنچے اور ہر قسم کا سامان حرب اور رسد و باربرداری وغیرہ جمع کر کے اس صورت سے لشکر کی ترتیب دی۔ انصار کو علیحدہ کیا اور اُن کی فوج کی کمان ثابت بن قیس کو سپرد کی اور مہاجر کا کمان افسر ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ و زید بن الخطاب کو بنایا اور حکم دیدیا کہ ان کمان افسروں کی خلاف ورزی نہو

اور ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کیا جائے آپ کل فوج کا سپہ سالار بنا اور یمامہ کی طرف اپنے گھوڑے کی باگیں اٹھایئے اور موضع ایاض کو اپنا لشکرگاہ بنایا کیونکہ یہ موضع یمامہ پر حملہ کرنے کی جان تھا۔ اسی اثنا میں خالد کی فوج بدرقہ نے ایک جماعت کو گرفتار کیا جو گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں لئے ہوئے سو رہی تھی یہ جماعت کی جماعت گرفتار ہو کے خالد کے پاس آئی۔ خالد نے اُن سے سوالات کیئے تو معلوم ہوا کہ وہ مسیلمہ کذاب کے معتقدوں میں تھے خالد نے دعوت اسلام کی لیکن اُنہوں نے قبول نہیں کی سب کو قتل کا حکم دیا گیا۔ جب ساریہ بن عامر و مجاعہ بن مرارت کی نوبت آئی تو ساریہ نے کہا اے خالد تو انہیں قتل نہ کر یہ تیری آیندہ بڑی امداد کرینگے کیونکہ یہ مسیلمہ کے خاص مصاحبوں میں ہیں اور انہیں کل حالات اچھی طرح معلوم ہیں خالد نے اُنہیں فوراً چھوڑ دیا لیکن اپنی فوج کی نگرانی میں سپرد کر دیا۔

اسوقت مسیلمہ کی حالت بہت ہی اچھی تھی۔ جمعیت کے زیادہ ہونے سے وہ بہت قوی بن گیا تھا۔ اس کی عجیب کیفیت ہے جس صورت سے اس نے قوت حاصل کی وہ بہت ہی دلچسپ ہے ایک شخص نہار الرجال نامی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کے مشرف باسلام ہو گیا تھا جب وہ یمامہ آیا تو مسیلمہ کذاب کا معتقد بنگیا اور اسلام سے اُس نے روگردانی کی اور بنی حنفیہ کے بھرے مجمع میں لوگوں کو دہوکا دینے کے لیئے یہ بیان کیا کہ مجھسے خود محمد عربی نے کہا کہ نبوت میں مسیلمہ میرا شریک ہے۔ یہ سنتے ہی حنفیہ مسیلمہ پر ایمان لے آئے کہتے ہیں جب خالد نے یمامہ پر چڑہائی کی ہے تو مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار فوج تھی۔

ایک دن مسیلمہ کے خاص مصاحب نے جو اُس کے بہت سے راز جانتا تھا یہ دریافت کیا کہ سچ بتا یہ کیا بات ہے آیا تو درحقیقت نبوت میں محمدؐ کا سہیم ہے یا نہیں مسیلمہ نے کہا اصل پوچھتا

ہی تو بات یہ ہے کہ ایک اندھیری رات کو ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے یہ کہا "اشہد انک کاذب وان محمداً صادق" میں ہرگز نبی نہیں ہوں لیکن یہ جاہ و ثروت جو میں نے پیدا کی ہے بغیر دعویٰ نبوت کے ممکن نہ تھی۔

معتبر تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب سجاح کا خاتمہ ہو گیا اور خالد کو اسکے فکر سے فرصت ملی تو اس بہادر سپاہ سالار نے بنی تمیم کی سرزمین پر موضع بطاح میں اپنی فوج ڈالدی اور حضرت ابوبکرؓ کو مفصل کیفیت لکھ کے بھیجدی اور مزید احکامات کا منتظر رہا۔ اس عرصہ میں مسیلمہ کی قوت بڑھتی گئی اور وہ نہار الرجال اور محکم بن الطفیل کی جھوٹی شہادتوں سے زور پکڑتا گیا جب خالد کے حملہ اور یلغار کی خبر اُسے معلوم ہوئی تو اس نے محکم بن الطفیل اور بڑے بڑے ملکی سرداروں کو بلا کے کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ خالد لشکر جرار لیکے تمہارے ملک کو زیر و زبر کرنا چاہتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ بالکل برباد کر دے۔ تمہیں جان توڑ کے جنگ کرنی پڑے گی اگر تم قدم جما کے لڑے تو خالد کو مار لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ عیان یمامہ نے کہا اے پیغمبر تو غم نہ کھا ہم جان ہتیلی پر رکھکے میدان جنگ میں جائینگے اور خالد کو مزا چکھا دینگے کیا تو وہ اسی میدان میں کھیت رہا اور یا مدینہ بھاگ کے چلا گیا۔ تو دیکھیو ہم کیا کرتے ہیں اور کیا جوہر شجاعت دکھاتے ہیں۔ محکم بن الطفیل نے اعیان یمامہ کا دل بڑھانے کیلئے ان کی حوصلہ مندی کی ان الفاظ میں تعریف کی "احسنتم نعم الرجال انتم"

خالد نے سب سے پہلے بیس آدمی بطور فوج بدرقہ دیار مسیلمہ میں بھیجے اور حکم دیدیا کہ یمامہ کا جو شخص ملے اسے گرفتار کر لاؤ۔ یہ چھوٹی سی فوج بدرقہ روانہ ہوئی تھوڑی دور جانے نہ پائی تھی کہ چند آدمی رستہ میں ملے۔ ان آدمیوں میں ایک شخص مجاعہ بن امران تھا اور دوسرا یارہ بن عامر تھا۔ یہ دونوں سرداران یمامہ میں سے تھے مسلمانوں کی جماعت نے پوچھا تم

تمہیں ہرگز نہیں چھوڑنے کے اُنہوں نے نکل جانے کی بہتیری کوشش کی لیکن جماعت اسلام نے اُنہیں گرفتار کر کے خالد کے حضور میں حاضر کیا خالد نے دریافت کیا تمہارا اعتقاد کیا ہے سب آدمیوں نے کہا کہ ہماری طرف سے مجاعہ جواب دے گا جو کچھ دریافت کرنا ہے اس سے دریافت کرو۔ خالد نے مجاعہ سے خطاب کیا مجاعہ نے جواب دیا میں اور ساریہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں مدینہ گئے تھے اور حضور انور کا شرف ملازمت حاصل کر کے مشرف باسلام ہو گئے تھے جب ہم یمامہ واپس آئے تو یہاں ہم نے مسیلمہ کذاب کا زور دیکھا محض اس خیال سے کہ یہ ہمارے اہل و عیال اور جایداد منقولہ و غیر منقولہ کو برباد کر دے گا ظاہر طور پر اُسکے معتقد ہو گئے ورنہ ہم اصل میں اُسے کذاب اور گمراہ جانتے ہیں۔ اسکے بعد ساریہ نے کہا اے امیر (خالد) اگر تو یمامہ پر قبضہ کرنا اور مسیلمہ کا قلع قمع چاہتا ہے تو ہمیں قتل نہ کر ہم آگے چلکے تیری بہت امداد کرینگے۔ خالد نے اُنہیں فوج کی حفاظت میں دیکے باقی گمراہوں کو قتل کر دیا۔ اور فوج کو روانگی کا حکم دیدیا +

خالد بڑھتے بڑھتے موضع عقربا نامی پر پہنچا۔ اور اس موضع پر قبضہ کر کے اپنی فوجیں فنون حرب کے مطابق ڈالدیں یہ مقام جنگ کی جان تھا اور بالکل مسیلمہ کے حصار کے دامن میں واقع تھا اور یہاں سے خاطر خواہ حصار پر حملہ ہو سکتا تھا۔ گویا اسکو یمامہ کی کنجی سمجھنا چاہیے مسیلمہ بھی اپنی فوج سے تیار تھا اُس نے حصار میں محصور ہو کے جنگ کرنی بہتر نہ سمجھی اپنی فوجوں کو باہر نکال لایا اور خالد کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنی تمام فوجوں کی ترتیب نہایت خوش اسلوبی سے کر کے اور میمنہ و میسرہ کو درست کر کے اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ جن پر اُسے بہت بڑا اعتماد تھا قلب لشکر میں قیام کیا +

خالد نظر غور سے مسیلمہ کی ترتیب فوج اور آمادگی کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بھی اپنی فوج

فوج کو آراستہ کرنا شروع کیا۔ زید بن الخطاب کو میمنہ میں بھیجا اور زید بن الحارث کو میسرہ میں نامزد کیا۔ دونوں فوجیں آگے بڑھیں اور تلواروں پر ہاتھ پڑے۔ سب سے پہلے مخالف طرف کا ایک شخص نہاد نامی زید بن الخطاب کے ہاتھ سے مارا گیا کیونکہ اس نے میمنہ پر بڑی بیجگری سے حملہ کیا تھا۔ لیکن اکثر مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے میدان جنگ میں اسلام کا بہادر سپہ سالار خالد بن الولید گھوڑا کداتا ہوا نکلا تھا۔ اور سب سے پہلے سیف اللہ نے رجزیہ اشعار پڑھ کے مخالفین پر حملہ کیا تھا۔ جو شخص آیا وہ خالد کی تیغ ابدار کی نذر ہوا اور بالآخر یہ بے نظیر شجاع فتح پا کے پھر اپنی جگہ پر آ کھڑا ہوا۔ طبری کا بھی یہی قول ہے کہ خالد نے سب سے پہلے اپنی لاثانی شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ پھر اسلامی لشکر میں سے عمار بن یاسر آیا بڑے زور و شور سے رجز پڑھی اور مخالفوں کی کثیر تعداد کو خاک و خون میں لتھیڑ کے بفتح و ظفر مراجعت کی ابھی اپنی جگہ پر نہ پہنچا تھا کہ مخالفین میں سے ایک شخص نے آواز دی جاتا کہاں ہے کھڑا رہ عمار بن یاسر واپس پھرا یامی نے وار کیا کہ عمار کا کاسہ سر اڑ گیا اور خون شر شر بہنے لگا تو بھی بہادر عمار نے اسی مجروحی حالت میں پلٹ کے ایک ایسا ہاتھ تلوار کا دیا کہ یامی کی گردن اڑ گئی۔ پھر لشکر اسلام کی طرف سے حارث بن ہشام المخزومی صف میں سے نکل کے میدان میں آئے اور اسیطرح رجزیہ اشعار پڑھ کے میمنہ پر گر پڑے اور چند یامیوں کو تہ تیغ کر کے بفتح و ظفر واپس چلے آئے۔

زید الخطاب کی بہادری بھی تعریف کے قابل ہے جنہوں نے بادیگرے پانچ آدمیوں کو قتل کر کے سخت مجروح ہو گئے اور خون آپکے جسم سے اسقدر بہا کہ عین میدان میں شہید ہو گئے اسلام کا علم بردار سالم مولی ابو حذیفہ بھی اسی روز شہید ہوا۔ اسیطرح اور بھی کئی شجاعان اسلام مارے گئے مسیلمہ کی فوجوں کی تعداد مسلمانوں سے کئی درجہ زیادہ تھی دوسرے بنی حنیفہ

کے لوگ بڑے بہادر مشہور تھے مسیلمہ نے اپنی کثرت تعداد پر بھروسہ کرکے یکبارگی حملہ کا حکم دیدیا حکم ہوتے ہی بجلی کی طرح دشمن اسلامی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ بڑی بھاری خونریزی ہوئی تین سو صحابہ رسول مقتول شہید ہوئے ظہور اسلام سے اسوقت تک یہ پہلی جنگ ہے کہ جس میں تین سو صحابہ شہید ہوئے ہوں دشمن مسلمانوں کی صفیں چیرتا ہوا سیدھا خالد کے ڈیرہ کے پاس پہنچا۔ مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگیا اور اُن کے قدم اکھڑ گئے۔ مخالف خیمہ میں گھس آئے اور چاہا کہ مالک بن نویرہ کی بیوہ کو جو خالد کے نکاح میں آچکی تھی گرفتار کرلیں۔ اتفاق سے مجاعہ یمامہ کا سردار اسی خیمہ میں نظر بند تھا اس نے منع کردیا۔ خبردار اس نیک بخت عورت کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس نے مجھ پر طرح طرح کی مہربانیاں کی ہیں اور بڑی خاطر داری سے پیش آتی رہی ہے۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھکر خالد دل شکستہ نہوا اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ دشمن پر گر پڑا خوب ہی گھمسان کی لڑائی ہوئی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا اخیر شام ہوگئی اور دونوں فوجوں نے اپنے اپنے خیموں میں قیام کیا۔ علی الصباح پھر طرفین کی صفیں آراستہ ہوئیں غنیم کی فوج میں سے سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ میں آیا وہ سپاہ سالار یمامہ تھا۔ اس کا نام محکم بن الطفیل تھا اس نے مسلمانوں کے قریب آکے رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کئے اور مسیلمہ کی بے انتہا تعریف کرنے لگا۔ ثابت بن قیس انصاری اُسکے مقابلہ میں آئے باہم نیزے اور تلواریں چلیں اخیر محکم مارا گیا۔ بعض مورخوں کا یہ قول ہے کہ مالک یا عبدالرحمن بن ابو بکر نے محکم کو میدان جنگ میں تہ تیغ کیا تھا۔ ثابت نے محکم کے قتل کرنے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ دشمن کی صفوں پر جا پڑے اور اخیر دو دو ہاتھ لڑکے شہید ہوگئے۔ آپکے شہید ہونے کے بعد بن ثابت العوام

بہادر زبیر گھوڑا کداتے ہوئے میدان جنگ میں آئے لیکن آپ کا کام دشمن کے ایک بھالے سے تمام ہو گیا پھر مسلمانوں کی صفوں سے براء ابن عازب شمشیر برہنہ لیکے نکلے۔ آپ نے بڑی کامیابی حاصل کی اور متعدد جنگجوؤں کو قتل کرکے پھر اپنی جگہ پر آگئے۔ دشمن نے جب یہ دیکھا کہ تنہا جنگ میں کامیابی محال ہے تو اُس نے یکلخت ہلہ کر دیا اور اب ایک عام جنگ کل صفوں میں چھڑ گئی۔ بڑی دیر تک سخت سخت لڑائی ہوتی رہی۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اُن کے قدم اُکھڑ گئے۔ جب خالد نے یہ صورت دیکھی زور سے غل مچاکے کہا۔ اے مسلمانو خدا سے ڈرو اور روز جزا کا خوف کھاؤ۔ بڑی شرم کی بات ہے تم ابوبکر کو جاکے کیا مونہ دکھاؤگے میں تمہیں کبھی التفات کی نظر سے نہیں دیکھنے کا۔ تعجب ہے کہ تم مسلمان ہو کے دشمنوں کے آگے سے بھاگتے ہو۔ یہ سنکے مسلمانوں کو جرأت ہوئی وہ بڑے جوش سے پس پا ہوتے ہوتے پھر حملہ آور ہوئے۔ ایک خونریز جنگ ہوئی۔ عبد الرحمن بن ابی بکر اسی میں شہید ہوئے۔ کشتوں کی تعداد اندازہ سے زیادہ ہو گئی ایک ہزار کے قریب مخالفین مارے گئے۔ خالد نے چند سپاہیوں کے ساتھ مسیلمہ پر حملہ کیا اور بڑی دقت سے اُس تک پہنچے مسیلمہ بھی خوب لڑا مگر جانبر نہ ہو سکا اُس کا سر وہیں خاک و خون میں لتھڑا ہوا ملا۔ مسلمان ایسی لڑائی آج تک نہ لڑے تھے اور نہ اس مقام پر کبھی آدمیوں کا کھیت پڑا تھا چونکہ یہاں قتل و خونریزی بہت ہوئی تھی اسلئے اس موضع کا نام حدیقۃ الموت پڑ گیا۔

مسیلمہ کی لاش کی تلاش

جب خالد کو کامل فتح ہو چکی تو مسیلمہ کی لاش تلاش کرنے کے لیے مجاعہ کو ساتھ لیکے نکلے۔ ایک گرانڈیل شخص نظر پڑا خالد نے کہا کیا یہی مسیلمہ ہے مجاعہ نے کہا نہیں یہ محکم بن الطفیل سپاہ سالار یمامہ ہے۔ پھر آگے بڑھکے ایک شخص پر نظر پڑی جو زرد رو، نازک اندام اور لاغر چہرہ تھا مجاعہ نے دیکھتے ہی کہا یہی مسیلمہ ہے جس نے نہ اپنا بھلا کیا اور

نہ ہارا۔ خالد نے کہا افسوس ہے تم لوگوں پر کہ اس حقیر شخص کے لئے تم نے دین محمدی سے روگردانی کی۔ مجاعہ نے کہا یا ایہا الامیر مصلحت یہی ہے کہ اب بنی حنیفہ سے مصالحت کریں یہ سنکے خالد پس و پیش کرنے لگے۔ پھر مجاعہ نے کہا آپ پس و پیش نہ کیجئے قلعہ میں ہزارہا جنگ جو بھرے ہوئے ہیں اگر جنگ چھڑ گئی تو بڑی دقت ہوگی۔ خالد نے بھی مصالحت کرنی مناسب جانی مجاعہ نے قلعہ کی دیواروں پر سب اہل قلعہ کو بلایا اور تمام فراز و نشیب سمجھا کے اُنہیں صلح پر آمادہ کیا ❊

صلح کی شرطیں | معاہدہ میں یہ شرطیں کی گئیں کہ کل زر و سیم و اسلحہ اور ۱/۲ مویشی اور نصف خادم خالد کے سپرد کئے جائیں اور خالد بغیر قبضہ یہاں سے چلا جائے۔ خالد نے ان شرطوں پر صلح کرنی منظور کی۔ مجاعہ قلعہ میں گیا اور پھر خالد کے پاس آیا کہ اہل قلعہ ۱/۴ دینے پر رضامند ہیں اگر آپ منظور کرتے ہیں تو صلح ہوتی ہے ورنہ آپ کو اختیار ہے خالد نے بالآخر اسی پر اکتفا کیا۔ جب عہدنامہ ہو چکا تو قلعہ کے دروازے کھولدیئے گئے خالد معہ فوج قلعہ میں داخل ہوا دیکھا کہ سوائے بچوں اور عورتوں کے اور کوئی شخص نہیں ہے۔ یہ دیکھکے مجاعہ پر بڑا غصہ آیا خالد نے للکار کے کہا تو نے مجھسے جھوٹ بولا کہ قلعہ میں ہزاروں جنگجو بھرے پڑے ہیں۔ مجاعہ نے کہا جنگجو کہاں رکھے ہیں سب اسی میدان میں قتل ہو گئے ہیں نے تو بقیۃ السیف کے بچانے کے لئے یہ ترکیب کی تھی۔ ❊

یہ فتح مسلمانوں کو بہت بڑی فائدہ مند ہوئی اس سے مسلمانوں کے قدم جمگئے اور اب اُن میں ایک شوکت پیدا ہوگئی۔ مخالفوں کے دلوں میں ہیبت بیٹھگئی اور یہاں سے انکی ترقی فتوحات کا زمانہ شروع ہوا

حضرت ابوبکر صدیق کی وفات

دو سال اور تین مہینے خلافت کرنے کے بعد ابوبکر صدیق مریض ہو گئے ۱۳ھ مرض میں

آپنے حکم دیدیا تھا کہ میرے بجائے عمر نماز پڑہائیں جب مرض کی بہت شدت ہو گئی اور آپ کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو آپنے ایک تحریر حضرت عمر کی خلافت کے بارے میں لکھدی اور حکم دیا کہ لوگوں میں یہ تحریر پڑھکے سنا دیجائے چنانچہ وہ شخص نوشتہ لیکے مسجد میں آیا اور مسلمانوں کو جمع کرکے سنا دیا۔ اُسکا مضمون یہ تھا کہ میں نے عمر کو تمہارا والی کیا ہی تم اُسکی اطاعت کرنا۔ باستثنا چند سب نے یکزبان ہوکے کہا "سمعنا و اطعنا" لیکن چند آدمیوں نے کچھ ہوں ہاں کی اُن میں سے طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا مینے سنا ہی کہ تو عمر کو اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہتا ہی اور تجھے اُسکے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے حضرت ابوبکر نے جواب دیا شاید تو عمر کو خلافت کے قابل نہیں جانتا حالانکہ مینے سوچ سمجھکے اُسے خلافت دی ہی وہ خلافت کے لائق ہی۔ طلحہ نے جواب دیا عمر تند مزاج اور غصیلہ ہے تو خود دیکھ چکا ہی کہ اُسکے غصہ اور درشتی سے لوگوں نے تیری ہی آنکھوں کے سامنے کیا کیا صدمے اور نقصان اُٹھائے ہیں۔ خدانخواستہ اگر تو نے وفات پائی اور ہم تیری صورت سے محروم ہوگئے تو پھر ہمیں دیکھئے روٹیاں بھی ملتی ہیں یا نہیں۔ خداوند تعالیٰ تجھسے سوال کریگا کہ تو رعایا کو کسکے سپرد کر آیا اور اُن کا کسے سردار بنا کے آیا ہی تو تو کیا جواب دیگا۔ یہ سنکے حضرت ابوبکر متغیر ہوگئے کچھ دیر تامل کرکے فرمایا اے طلحہ تو مجھے عذاب الٰہی سے ڈراتا اور موت سے اندیشہ مند کرتا ہی یاد رکھ جب میں اپنے اصلی وطن جاؤنگا اور بادشاہ لم یزلی مجھ سے سوال کریگا کہ میرے بندوں کو تو کس پر چھوڑ آیا تو میں عرض کرونگا کہ بہترین خلایق کو اُن کا خلیفہ بنا کے آیا ہوں اور اُنہیں ایسے شخص کے سپرد کرکے آیا ہوں جو آدمیوں میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسکے بعد آپنے دوات قلم مانگی اور حضرت عثمان سے کہا میرا وصیت نامہ لکھو

چنانچہ آپنے وہ وصیت نامہ تحریر کیا جسکا خلاصہ یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ابوبکر وصیت کرتا ہی اسوقت کہ دنیا میں اُسکا اخیر عہد ہی اور عقبےٰ میں اسکا سب سے پہلا عہد ہی کیونکہ وہ دار فنا سے دار بقا کا کوچ کرتا ہی کہ میں نے امت محمد پر عمر بن الخطاب کو خلیفہ کیا اگر وہ سالک طریق حق اور انصاف پسند ہوا اور اچھی خصلتیں رکھتا ہوا اور راستی شعار ہو تو فبہا اور جو ظالم ہوا اور اُس سے بداطواری پائی جائے اور مسلمانوں کو اُسکی خلافت میں تکلیفیں پہنچیں تم ہرگز اُسے خلیفہ نہ بنانا۔ پھر آپنے حضرت عمر کو بلاکے ہر طرح سے سمجھایا بجھایا اور نصیحت کی باتیں کیں جب حضرت عمر کو یہ معلوم ہوا کہ مجھے اسلئے بلایا ہی تو آپنے حضرت ابوبکر سے صاف کہا مجھے خلافت کی ضرورت نہیں ہے۔ اے خلیفہ رسول خلافت تجھ ہی جیسے شخص کو زیبا ہی۔ حضرت ابوبکر نے محبت آمیز باتیں کرکے حضرت عمر کو خلافت پر راضی کیا ✣

دوسری روایت | جب حضرت ابوبکر نے حضرت عثمان سے وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا تو آپنے یہ فرمایا کہ ابوبکر کے بعد خلیفہ ... پھر بیہوش ہوگئے حضرت عثمان نے کچھ توقف کے بعد خلیفہ کے آگے لفظ عمر لکھدیا جب حضرت ابوبکر کی آنکھ کھلی تو دریافت کیا تونے کیا لکھا حضرت عثمان نے کہا کہ عمر آپنے فرمایا کہ رحمک اللہ وجزاک اللہ خیرا اگر تو اپنا نام بھی لکھدیتا تو کیا مضایقہ تھا یہ سُنکے حضرت علی نے کہا کہ ہم عمر کے ہوتے دوسرے کو اپنا خلیفہ نہیں بناسکتے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علی کو دعا دی اور بہت تعریف کی۔ اور کہا اے علی ہم سب تیرے کارگزار ہیں اصلی سردار ہمارا تو ہی ہے ہم مثل ستاروں کے ہیں اور تو ہمارا بدر منیر ہی۔ پھر آپنے جمیع صحابہ کو بلاکے نصیحت کی کہ میں نے عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ ہرگز اُس کی مخالفت نہ کرنا

اور کبھی اسکی اطاعت سے جی نہ چرانا۔ طلحہ جسے خلافت کی خود بڑی خواہش تھی بولا اے ابوبکر یہ کام بہت بڑا ہے آپ کو سوچ سمجھکے اس کام کو کرنا چاہیئے ایسے امرِ عظیم کے فوری فیصلے نہیں ہوا کرتے۔ اسپر حضرت علی نے جواب دیا سن اے طلحہ سوائے عمر کے ہم کسی کی ہاتھ پہ بیعت نہیں کرسکتے خدا کی قسم اس بارگران کا تحمل سوائے اسکے اور کوئی نہیں کرسکتا پھر چند جملے حضرت عمر کی تعریف میں کہکے حضرت صدیق سے (حضرت علی نے) خطاب کیا اے خلیفہ رسول! سدا آپ کا پسندیدہ ہمارا پسندیدہ ہے آپ کی رضا کے ساتھ ہماری رضا ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ مدت الحیات احسن طریقہ سے تو نے زندگی بسر کی اور تو نے امت محمدی کو ہمیشہ مہربانی کی نظر سے دیکھا خدا تجھے اسکی جزائے خیر دے اور تیری مغفرت کرے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جب اصحاب اٹھکے چلے گئے تو ہم حجرہ میں آئے حضرت صدیق پر بیہوشی طاری تھی یہ دیکھکے شور ماتم برپا ہوا غل و شور سے حضرت صدیق نے آنکھیں کھولدیں اور اپنے بیٹے سے کہا باہر جاکے دیکھ دروازہ پر کون ہے اور یہ غل و شور کاہے کا ہے میرا بھائی باہر گیا پھر واپس آیا اور عرض کیا رسول خدا کے اصحاب باہر کھڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انہیں اندر آنے کی اجازت دیجائے حضرت صدیق نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا اے ابوبکر ہم نے سنا ہے کہ تو نے عمر کو خلافت پر مقرر کیا ہے حالانکہ وہ بہت تند خو ہے تو خدا کے ہاں جاکے کیا جواب دیگا کہ ایسے تند خو اور درشت مزاج شخص کو مسلمانوں کا سردار بنا تا ہے (حضرت عائشہ کا بیان ہے) حضرت صدیق یہ سنکے ایسے غصہ ہوئے کہ میں نے کبھی اُن کو ایسے غصہ میں نہیں دیکھا۔ کچھ دیر تامل کے بعد بولے تم مجھے غضب باری سے ڈراتے ہو اگر خداوند تعالیٰ مجھ سے سوال کریگا کہ حل و عقد امت کو تو کسے سونپ آیا ہے تو میں یہ جواب دونگا کہ بہترین مخلوق اور متقی کو میں تیرے رسول کی

اُمت پر نگراں کرکے آیا ہوں اور میں نے اس شخص کو متصدی امور خلافت بنایا ہے جو تیری رضا میں راضی ہے اور مخلوق کی خوشنودی کے لئے تیری خوشنودی سے ہرگز بے پرواہ نہیں ہوگا اسکے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کی توصیف و ثنا کی اور ان لوگوں کو سمجھایا آخر وہ سب رضامند ہو گئے اور وعدہ کیا کہ ہم آپ کی وصیت پر عمل کرینگے ✥

حضرت صدیق کا قرض جب مرض کی شدت زیادہ ہوئی تو حضرت صدیقؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو بلا کے کہا تیرا باپ چند درموں کا مقروض ہے کیا تو وہ درم ادا کرکے اسکو قرض سے خلاصی دلوائے گی یا نہیں حضرت عائشہؓ نے کہا میں ضرور اے باپ تیرا قرضہ ادا کردوں گی۔ پھر حضرت صدیقؓ نے فرمایا اے بیٹی موت قریب آگئی اور میری عمر کا ایک

وفات کی وصیت حصہ بھی باقی نہیں رہا جب میں مرجاؤں اور میری تجہیز و تکفین ہو جائے تو مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر لیجائیو اور دروازہ پر رکھکے باواز عرض کیجیو یا رسول اللہ ابو بکر دروازہ پر موجود ہے اور اجازت چاہتا ہے اگر اجازت ملجائے تو رسول خدا کی کروٹ میں مجھے دفن کر دیجو اگر اجازت نہ ملے تو بقیع میں مجھے دفن کر دیا جائے۔ اور اس وقت یہ کہا جائے "انا للہ وانا الیہ راجعون" یہ کلمات آپنے یکشنبہ کے روز فرمائے اور دوسرے روز دوشنبہ کو آپ کی وفات ہو گئی ✥

وفات جب حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر ہوئی کل صحابہ آٹھ آٹھ آنسو روہے تھے اور مدینہ ماتم کدہ بنگیا تھا غرض حسب وصیت آپکی تجہیز و تکفین کرکے روضہ مبارک کے دروازہ پر آپ کا جنازہ لیگئے اور اسیطرح پکار کے کہا یا رسول اللہ ابو بکر حاضر ہے اور اجازت چاہتا ہے فوراً آواز آئی کہ ابو بکر آئے اجازت ہے۔ اسکے بعد آپ کو حضور سرور دو عالم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا۔ قبر میں حضرت عمرؓ عثمانؓ اور طلحہؓ نے اتارا اور لحد سے

قبر کو سطح کر کے - اس پر پانی چھڑک دیا ۔

وفات کا سبب

جو سبب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ہوا وہی سبب حضرت صدیق اکبر کی وفات کا ہوا یعنے حضور انور کو یہودن نے زہر آلود گوشت کھلا دیا تھا - اور اسی زہر کا اثر تھا کہ آپ کو بخار چڑھا اور وفات ہوگئی اسیطرح یہودیوں نے حضرت صدیق کو بھی زہر کھلا دیا تھا اگرچہ بجلدی اس کا اثر نہیں ہوا لیکن بتدریج خون میں سرایت کرتا گیا اور اخیر آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔

اگر زہر بھی آپ کو نہ کھلایا جاتا تو بھی آپ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے وجہ یہ تھی کہ رسول کریم کی مفارقت کا صدمہ آپ کو بہت تھا اور آپ رقیق القلب اسقدر تھے کہ ہر وقت رویا کرتے تھے ذرا ذرا سی بات پر روتے روتے آپ کی ہچکی بندھ جاتی تھی مفارقت رسول کا یہ صدمہ کم نہ تھا سچ ہے عشق کی لذت وہی جانتا ہے جس کے دل پر چوٹ لگ چکی ہے

حضرت ابوبکر کا نسب اور بعض عادات و صفات

حضرت صدیق اکبر کا پورا نام یہ ہے ابی بکر عبداللہ بن عثمان ابو قحافہ - آپ قوم قریش میں سے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب حضور انور سے ملتا ہے حضور انور نے "عتیق" کا لفظ حضرت ابوبکر کی شان میں فرمایا تھا حضرت صدیق اکبر اول درجہ کے زاہد تھے اور امت محمد میں آپ سے زیادہ کوئی متواضع نہیں تھا - ایام خلافت میں آپ پشمین کپڑے پہنا کرتے تھے - اکثر آپ کی خدمت میں امرائے یمن زرق برق لباس پہنکے حاضر ہوتے تھے اور جب آپ کو اس سادہ لباس میں دیکھتے تھے تو فوراً آپ کی تقلید کرتے تھے اور پر تکلف کپڑے اتار ڈالتے تھے مثلاً ذوالکلاع حمیری جو ایک بہت بڑا سردار تھا حاضر خدمت ہوا تو لباس فاخرہ کے ساتھ قیمتی تاج سر پر رکھے ہوئے تھا جب اس نے حضرت صدیق کو اس لباس میں دیکھا اسقدر متاثر ہوا

کہ اپنے کپڑے اتار کے پھینک دیئے اور ایسے قیمتی تاج سے بھی دست بردار ہوا دوسرے ہی روز لوگوں نے مدینہ کی شاہراہوں میں اُسے بکری کا چمڑا کندھے پر ڈالے پھرتے ہوئے دیکھا۔ اِسکے ملازمین نے کہا اے سردار یہ تو نے کیا صورت بنائی ہے ہماری عزت تیری اب ہیئت سے خاک میں ملجائیگی اس نے جواب دیا کہ اسلام کے دائرہ میں آکے زمانہ جاہلیت کا تکلف ہرگز نہیں رہ سکتا میری حمیت اسلامی گوارا نہیں کرتی کہ میں اب جاہلیت کے تکلف میں مبتلا رہوں۔ سنو بغیر تواضع کے پروردگار کی طاعت درجہ تکمیل کو نہیں پہنچتی

حضرت علی کا قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صدیق کی بابت فرماتے ہیں بڑے بڑے اہم معاملات مختصر الفاظ میں بیان کر دیتے تھے اور مصالح جمہور کی تنظیم میں آپ اشرف بندگان میں سے تھے۔ کسی کی محنت آپ نے کبھی ضایع نہیں ہونے دی جلیس صادق اور اپنے موافق رسول کریم کے تھے جو کچھ آپکے پاس تھا سب حضور انور پر تصدق کر دیا تھا فضایل دینی خصائص ذاتی تھے اور ادراک معارف یقینی آپ کی صفات تھے۔ آپ کی تیغ حجت قاطع اور آپکا نور بصیرت ساطع تھا آپکا دلی کی وصمت سے بالکل مبرا تھے اور آپکا دل نفاق سے بالکل پاک تھا۔ احکام شریعت کے اجرا میں ضعیف قوی آپکے آگے برابر تھے۔ آپنے ایسی خلافت کی کہ کسی نے آپکے ساتھ کسی امر میں مخالفت نہیں کی جسوقت آپ کلام کرتے تھے لوگوں پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ آپ بہت ہی مختصر الفاظ میں اظہار بیان کرتے تھے لیکن آپکے الفاظ جامع ہوتے تھے۔ حضور انور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر اپنی گفتگو میں سوتی پروتا ہے اگر اس کا جسم ضعیف ہے لیکن خدا کے کام میں قوی ہے۔ اپنے نفس میں متواضع اور فروتن ہے لیکن خدا کے آگے بزرگ ہے کبھی کسی شخص نے اُسکی بدگوئی اور چغلی نہیں کھائی خدا کی قسم کہ واقعہ رسول کریم کے بعد اس سے زیادہ جانکاہ حادثہ مسلمانوں کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آپ کے اہل وعیال قتیلہ بنت عبد العزیٰ و اُمّ رومان دختر عامر بن عمیر ایام جاہلیت میں آپ کی بیویاں تھیں۔ عبد اللہ و اسماء ذات النطاقین قتیلہ سے پیدا ہوئے اور عبد الرحمٰن و عائشہ اُمّ رومان سے پیدا ہوئے۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو اسماء بنت عمیس سے نکاح کیا اور محمد بنت عمیس سے پیدا ہوئے۔ آپکے صاحبزادے محمد کی تعلیم و تربیت حضرت علی نے کی تھی بہت بڑے عبادت گزار تھے اور آپ کی عبادت یہانتک بڑھ گئی تھی کہ آپ کو عابد قریش کہنے لگے تھے ابو قحافہ حضرت ابوبکر کے والد کا انتقال جن کی عمر بانوے برس کی تھی حضرت عمر کی خلافت میں ہوا تھا۔+

آپکے عمال آپکے قاضی یا وزیر اعظم یا میر منشی عمر بن الخطاب تھے۔ آپکے کاتب عثمان بن عفان اور زید بن الحارث تھے۔ مکہ میں آپکے عامل عتاب بن اسید تھے فتح مکہ کے بعد حضور انور نے عتاب کو مکہ کا والی بنا دیا تھا حضرت صدیق نے بھی آپ کو اسیطرح والی بنائے رکھا جس روز حضرت صدیق کی وفات ہوئی ہے اسی روز عتاب کی بھی وفات ہوگئی طائف میں عثمان ابی العاص۔ صنعا میں مہاجر بن اُمیہ حضر موت میں زیاد بن لبید بحرین میں علا حضرمی نجران میں جریر بن اللہ البجلی۔ سواد عراق میں مثنیٰ بن حارث شام میں ابو عبیدہ بن الجراح و شرجیل بن حسنہ و یزید بن ابی سفیان یہ تینوں باوجودیکہ والی اور سردار تھے لیکن خالد کے تحت میں حکومت کرتے تھے +

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

مختصر واقعات زندگی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوانح عمری اُردو میں کئی لکھے جاچکے ہیں اسلئے تفصیل سے آپکے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مثل حضرت صدیق اکبر کے آپکے بھی مختصر طور پر کچھ چیدہ حالات بیان ہوں تاکہ خلافت شیخین کے پڑھنے والے کو دوسری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہی ؟

جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو آپنے فرمایا کہ ابوبکر کو رسول خدا کہتے تھے اگر میں خلیفہ رسول خدا کہلایا تو نام میں طول زیادہ ہوجائیگا صحابہ نے کہا پھر ہم اے عمر تجھے کس نام سے پکاریں کہا تم مومن ہو اور میں تمہارا امیر ہوں اس لحاظ سے تم مجھے امیر المومنین کے لفظ سے پکارا کرو

خالد کی معزولی خلیفہ بننے کے بعد پہلا کام حضرت عمر نے یہ کیا (بقول بعض مورخین عرب) کہ ایک خط امراء شام کو خالد کی معزولی کا لکھا اور ایک خط ابوعبیدہ بن الجراح کو تحریر کیا جسکا یہ مضمون تھا کہ جب تجھے میرا خط پہنچے تو فوراً سرداران فوج اور سپاہ کو جمع کر اور میری خلافت اور خالد کی معزولی کا بیان کردے شام میں بکثرت فوج پڑی ہوئی ہے اس میں سے جتنی فوج بیکار ہو یعنی کام میں نہ آتی ہو اُسے یہاں بھیجدے اور جو کام کے آدمی ہوں انہیں اپنے پاس رکھلے جس ایک شخص کا تو محتاج ہے وہ خالد ہی ہے اس سے حکمت عملی سے کام نکالیو شداد بن اوس حضرت عمر کا یہ خط لیکے شام پہنچا اور پایۂ تخت میں پہنچکے یہ دونوں خط ابوعبیدہ کو دیدیئے ابوعبیدہ نے ان دونوں خطوں کو چھپالیا اور اسیطرح خالد کی اطاعت کرتا رہا نماز بھی اُسکے پیچھے پڑھ لیتا تھا اُسے شرم آتی تھی کہ وہ کس منہ سے خالد کو اُسکی موقوفی اور اپنے کو اُسکی جگہ پر مقرر ہونیکی خبر

دیتا۔ آخیر یہ بہانڈا پھوٹا اور خالد کے کانوں میں یہ آوازیں پہنچیں خالد نے سنتے ہی کہا بھلا مجھ سے یہ خبر کیوں چھپائی گئی معلوم ہوتا ہے حضرت ابوبکر کی وفات ہو گئی اگر وہ زندہ ہوتے کبھی بھی معزولی کا پروانہ نہ آتا ؎

دوسری روایت بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ جب پہلا حکم ابو عبیدہ کے پاس پہنچا تو آپ نے محض شرم سے خالد کی معزولی مشہور نہ کی اور نہ خالد سے کچھ کہا لیکن حضرت عمر نے دو فرمان دوبارہ روانہ کئے ایک براہ راست خالد کے نام اور ایک ابو عبیدہ کے نام جب خالد نے اس فرمان کو دیکھا تو ابو عبیدہ سے متعجب ہو کے کہا تم نے پہلا حکم مجھے کیوں نہیں دکھایا میں فوراً اُسکی تعمیل کرتا اور اب بھی مجھے تعمیل کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب دیا وہ بات ہی کیا تھی جو میں تجھ سے کہتا کیوں کہ ارباب بصیرت کے امارت اور حکومت کی کچھ اصل نہیں ہے کہ دو بھائی آپس میں جھگڑا کریں اے خالد تو اس کا خیال نہ کر میں نے عملی طور پر تجھے کل سوار و پیادہ پر کمان افسر مقرر کیا ؎

تیسری روایت بعض مورخین کا یہ بیان ہے کہ خلیفہ ہوتے ہی حضرت عمر نے امیران شام کو لکھا کہ خالد کو مجلس میں بلا کے دریافت کرو کہ تو نے مالک بن نویرہ کا قتل حق کیا یا ناحق اگر وہ اسکو حق کیا تو فوراً بھرے مجمع میں اُسکی پگڑی اُتار لو اور اُسکا نصف مال ضبط کر لو اور اگر وہ اپنی خطا کا قایل ہو تو اُس سے کچھ تعرض نہ کرو حضرت فاروق کا یہ فرمان دیکھتے ہی سرداران شام نے خالد کو بلا کے یہ دونوں امر دریافت کئے خالد نے کہا میں کل سوچ کے جواب دونگا خالد نے گھر آ کے اپنی بیٹی فاطمہ سے جو اعلےٰ درجہ کی ہوشیار اور عقلمند تھی تذکرہ کیا اس نے کہا عمر کی یہ مرضی معلوم ہوئی ہے کہ جب تو اقرار کریگا تو تمیم بن نویرہ کو قصاص لینے کے لئے آمادہ کریگا کہ وہ اپنے بھائی کا قصاص تجھ سے لے۔ غرض خالد نے کل پہلوؤں

پر غور کرکے صاف انکار کردیا کہ میں نے مالک بن نویرہ کو ناحق قتل نہیں کیا تھا شاہی دربار نے خالد سے کچھ نہ کہا کیوں کہ فنون سپاہ سالاری میں سب اُسکے دست نگر تھے ۔

چوتھی روایت جب حضرت عمر نے شداد بن اوس کو فرمان دیکے بھیجا تو خالد میدان جنگ میں کام کر رہے تھے فرمان دیکھکے اپنی ترکش میں ڈال دیا اور ذرا بھی توجہ نہ کی کیوں کہ اسوقت آپ فوجوں کو لڑا رہے تھے اگر چند لمحے کے لئے بھی علیحدہ ہو جاتے تو سارے کام درہم برہم ہو جاتے اور مسلمان عام طور پر قتل کر دیئے جاتے لیکن جب آپ یہ مہم سر کر چکے تو اپنی سرداری کا چارج بخوشی ورغبت ابو عبیدہ بن الجراح کو دیدیا ۔

یہ ساری باتیں محض بے بنیاد اور تاریخی افواہیں ہیں جنہیں نفس واقعات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ۔ عام طور پر اسکا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے خالد کو معزول کر دیا تھا حالانکہ یہ بات غلط ہے ۔ بات یہ ہے کہ اسوقت صرف ایک ہی جنگی گورنر تھا جسے ملکی کام بھی سپرد تھے یعنی خالد ہی جنگ کرتا تھا خالد ہی مفتوحہ شہروں کا انتظام کرتا تھا اور خالد ہی معاہدے کیا کرتا تھا حضرت عمر کو یہ بات نامناسب معلوم ہوئی سپاہ سالار انتظام شہر نہیں کر سکتا ۔ اسوقت بہت سے شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تھے اور اُن کا انتظام کرنا ضروری تھا خالد کی اول تو سپاہیانہ طبیعت دوسرے اُس کو فرصت کہاں کہ مفتوحہ شہروں کو سنبھالتا ۔ چونکہ ابو عبیدہ ملکی خدمت کے لئے موزوں تھے حضرت عمر نے نہایت دانائی اور دور اندیشی سے عہدوں کی تقسیم کر دی ۔ خالد کو جنگی گورنر یا سپاہ سالار رہنے دیا اور ابو عبیدہ کو ملکی گورنر بنا دیا کہ خالد شہر پر شہر فتح کرتا جائے اور عبیدہ اُن کا انتظام کرتے جائیں اگر دونوں کام خالد ہی کرتے تو معاملات کی صورت بالکل بدلجاتی اور پھر سخت خطرناک واقعہ پیش آتا ۔

عام طور پر ایک خبر کا مشہور ہو جانا اور بغیر تحقیق کے اکثر مورخین کا لکھدینا اور اُسپر نکتہ چینی

نہ کرنا اُس قول کی صداقت پر دلالت نہیں کرتا۔ خالد کی معزولی کا خیال بالکل غلط ہے۔ حضرت عمر نے ہرگز خالد کو معزول نہیں کیا بلکہ اِن کے اختیارات کی تقسیم کر دی اور اُنہیں ایک بارِ عظیم سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت عمر کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ خالد کو سنگسار کرنا چاہتے تھے لیکن صاحبِ اختیار ہو کے پھر وہ خیالات آپ کے نہ رہے آپ نے ذرا بھی خالد کو چشم نمائی نہ کی اور اُسے اپنے زمانہ خلافت میں بھی سپاہ سالار افواج شام بنائے رکھا۔

جو کچھ رنج حضرت عمر کو خالد کی طرف سے تھا وہ محض خدا واسطہ تھا اذا تیات کی بحث نہ تھی لیکن حضرت صدیق اکبر نے اُسے بری کر دیا تھا تو پھر انصافاً دوبارہ اُسے گرفتار کر کے اُس کے مقدمہ کی تحقیقات حق نہ تھی۔ کسی قسم کا رنج آپ کو خالد کی طرف سے نہ تھا اور نہ اس رنج کا اظہار ہوا۔ یہ روایت کہ ابو عبیدہؓ نے شرم کے مارے حضرت عمر کا فرمان خالد کو نہ دیکھایا اور یہ روایت کہ حضرت عمر نے سرداران شام کو لکھا تھا کہ تم قتل مالک کی بابت خالد سے سوال کرنا محض غلط معلوم ہوتی ہے۔ صحیح صرف اسقدر ہے کہ شداد بن اوس دو فرمان لیکے آیا تھا ایک ابو عبیدہ بن الجراح کے نام تھا کہ ملکی کام سنبھالے اور ایک خالد کے نام تھا کہ تو ملکی کام ابو عبیدہؓ کے سپرد کر دے اور پھر بڑی آزادی سے حریف سے جنگ کر۔ بس سوا اسکے اور کوئی روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

جسطرح مالک بن نویرہ کے جھگڑے سے سُنی شیعون کی کتابیں بھری پڑی ہیں اسیطرح خالد کی معزولی کا رونا رویا گیا ہے جو محض فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جو جو خدمتیں اسلام کی خالد نے انجام دیں اس سے ایک بے منصف سا بے منصف شخص بھی یہ کہدیگا کہ یہ بہت قیمتی خدمتیں ہیں اور قیامت تک اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیا تھا اور آپ کو خالد سے بہت محبت

تھی۔ بایں ہمہ آپ نے ایک دفعہ خالد کو ڈانٹا تھا اور جب اظہار واقعہ ہوا تو آپ نے کچھ نہیں کہا الٹا خالد ہی کو دلاسا دیا اور شفقتیں فرمائیں +

میدان جنگ میں کسی کا بے گناہ مارا جانا کچھ بڑی بات نہیں ہے اگر ہم فرض کرلیں کہ مالک بے گناہ مارا گیا تو بھی ہم خالد جیسے سپاہ سالار سے قصاص ہرگز نہیں دلوا سکتے ایک لائق سپاہ سالار کی جان لاکھوں سپاہیوں سے زیادہ قیمتی ہے اور آجتک کسی قوم نے رقیب کے مارے جانے پر اپنے سپاہ سالار کو پھانسی نہیں دی۔ اسیطرح حضرت صدیق اکبر نے خالد کو چھوڑ دیا اور ذرا بھی اسپر اعتراض نہیں کیا۔ اس میں ہرگز کلام نہیں کہ حضرت صدیق کو خالد نے اپنی لیاقت کا پورا ثبوت دیدیا تھا اور سب سے بڑی وجہ رہائی کی یہی معلوم ہوتی ہے +

(فارس پر حملہ)

حضرت عمر کا سب سے پہلا کام عراق پر فوج کشی کرنے اور فتح ایران کو تکمیل پر پہنچانے کا تھا حضرت صدیق اکبر کے خلافت کے پہلے ہی سال میں (لفٹنٹ) خالد بن ولید نے دریائے فرات کیطرف بڑھ کر ایرانی سلطنت کے کئی شہر اسلامی حکومت میں ملائے تھے شہر حیرہ جو برباد بابل کے مغربی طرف تھا ایک ایرانی شاہ والئے ایران کی سرپرستی میں وہاں حکومت کرتا تھا جسکے خاندان کو حکومت کرتے ہوئے چھ سو برس ہوگئے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ ایک سخت خونریز جنگ میں خالد (سیف اللہ) کے ہاتھ سے مارا گیا اسکے تمام امرا نے خالد کی اطاعت قبول کی اسکا بیٹا مقید ہوکر مدینہ روانہ کردیا گیا۔ امرائے شہر نے خالد کی خدمت میں عرض کی کہ ہم ہی میں سے آپ ایک شخص کو نامزد کریں ہم باجگزار بننا قبول کرتے ہیں خالد نے ان کی اس درخواست کو منظور کرلیا اور ان ہی میں سے ان کی مرضی کے مطابق ایک حکمران نامزد کرکے ستر ہزار اشرفیاں سالانہ خراج کی مقرر کرلیں +

ایک مورخ کہتا ہے- خالد کی لاثانی اور یکتا لڑائیاں لڑا اسکے فتحمندانہ بازو بلا کے قوی تھے اسکے زور آور کلائیوں سے اسکی دو دھاری تلوار کے منہ پر ہزاروں عیسائیوں نے اپنے گلے رکھ دیئے اور جانیں اسکے قدموں پر نثار کر دیں ان خونریز جنگوں میں نہ صرف اسے دولت کثرت سے ملی بلکہ ان لونڈی غلاموں کی بھی کوئی تعداد نہیں کہی جا سکتی جو خالد کے ہاتھ آئے اسکے بعد مسلمانوں کو دریائے فرات کے کنارہ پر ایک بہت بھاری شکست ہوئی- ابھی ابو عبیدہ حیرہ نہ پہنچے تھے کہ سلطنت ایران میں عظیم الشان تغیر و تبدیل شروع ہو گئی تھی تخت کے دعویدار شہزادے اور شہزادیاں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور باہم خونریزی نے بہت طول پکڑا تھا آخر ایک شہزادی نے خراسان سے رستم کو مدد کے لئے بلایا اور اس نے شہزادی کی مدد کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا- تمام حدود مفتوحہ ایران میں مسلمانوں کے خلاف بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں اور تمام رعیت علاوہ شاہی فوج اسلام کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئی اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر ڈالیں مثنی اسلام کی طرف سے حیرہ میں حکومت کرتا تھا جب اس نے یہ جوش دیکھا ناچار مدینہ چلا آیا- رستم نے دو فوجیں حیرہ پر دو جانب سے روانہ کیں ایک فوج جابان کی ماتحتی میں تھی جو دریائے فرات سے حیرہ میں داخل ہو گیا تھا- اور دوسری مہم نرسا کی ماتحتی میں آ رہی تھی جسنے حیرہ کے قریب کسکر پر قبضہ کر لیا تھا میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ مثنی پر کچھ ایسا رعب جما کہ وہ بغیر جنگ کئے شہر کو دشمن کے حوالہ کر کے مدینہ ہو لیا- راہ میں ابو عبیدہ سے اسکی ملاقات ہوئی ابو عبیدہ کو ابھی چند روز یہاں آرام کرنا تھا وجہ یہ بھی کہ ابھی بدوؤں سے ان کی خوب جنگ ہو چکی تھی- جب ابو عبیدہ نے بخوبی آرام لے لیا تو اپنی مشتملہ فوجوں سے جابان پر حملہ کیا وہ پریشان ہو کر بھاگا پھر دریائے فرات کو عبور کر کے نرسا پر جا پڑے- اسکو بھاگتے بن آئی اس کا سارا سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا

اور ایک بڑا گودام خالص کھجوروں کا ہاتھ آیا کہ جو شاہ ایران کے لئے بھیجی جانے کو تھیں ان کھجوروں کو ابو عبیدہؓ نے بمنزلہ خوراک کے فوج میں تقسیم کر دیا پانچواں حصہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں معہ ایک رقعہ کے روانہ کیا جسمیں یہ لکھا ہوا تھا ملاحظہ فرمائیے کیا خدا کی شان ہے کہ بڑے بڑے سلاطین فارس کی خوراک ہمیں کھانے کے لئے دیتا ہے آپ اسے ملاحظہ فرمائیے اور نوش کریں اور خدا کی حمد کریں کہ اس نے ہمیں یہ شاہانہ خوراک عطا فرمائی +

جب ایرانی فوج یوں پریشاں ہوگئی تو آس پاس کے جتنے رئیس تھے وہ خراج لیکر حاضر ہوئے اور اپنی خیر خواہی کا ثبوت دینے کے لئے انہوں نے ابو عبیدہ کی دعوت کرنی چاہی حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں کہلا بھیجا کہ جو میرے لئے ہو میرے ایک ادنی سپاہی کے لئے ہو اگر ذرا بھی فرق ہوگا تو میں اُٹھ کھڑا ہوں گا اور تمہاری دعوت نہ کھاؤں گا۔ وہاں کیا کمی تھی انہوں نے بڑے تکلف سے سامان کیا اور بڑی دہوم سے دعوت کا خاتمہ ہوا +

جب یہ خبر رستم کو ہوئی تو اُسے تعجب ہوا کہ مسلمان ایسے قوی اور خونخوار جنگ آور ہیں ناچار ایک جرار لشکر بہمن افسر کی ماتحتی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ایرانی سپاہ ہزبر کی کھال کے جھنڈے یا درفش کاویانی کے سایہ میں مسلمانوں پر بڑھی چلی آتی تھی + سامنے ابو عبیدہ کا لشکر پڑا ہوا تھا۔ آتے ہی اس نے فرات کے جانب شرق اپنی فوجوں کو ڈال دیا +

یہ میدان جنگ بابل سے بہت دور نہ تھا۔ ایک پل کشتیوں کا بندھا ہوا تھا۔ بہمن نے کچھ ایسی خاموشی اختیار کی کہ ابو عبیدؓ کو ہمت ہوئی کہ یہاں سے پار ہو کر بہمن کی فوج پر حملہ کرو جب ابو عبیدؓ نے دریا کے عبور کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے چند صلاح کاروں نے سمجھایا کہ ایسی فائدہ مند اور مرتفع کی جگہ کو چھوڑنا خلاف عقل ہے۔ اسپر ابو عبیدؓ نے جواب دیا کہ کیا ہم ان کی طرح موت سے

خوف کرتے ہیں یہ کہکر اس نے یکایک حکم دیا کہ فوراً دریا کو عبور کر جاؤ۔ فوج نے حکم ہوتے ہی دریا کو عبور کر لیا۔ یہاں انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں فوج چاروں طرف گھیر اڈالے ہوئے کھڑی ہے صدہا ہاتھیوں کی قطاریں عربوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھیں جس وقت ابو عبیدہ پل سے ادھر اترا ہے اسکے زیر کمان دس ہزار فوج تھی ماتحتی میں شیر دل مثنیٰ کام کر رہا تھا ابو عبیدہ نے چاہا کہ سامنے کی صفوں کو چیر کر قلب لشکر پر دھاوا ماریں ابو عبیدہ کی پیدل ہیر کار گروہ قلب لشکر میں پہنچ گئے جب اسنے چاہا کہ بہمن کی گردن اتارلے اتنے میں ہاتھی نے سمٹ کر ابو عبیدہ کو سونڈ میں لپیٹ کر گھوڑے پر سے کھینچ لیا اور سخت مجروح کر دیا ٭

مسلمانوں کی فوج پسپا کرنے کے لئے جو جانبازی سے اپنے دلیر اور بے جگر افسر کے پیچھے قلب میں بیٹھی چلی جاتی تھی یہ افسوسناک سانحہ کافی تھا۔ جونہی فوج نے یہ کیفیت دیکھی اُسکے دل چھوٹ گئے اُسنے پیچھے قدم ہٹا کے پھر بذریعہ پل دریائے فرات کو عبور کرنا چاہا لیکن بدقسمتی سے پہلے ہی ایرانی فوج نے پل کو توڑ دیا تھا۔ جو افسر کہ اب تک زندہ تھے وہ باری باری سے شہید ہوتے رہے مگر جب سپاہیوں پر خوف طاری ہوا وہ دریا میں کود پڑے یہ محض ناممکن تھا کہ اس پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ دریائے فرات سے ہاتھ پیر مار کر نکل جاتے جو گرتے جاتے تھے دریا کی نذر ہوتے جاتے تھے۔ مثنیٰ جو جانب شمال سرگرمی سے کارزار کر رہا تھا اسنے اپنی فوج کا جب یہ نظارہ دیکھا لڑتے لڑتے پل کے پاس آگیا اور اپنی جنگ جو رسالے کو حکم کیا کہ تم فوراً اس پل کی مرمت کرو اور بآواز بلند کہا اے مسلمانوں اپنے اوسان درست کرو دشمن کا کچھ خوف نہیں ہے دریا میں گر کر اپنی جانیں برباد نہ کرو جبتک پل کی مرمت ہوتی رہی آپ مسلمانوں کا پشت پناہ بنا ہوا ایرانیوں کی فتحمندانہ یورشوں کا عمدگی سے جواب دیتا رہا۔ اس نازک اور جانبازی کے وقت میں ایک ایرانی نے بڑھکر مثنیٰ کو اپنے نیزہ سے سخت زخمی کیا مگر پھر بھی

وہ اپنی حالت پر قایم رہا اور ایرانیوں کو مار کے مسلمانوں کو عبور کراتا رہا جب باقی ماندہ فوج چلی گئی تو آپ اسی زخمی حالت میں پل پر سے پار ہو کر کنارہ پر آیا۔ اسپر بھی چار ہزار آدمی تند و تیز موجوں کی نذر ہو چکے تھے پانچ ہزار آدمی صرف بچے تھے جنمیں سے دو ہزار تو مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور تین ہزار مثنیٰ کے ساتھ رہ گئے۔ یہ شکست مسلمانوں کو تیرہ ماہ شعبان سنہ ۱۳ھ میں ہوئی ✤

اسی اثنا میں بہمن کو ایران میں بغاوت کی خبر پہنچی وہ پریشان اپنی کل فوج کو لیکر واپس چلا گیا مثنیٰ جس نے اپنے کو میدان جنگ میں لاثانی ثابت کر دیا تھا اپنی قوت بڑھانے کی طرف متوجہ ہوا اور جو سردار کہ پہلے اسکے ساتھ ہو گئے تھے ان سے مدد چاہی جابان جو بہمن کے واپس پھر جانے سے بیخبر تھا مثنیٰ کے ہاتھوں پڑ گیا اسکا سر معہ اسکے ساتھیوں کے اڑا دیا گیا۔ اسمیں ہرگز شک نہیں تھا کہ ابو عبیدہ کی اس بے دھڑک دلیری سے ایک مسلمان بھی جانبر ہو کر نہ آتا لیکن مثنیٰ جیسے جنگ آور شخص کی عاقلانہ شجاعت نے شکستہ فوج کی بہت کچھ مدد کی اور وہ پانچ ہزار آدمیوں کو ایسے قیامت خیز موقع سے صحیح و سالم نکال لایا ✤

حضرت عمر نے اس شکست کی خبر کو نہایت صبر سے سنا اور جو لوگ بھاگ کے مدینہ میں آئے تھے اور کسی قدر شرمندگی سے اپنے چہرے چھپاتے تھے انہیں جمع کر کے یہ فرمایا' یقیناً میں ہر مسلمان کی جو دشمن کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہوتا ہے پناہ ہوں اور اسوقت اسکی حفاظت کرتا ہوں جب اسپر کوئی مصیبت آکے پڑے خدا ابو عبیدہ پر اپنی رحمت نازل کرے کاش اگر وہ ادھر ادھر چٹانوں میں آکر پناہ لیتا تو میں اسکی حفاظت کرنے کے لیئے پہنچتا' اسی قسم کی ہمت اور دلجمعی کی باتیں حضرت عمر نے اپنی بھاگی ہوئی فوج کو سنائیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوبارہ اس شکست کا انتقام لینے کے لیئے پہلے سے زیادہ سرگرم دکھائی دیئے حضرت

عمرؓ نے فوجوں کی پھر تیاری شروع کردی۔ مگر بہادر مثنیٰ کی دانشمندانہ حکمت عملی نے اسے ساکت نہ رہنے دیا۔ وہ اپنی شکستہ فوج کے دل بڑھاتا گیا اور نئے نئے گروہوں سے سازشیں کرنی شروع کردیں اسی اثنا میں حضرت عمرؓ نے جریر بن عبداللہ کی سرکردگی میں ایک فوج مثنیٰ کی مدد کے لئے روانہ کی والئے ایران نے فوراً مہران بن باذان کی ماتحتی میں درفش کاویانی کے ساتھ ایک لاکھ فوج کو روانہ کیا۔ اسکی باربرداری کا سامان فوج سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ جریر بن عبداللہ بویب پر مقیم تھا حضرت عمرؓ نے خوب تاکید کردی تھی کہ جبتک کامل فتح نہ ہوجائے کبھی پل پر سے عبور کرنے کا قصد نہ کرنا۔ جوں ہی مثنیٰ نے سنا کہ مہران ایک لاکھ فوج سے آرہا ہے اس نے کئی سانڈنی سوار جریر کے پاس دوڑائے کہ فوراً میری مدد کے لئے آمادہ ہو جاؤ وہ بویب کی طرف مثنیٰ کا پیغام پہنچتے ہی بڑھا یہ مقام دریائے فرات کے مغربی شاخ پر واقع ہے یہاں ایک پل بنا ہوا تھا جس سے دشمن کے اسطرف آنے کی اُمید کی جاتی تھی۔ ایرانی اپنی فوج کے تین حصے کرکے بڑھے ہر حصہ کے آگے ایک ہاتھی جاتا تھا جسپر ایک آدمی بیٹھا ہوا غل و شور مچا رہا تھا۔ یہ خاص رمضان المبارک کا مہینہ تھا لیکن جنگ کے لئے روزے نہ رکھنے کی رخصت دیدی گئی تھی۔

مثنیٰ کی اس جنگ میں جان لڑی ہوئی تھی وہ خوب جانتا تھا کہ یہی جنگ اسلام اور زرتشتی مذہب کی فیصلہ کرنے والی ہے اوّل تو وہ خود ہی فنون جنگ سے خوب واقف تھا دوسرے اسے گزشتہ جنگ میں تجربہ بھی بہت ہوچکا تھا۔

اس نے اپنی فوج کو دانشمندی سے ترتیب دیا اور یہ کہا "تمہاری بہادری آج کے دن ضرب المثل ہوجائے گی۔ موت کی طرح خاموش ہو رہو اور جو تم ایک دوسرے سے کچھ کہنا چاہو تو کان میں منہ لگاکر کہو۔ ہم میں سے ایک شخص بھی آج کے دن رستہ نہ دیگا میں جلال

اور توصیف اپنے لئے نہیں چاہتا بلکہ تمہارے لئے چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے ان ہی لفظوں میں ان کا جواب دیا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا اسکے تعمیل ہم پر فرض ہے تاہم با ہم گچ کیطرح جم گئے ہیں یہیں مرجائینگے اور یہاں سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹائینگے۔

جب ایرانی فوج قریب آگئی تو مسلمانوں نے تین بار اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے خوب گھمسان کی جنگ ہوئی آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی یہ فتح مسلمانوں کو ۱۳ھ ہجری مطابق بماہ نومبر ۶۳۴ء میں ہوئی۔ میور صاحب لکھتے ہیں اس کثرت سے آدمی مارے گئے کہ اُن کی ہڈیاں مقام بویب میں مدت تک دیکھنے میں آئی ہیں۔ میور صاحب فخریہ تحریر فرماتے ہیں کہ عیسائیوں نے بھی اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کی۔ بدو سوداگروں کا گروہ بیچنے کے لئے گھوڑے ساتھ لیکر ادھر آنکلا اور ایرانیوں سے اس نے بڑی دہشتناک بہادری سے مقابلہ کیا ان میں کا ایک نوجوان لڑکا قلب لشکر میں گھسکر سردار فوج کا سر اُتار لایا اور فخراً اس نے آواز دیکر یہ کہا کہ میں بنی تغلب میں سے ہوں وہ میں ہوں کہ جس نے سردار کو قتل کیا ہے۔

گو یہ عظیم الشان فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی لیکن مسلمانوں کا بھی اس میں بہت نقصان ہوا۔ مثنیٰ اپنے جانباز بھائی کے شہید ہونے پر خون کے آنسو بہاتا تھا۔ وہ بہادر جس نے سخت کاری زخم لگنے کے بعد دم واپسین سے کچھ دم پہلے مرتی ہوئی آواز میں گرج کر عین کارزار کے موقع پر یہ کہا تھا "بہادر سپاہیوں اپنا جھنڈا بلند رکھنا۔ خدا اسکے صلہ میں تمہیں بلندی دیگا میری شہادت سے تم پراگندہ خاطر نہ ہونا" یہ آواز ایک زخمی شیر کی دنیا سے رخصت ہوتے وقت جنگ کے میدان میں سپاہیوں کے دلوں پر کیسا زبردست اثر کرنے والی تھی مثنیٰ کو دو دو غم تھے ایک اپنے پیارے بھائی کی شہادت کا اور دوسرے

اپنے مددگار سیحی افسر کا جو مسلمانوں کی جانب داری میں لڑا تھا۔ مثنیٰ نے ہر شہید کی نہایت عزت کے ساتھ تجہیز و تکفین کی اور پھر یہ کہا گو ان شہدا کی صورتیں دیکھکر آٹھ آٹھ آنسو رونے کو جی چاہتا ہے لیکن مجھے یہ بات اطمینان دیتی ہے کہ انہوں نے قدم پیچھے نہ سرکایا اور گچ کی طرح دشمنوں کے مقابلہ میں قدم جماکر جان دی اور شہدائے ابوعبید گئے لوٹ کی تعداد نہ تھی۔ لاکھوں من غلہ و مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جو بدو کہ مسلمانوں کے معاون ہوئے تھے حصہ رسد مال غنیمت میں سے ان کو بھی دیا گیا اور وہ بخوشی اپنے مسکنوں کو واپس چلے گئے۔ مثنیٰ کی بہادری نے اس بدنما دھبہ کو جو گزشتہ جنگ میں مسلمانوں کے دامن پر لگا تھا بالکل دھو دیا۔ اپنے بلند حوصلہ کی وجہ سے اسے فتح پر کچھ ناز نہ تھا بلکہ وہ شکر اسبات کا کرتا تھا کہ خدا نے دوبارہ عزت رکھ لی۔ جو زخم گزشتہ جنگ میں اسے لگا تھا اس سے روز بروز مضمحل ہوتا چلا گیا اور آخر چند روز کے بعد اپنے دوست شہدا سے عالم ارواح میں جا ملا +

فتوحات شام میں سب سے پہلی فوج خالد بن سعید کی ماتحتی میں بھیجی گئی تھی گو پہلے پہل تو اسے کئی فتوحات حاصل ہوئیں لیکن پھر وہ مخالفین کی زیادہ یورش سے گھبرا گیا۔ آخر اسکی مدد کے لئے عکرمہ اور ذوالکلاع حمیری کی ماتحتی میں کچھ فوج روانہ کی شامیوں کو پے درپے سخت بے عزتی کے ساتھ شکست پر شکست ملی۔ جب یہاں تک نوبت ہوئی تو ہرقل جو ایران سے بڑی بازی جیت کر خواب خرگوش میں پڑا خراٹے لے رہا تھا بیدار ہوا اور مسلمانوں کی فتوحات کی لہریں دوڑی بڑھتی ہوئی دیکھکر وہ اپنے پرشوکت محلات سے روانہ ہوا اور حمص میں آکر اس نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا بڑے حصہ کو اپنے بھائی تھیوڈورس کی ماتحتی میں روانہ کیا جسمیں ایک لاکھ سے کچھ اوپر سپاہ تھی مسلمانوں نے بھی اپنی

فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور سب پلٹنیں یرموک کے میدان میں جمع ہو گئیں تھوڑے دن تک یوں ہی دور سے حملے ہوتے رہے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ایک خوف دو طرف تھا ادہر تو تھیوڈرک کی فوج مسلمانوں کی تیز و تند اور لاثانی بہادری کی خبریں سُن سُنکر کانپی جاتی تھی اور اسے خوف تھا اگر ہم نے عام جنگ کر دی تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا ادہر مسلمانوں کو خیال تھا اگر ہمنے پہلے حملہ کیا اور ان پر جا پڑے تو وہ ہم سے کہیں تعداد میں زیادہ ہیں ایسا نہ ہو چشم زخم اُٹھانا پڑے ڈہائی تین مہینے اسی شش و پنج میں گزر گئے نہ وہ اپنی جگہ سے ہلتے ہیں نہ یہ روزانہ جنگ کی خبریں حضرت ابوبکر کو پہنچ رہی تھیں آخر مشورہ یہ قرار پایا کہ خالد بن ولید کو عراق سے وہاں بھیجا جاوے خالد کے پاس جوں ہی حکم پہنچا وہ اپنی فوج کو لیکر سیدھا یرموک کی طرف بڑھا۔ اس نے آتے ہی میدان کو ہموار کر دیا بجلی کی طرح دشمن کی بیتعداد فوج پر آناً فاناً میں گر پڑا۔ ان کو اتنا بھی ہوش نہ آنے دیا کہ وہ سنبھلتے اتنی بے تعداد فوج اور مقابل میں مٹھی بھر آدمی کیا کمال کر گئے ایک ایک ڈیڑھ سو سو آدمیوں کا مقابلہ کر رہا تھا اور اسے کچھ ہراس نہوتا تھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں یونانی بھی اپنی جانیں کھپا رہے تھے۔ سب کی مشتلہ فوجیں یرموک کے میدان میں جو قدرت نے خصوصاً اسی لئے موضوع کیا تھا کوسوں اور فرسنگوں پڑی پڑی تھیں یہ لڑائی بھی ایک عظیم الشان مقابلہ تھا شامی بھی جان کھپا کھپا کے جنگ کر رہے تھے۔ اس خونخواری سے جنگ ہوئی جسکا نظیر پہلے کبھی نہیں دیکھا خالد کل فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اسکے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا ایک خونریز اور انقطاعی میدان کے بعد اخیر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

یرموک کا دمشق اور بصرہ کے درمیان واقع ہونا بھی سیاسی معاملات کے لحاظ سے

مسلمانوں کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہوا۔ اس شکست پر بھی سلطنت مشرقی کا غرور
نہ گیا تھا لاکھوں فوجیں اسکے ہاں ابھی بھری پڑی تھیں بحری قوت کا وہ ناز اور فخر جو ان کو
مدت سے ہوتا چلا آیا تھا ذرا بھی کم نہوا تھا۔ گو اس شکست سے ایک دیمک سلطنت کے
ستون میں لگنی شروع ہوگئی تھی لیکن وہ اندرونی رخنہ اندازی تھی جسکا بظاہر ستون پر کوئی
اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔ جس وقت خالد کی تلوار میدان یرموک میں چمک رہی تھی ایک ایرانی نوجوان
نے آگے بڑھکر اپنی فوج کو مخاطب بناکر یہ کہا تھا "کیا آج ہم وحشیوں کے مقابلہ میں دنیا کی
فتح کے اس تاج کو اُتار دینگے جو سکندر اعظم نے ہمیں پہنایا تھا یہ کہکر اس نے آسمان کی طرف
نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور سکندر اعظم کی ظفریاب روح سے مدد چاہی اور ایک پُر حسرت آواز
میں یہ کہا کیا تو نہیں دیکھتا ہماری قوتیں کیسی پس پا ہوتی چلی جاتی ہیں اور ہماری کیا حالت
ہے اپنی نصرت نصیب قسمت کا ایک حصہ فیاضی سے اسوقت بخشدے" +

فتح دمشق | ایک مضبوط دستہ فوج کا یرموک میں اس غرض سے چھوڑ کر کہ خط کتابت کا سلسلہ
بند نہو مسلمانوں نے شمال کی جانب اپنا رخ کیا رستہ میں انہیں خبر لگی کہ دمشق کو مدد پہنچ
رہی ہے اور کثرت سے فوجیں شہر کی حفاظت کرنے کے لئے جمع ہو رہی ہیں ادھر بیت المقدس
میں شکستہ اور پراگندہ آدمی جمع ہو رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے عقب میں چھاپہ مار کر
انہیں تہ و بالا کر ڈالیں یہ معاملہ سخت اہم تھا ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو ساری کیفیت
لکھی کہ اب ہم کیا کریں آپنے حکم بھیجا کہ شہر دمشق پر ایک انقطاعی حملہ کرو پھر شام کا قبضہ میں
آجانا کوئی بات نہیں ہے کیونکہ در اصل اسیکو شام کی شہر پناہ سمجھنا چاہئیے +

یہ حکم دیکھتے ہی ایک دستہ فوج کا جردان روانہ کیا گیا اور ایک قوی لشکر سے دمشق
کی طرف بڑھے +

شہر دمشق کی فصیل بیس فیٹ بلند اور ۱۵ فیٹ چوڑی تھی ہنوز وہاں ایسے جگا دری پتھر دیکھنے میں آتے ہیں جو سنہ مسیحی سے کتنے ہی پہلے کے ہیں۔ اس شہر کو اپنی قدامت اور اسکے ساتھ بزرگی پر جتنا فخر ہو وہ تھوڑا ہے دروازوں پر ادھر ادھر دشمن کی مدافعت کے لئے ابتک برج بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جو قدیمی سنگ تراشی کے کمال کی شہادت دیتے ہیں سینٹ جان کے بڑے گرجہ کی چھت ہنوز موجود ہے گو یہ پلٹس مذہب کا گرجہ بالکل تباہ ہوگیا۔ اسکے کھنڈر اب بھی کسی قدر صحیح و سالم ہیں اور عیسائیوں کی عام شوکت کا نقشہ افسردگی کے ساتھ کھینچتے ہیں اس بڑے گرجہ کے علاوہ پندرہ اور گرجے دمشق میں بنے ہوئے تھے جب مسلمانوں نے خالد کی ماتحتی میں ہوکر اسپر حملہ کیا تھا۔ ایرانیوں کی شکست نے گو صلیب کے جھنڈے کو سینٹ جان کے سب سے بڑے منارے پر سے جھکا دیا تھا پھر بھی اسکے قایم رکھنے کا دمشقیوں میں دم خم بنا ہوا تھا +

یہ کیفیت شام کے دار الخلافہ کی بیان ہوئی جو شہروں کی شہزادی کہلاتا تھا + اسکے اردگرد بلند بلند پہاڑ جو آجکل برف سے سفید ہو رہے تھے مسلمانوں کی سرگرمانہ کوششوں کے فرو کرنے کے لئے سخت مخالف کا کام دے رہے تھے۔ پہاڑوں پر سے برف برابر گر رہی تھی اور ایسا چلّہ کا جاڑا پڑ رہا تھا کہ دانت بجنے لگے تھے۔ پھر بھی یہ قدرتی مخالف مسلمانوں کی شجاعانہ خون کی حرارت کو سرد نہ کرسکے گو یہ گرم ملک کے باشندے ایسی سردی کے عادی نہ تھے پھر بھی ان کی صعب گزار روح اور بھڑکتے ہوئے پرجوش ارادوں نے اس سردی کو نہ گردانا اور باگیں اٹھائے ہوئے بڑھتے چلے آئے۔ ابو عبیدہ نے اپنا لشکرگاہ مغرب کی جانب قایم کیا اور خالد نے مشرقی دروازہ کی جانب جسکا دروازہ کہنہ عبادت گاہ کے کھنڈروں سے دشوار گزار بن رہا تھا۔ اپنا ڈیرہ ڈنڈا ڈالا

اسی طور سے دوسرے دروازوں کی بھی حفاظت کی گئی تھی۔ مسلمانوں کا پہلے اُس یونانی فوج سے مقابلہ ہوا جو شہر کی حفاظت کے لئے پڑی ہوئی تھی دو تین خونریز میدانوں کے بعد وہ بالکل پس پا کر کے فصیل شہر میں محصور کر دی گئی اس فصیل کو دمشقی اپنے زعم میں بڑا مضبوط جانتے تھے اور انہیں یہ معلوم تھا کہ مسلمان کبھی ہم پر فتح نہیں پا سکتے ادہر قیصر حمص میں آکر مسلمانوں کی قوت توڑنے کے لئے چاروں طرف سے فوج جمع کر کے یہاں روانہ کر رہا تھا لیکن مسلمانوں نے یہ بڑی عقلمندی کی تھی کہ تمام رستے فوج آنے کے روک دیئے تھے ہر چند قیصر کی فوج نے چاہا کہ ہم دمشقیوں کی مدد کو پہنچیں لیکن ان کی یہ کوشش محض بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے کوئی ناکا بھی خالی نہ چھوڑا تھا کہ وہ ادھر سے آسکتے چیل کی طرح اوپر ہی اوپر منڈلاتے رہ گئے۔ پھر بھی محصورین کو کچھ ہراس نہ تھا وہ یہ جانتے تھے کہ موسم کی سرد مہری اور ہماری فصیلوں کی استواری کبھی مسلمانوں کا قدم آگے نہ بڑھنے دے گی مسلمانوں نے ٹھان لی تھی کہ جب تک دمشق کو فتح نہ کر لیں گے کبھی قدم پیچھے نہ ہٹائینگے گو موسم کی سختی کا وہ بہادری سے مقابلہ تو کر رہے تھے لیکن پھر بھی انہیں اپنی پوری جسارت سے کام لینے میں تامل کرنا پڑتا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے سردی کا موسم رخصت ہوا اور گرمی آگئی اس گرمی نے مسلمانوں کی چستی کو اور بڑھا دیا اور اب انہیں اپنی خوفناک بہادری کو کام میں لانے کا موقع ہاتھ آیا۔ ادھر مسلمانوں نے اپنی پوری سرگرمی اور قوت سے کام کرنے کا ارادہ کیا اور ادہر دمشقیوں پر مایوسی چھا گئی اور اس یاس نے انکے دلوں کو توڑ دیا۔

ایک دن گورنر دمشق نے اپنے افسروں کی دعوت کی وہ اسقدر شراب پی گئے کہ انہیں اپنے جان و تن کا ہوش نہیں رہا۔ خالد کو یہ کیفیت کھل گئی وہ ساری رات نہ خود

سوپا نہ اوروں کو سونپے دیا ایک دستہ اس بہادر فوج کا جو عراق میں اسکی ماتحتی میں کام
کر چکا تھا منتخب کر کے تیار کیا چشم زدن میں کمندیں تیار ہو گئیں صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے
خالد نے خاموشی سے بغلوں میں خالی پھولی ہوئی مشکیں دبا کر معہ اپنے جان نثار شیر دل سپاہیوں
کے پانی میں اپنے کو پھینکا اور نہایت تیزی سے فصیل تک پہنچ گئے۔ اور بے تامل کمندیں
ڈالکر ان پر چڑھ گئے ابھی تک شہر میں کسی کو خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے جو لوگ کہ دمدموں
اور برجیوں پر پہرہ پر تھے وہ قتل کر دیئے گئے کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی اسکے بعد
دروازے کھول دیئے گئے دائیں بائیں جتنے سنتری تھے وہ سب قتل ہو چکے تھے نعرۂ اللہ اکبر
بلند ہوا قلعہ والوں کے ہوش و حواس پراگندہ ہو گئے۔ وہ پراگندہ ہو کر دروازوں کی راہ سے بھاگے گئے یہاں
شیر دل خالد کی سپاہ کھڑی ہوئی تھی جس نے ان کو نیزوں کی نوکوں پر رکھ لیا اور پھر اُٹھنے
نہ دیا۔ گورنر دمشق نے جب دیکھا کہ اب کوئی تدبیر نجات کی نہیں ہے اور شہر ہرگز نہیں بچ سکتا
وہ دوڑا ہوا مغربی جانب ابو عبیدہ کے پاس آیا اور صلح کی بابت درخواست کی۔ ابو عبیدہ
کی نرم دلی اور رحیم طبیعت نے اُسے صلح کرنے پر مجبور کیا اسی جگہ پر اسیوقت معاہدہ ہوا اور اس پر
دستخط کئے گئے دروازے کھول دیئے گئے اور مسلمانی فوج بلا مزاحمت مغربی جانب سے قلعہ
میں داخل ہوئی +

جب ابو عبیدہ فوج لئے ہوئے آگے بڑھا تو اسکے کانوں میں آہوں کی واویلا و بکا کی
صدائیں آنے لگیں اور ابو عبیدہ کو معلوم ہوا کہ خالد مشرقی سمت حملہ آور ہوا ہے اس لئے
فوراً حکم بھیجدیا کہ اپنی تلوار کو میان میں کر لو گورنر نے ہمیں اپنے حوالہ کر دیا ہے۔ خالد یہ سنکر
کچھ مایوس سا ہو گیا اور اس نے ناچار یہ عذر پیش کیا کہ شہر کی فتح میں باقی ہی کیا رہا جو آپ
صلح کرنے پر راضی ہوئے ایک ہی تاخت میں ابھی سب کا فیصلہ تھا +

بیک تاختن تا کجا تاختتم چہ گردن کشان را سر انداختتم

مگر خالد کا یہ تمام عذر بیفائدہ تھا ابو عبیدہ معاہدہ کر چکا تھا اور وہ اپنے معاہدہ پر پختہ تھا
اسکا انصاف اس کا رحم اور اسکی ایمانداری معاہدہ سے ایک انچ بھی اسے پیچھے نہ ہٹنے
دیتی تھی اس نے خالد سے کہلا بھیجا کہ جو شرطیں کیگئی ہیں وہ ضرور پوری ہونگی چنانچہ دمشق
کو اماں دی گئی اور تمام شام میں اپنے کو غنیم کے سپرد کرنا گویا مغلوب ہو جانے کی علامت
سمجھی گئی - نصف حصہ عام و خاص مال میں سے فاتحوں کو دیا گیا - ذراسی چیز کی بھی نصف
تقسیم ہو گئی جو کچھ موجود تھا خواہ کسی نوعیت کا ہو اس میں سے نصف فاتحان اسلام کی خدمت
میں پیش کیا گیا - علاوہ اس خراج کے جو یہاں سے سلطنت مشرقی کو دیا جاتا تھا یہ طے
پایا کہ جو شخص اسلام قبول نہ کرے بشرطیکہ بالغ ہو ایک اشرفی سالانہ خراج کی مسلمانوں کو
ادا کرے اور ہر کھیت میں سے اسیطرح غلہ کا بھی کچھ پیمانہ مقرر ہو گیا جو مسلمانوں کو دیا جاتا
تھا مسلمانوں کے ہاتھ نہ صرف اتنی بھاری غنیمت اور یہ خراج ہی لگا بلکہ دمشق کے بہت
سے مکانات پر بھی اپنے مسکن کے لئے اُنہوں نے قبضہ کر لیا جو ان کے آرام اور کاموں کے
لئے کافی تھے اور اسطرح یہ خوبصورت شہر چشم مشرق ہرقل کے ہاتھ سے نکل کر خلیفہ کے
مبارک قبضہ میں آکر اسلام کا عدن ہو گیا - یہ فتح ۱۴ھ ہجری موسم گرما میں وقوع میں آئی شہر
کے گرجوں کی بھی اسیطرح تقسیم کی گئی کچھ مسلمانوں کے حصہ میں آئے اور کچھ عیسائیوں کو
دیدئے گئے بڑے گرجے سینٹ جان کے بھی دو حصے کر دیئے گئے نصف حصہ میں عیسائی
آزادی سے انجیل سناتے تھے اور ان کی گھنٹیاں بجتی تھیں نصف دوسرے حصہ میں
پانچوں وقت موذن اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا تھا اور خوب زور شور سے قرآن پڑھا جاتا تھا
اور دینی وعظ ہوتے تھے ایک طرف حضرت عیسیٰ کے دین کی تلقین ہونا اور دوسری

جانب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک دین کا وعظ ہونا مسلمانوں کی انتہا درجہ بے تعصبی اور رحم ظاہر کرتا تھا +

زمانہ محاصرہ میں ابوالعور بڑی بہادری سے یونانیوں کے جنوب جانب حملہ کو روکے رہا۔ ہرچند یونانی کثیر التعداد لشکر نے جنوب کی طرف حملہ کرنا چاہا مگر ابوالعور کی شائستہ اور جان نثار فوج کے مقابلہ میں ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور وہ پیچ پچکر رہ گئے فحل میں یونانی لشکر پڑا پڑا تھا۔ اور حوران میں جو اسی کے قریب ہے ابوالعور اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ قائم تھا۔ فحل جہاں یونانی سپاہ مقیم تھی پہاڑی کے مشرقی نشیب میں واقع ہی اسکی بلندی سطح آب سے چھ سو فیٹ پیمایش ہوئی ہی۔ اسی مقام میں سلطنت مشرقی کی شکستہ فوج نے پناہ لی تھی اور یہیں انہوں نے تازہ دم فوج کی مدد سے اپنے کو خوفناک لشکر کی صورت میں بدل لیا تھا۔ پہاڑوں میں سے جو پانی بہتا تھا اسکے سبب سے دلدل بہت ہوگئی تھی اسلئے ابوالعور کو موسم گرما کا رستہ دیکھنا پڑا تاکہ دلدل خشک ہو جاے۔ اسی ہزار فوج یونانیوں کی خیمہ زن تھی۔ روزمرہ ان کے سامنے انجیل پڑہی جاتی تھی اور مسلمانوں کے خلاف جوش دلایا جاتا تھا۔ صلیب کا جھنڈا قلب لشکر میں بڑی شوکت سے اڑایا گیا تھا اور پادری سپاہیوں کو جوش دلانے اور ان کے دم خم بنانے کے لئے زیادہ سرگرمی کر رہے تھے +

اب گرمی خوب پڑنے لگی تھی اور دمشق سے مسلمانوں کی فوج روانہ ہو چکی تھی۔ ابوعبیدہ نے چاہا کہ بڑھکر ہرقل پر حملہ کریں مگر حضرت عمر نے منع کردیا کہ جبتک یونانی عقب میں ہیں پرلے درجے ہرقل پر حملہ کرنا مناسب نہیں ہی جوں ہی حضرت عمر کا یہ فرمان پہنچا ابوعبیدہ یزید بن ابی سفیان کو گورنر دمشق کرکے آپ سیدھا فحل کیطرف بڑھا +

فوج ہراول کی خالد کمان کر رہا تھا اور ایک طرف ابوعبیدہ بذات خود ایک پلٹن کو لئے ہوئے

جما ہوا تھا۔ عمرو بن العاص دوسرے دستہ کا اعلیٰ افسر نامزد ہوا اور مشہور جنگ آور ضرار رسالہ کی کمان پر مقرر تھا۔ اس لشکر نے یرموک کو عبور کیا اور مخل پر جہاں اسی ہزار سپاہ یونانیوں کی پڑی تھی مقیم ہوا۔ یونانی فوج نے چاہا کہ بھلاوا دیکر دھوکے سے عربوں پر چھاپہ ماریں لیکن وہ یہ نہ جانتے تھے کہ شرحبیل شب و روز اپنی فوج کو لئے ہوئے جنگ پر مستعد رہتا ہے یونانیوں نے اپنے خیال میں مغالطہ دیکر یکایک مسلمان لشکر پر حملہ کیا یہ پہلے ہی جنگ کیلئے مستعد تھے اس خوفناکی اور خونریزی و تندی سے دونوں لشکر جان توڑ کر لڑے کہ پہلے کبھی ایسی سخت جنگ نہ ہوئی تھی۔ شام تک یونانی اپنی جگہ سے نہ سرکے مگر شب کو خالد اور ضرار کی جانبازیوں اور خوفناک مقابلوں نے انہیں جگہ چھوڑنے اور فرار ہونے پر مجبور کیا۔ سلطنت مشرقی کا بہادر کپتان جنگجو ضرار کی تلوار کی نذر ہوا۔ فوج بالکل پراگندہ ہوکر اکثر تو دلدل میں پھنسکر گرفتار ہوئی اور اکثر بچکر نکل گئی۔ اس جنگ نے گویا صدیوں تک شام کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں دیدیا۔ اس خونریز جنگ میں مسلمانوں کا اتنا نقصان نہیں ہوا لیکن مال غنیمت انہیں اسقدر ہاتھ لگا جس نے اور زیادہ فتوحات کا انہیں شوق دلایا۔ اب کوئی دشمن ادھر اُدھر نہ رہا اسلئے شیر دل خالد کی فوج کی ملک شام میں زیادہ ضرورت نہ خیال کر کے حضرت عمر نے اس فوج کو عراق جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے اپنی زندگی میں فوج کو خصوصاً عراق روانہ کیا تھا اس خواہش کی ضرورت نکلجانے کے بعد اب حضرت عمر نے تکمیل فرمائی۔

اور اب اس فوج کا سرکردہ بجائے خالد کے ہاشم بن عتبہ مقرر ہوا۔ یہ جستی سے صحرا لق و دق کو طے کر کے جنگ قادسیہ میں حصہ لینے کے لئے بڑھا۔ ابو عبیدہ خالد کے ساتھ حمص پر بڑھنے کی نظر سے دمشق واپس چلے گئے۔ عمرو بن العاص اور شرحبیل کو جردان کے صوبہ کیلئے چھوڑا

گیا کہ وہ بالکلیہ اسپر اپنا قبضہ کرلیں ٭

شام کی حب الوطنی کی آگ پھر کبھی روشن نہ ہوئی اسلئے کہ وہ سلطنت مشرقی کی بیجز کم ہمتی سے بجھ چکی تھی۔ بدوں کی قوم جور رومیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آگئی تھی۔ عربوں کی حکومت میں آنا انہیں نامبارک نہ معلوم ہوا۔ یہودی بھی خوشی خوشی اسلامی حکومت کو قبول کرتے جاتے تھے اور عیسائی تو سب سے زیادہ مسلمانوں کی حکومت کے شایق تھے وجہ یہ تھی کہ رومیوں کے مظالم نے انہیں جان اور مال سے تباہ کر دیا تھا سالانہ انکے خوبصورت بچے پکڑے جاتے تھے اور وہ وہ سلوک کئے جاتے تھے جو انتہائے ظلم قرار دیئے جا سکتے ہیں ٭

غرض شہر پر شہر فتح ہوتا چلا گیا اور آخر مسلمانوں کی سلطنت جردآن سے صحرا کی شرقی جانب پھیل گئی اور عمدگی سے اسکی حفاظت کردی گئی دمشق سے یزید نے اپنی حکومت تدمر تک پھیلادی اسکے بھائی معاویہ نے سیدآن اور بیروت کو یوں ہی بے مخالفت کے بعد فتح کرکے اپنی فتوحات کی لین ڈوری کو طرابلس تک بڑھا دیا ٭

شام کا ملک دریائے فرات سے ساحل سمندر تک فتح ہوگیا تھا۔ اور تمام رعایا خوشی خوشی مسلمانوں کو خراج دینے لگی تھی ٭

ہرقل کی حالت کا نقشہ مسلمان مورخوں نے افسوس سے کھینچا ہے۔ وہ حمص میں اسلئے آیا تھا کہ کسیطرح مسلمانوں کو شکست دے اور فوجیں ادھر اُدھر روانہ کرے وہ اپنے شاہ کی پشت پناہی میں جان توڑ کر کام کریں مگر افسوس ہے اسکی یہ مراد بر نہ آئی اور حمص کو جہاں اس نے اپنا لشکرگاہ بنایا تھا ابوعبیدہ اور خالد کو سونپنا پڑا ناچار بیچارہ یہاں سے بھاگ کر انطاکیہ میں مقیم ہوا مگر وہاں بھی خالد تلوار لئے ہوئے قضا کی طرح اسکے پیچھے پہنچا اسکے بھائی تھیوڈرک نے بہتیرا جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن خالد کی تلوار کے آگے اُسکی تمام جانبازی نقش برآب ہوگئی اور آخر ہرقل

انطاکیہ چھوڑ کر دوسرے شہر میں گیا وہاں بھی بلائے بے درماں کی طرح خالد نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا پھر وہ تیسرے شہر میں جا کر پناہ گزین ہوا یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں جا کر اس نے پناہ لی۔ اب ہم ابوعبیدہ اور خالد کو شمال کی طرف ان کے لشکروں کو تازہ دم کرنے کیلئے چھوڑتے ہیں اور پھر کچھ بیان عراق عرب کا کرتے ہیں ٭

جنگ قادسیہ ہم نے مثنیٰ کو عظیم الشان جنگ بویب کے بعد کالدیا کے کناروں پر چھوڑ دیا تھا کہ کسی قسم کا خطرہ پایا جائے تو اس کا تدارک کرے لیکن اس بدقسمت زمین کی تقدیر میں اور ایک بڑی خونریز جنگ لکھی تھی۔ مداین میں انتظامی صورت تغیر و تبدیل ہوگئی تھی امرائے مداین رستم کی کمزوری اور ملکہ کی کم طاقتی سے درہم ہوگئے تھے اور انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ سلطنت تباہ ہوئی جاتی ہے جبتک کہ کوئی حوصلہ مند شاہ تخت نشین نہ ہوگا سلطنت کبھی نہ سنبھلے گی۔ اب یہ تحریک عام میں پھیل گئی اور ہر شخص سابات کا خواہشمند معلوم ہوا کہ کوئی عالی ہمم شہزادہ تخت نشین کیا جائے آخیر یزدجرد ملا جو خسرو کی ظالمانہ قتل سے کہیں چھپ چھپا کر بچ رہا تھا اسکی عمر پوری ۲۱ برس کی تھی بظاہر دل چلا اور اولوالعزم معلوم ہوتا تھا اسکی رائے سے ہی تخت پر بٹھایا گیا۔ نوجوان شاہ کے گرد بڑے خیرخواہانہ جوش سے امرائے سلطنت جمع ہوئے اور کسی قدر حب الوطنی کی آگ ان کے دلوں میں پھر بھڑک اٹھی تھی۔ فوجیں جمع ہونے لگیں عراق عرب پر دوبارہ قبضہ کیا گیا اور حیرہ تک کل شہر عمدگی اور مضبوطی سے محفوظ ہو گئے ٭

تمام ارکان سلطنت معہ نوجوان شاہ کے اپنی دیرینہ حشمت و دولت کی آگ دوبارہ روشن کرنا چاہتے تھے اور اپنے بزرگوں کی غفلت اور عیاشی کی مکافات اپنی سرگرمی سے ہو جانی تصور کرتے تھے جب ایرانیوں نے اپنے ہاتھ پیر اس سختی سے کشادہ کئے

تو لوگوں نے مثنیٰ کی اطاعت سے سبکدوشی حاصل کرنی چاہی اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوکر سلطنت مدائن کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔ مثنیٰ نے جب دیکھا کہ معاملہ بگڑ چلا مجبوراً اسے پیچھے پسپا ہوکر فرات کے پیچھے قیام کرنا پڑا۔ ایرانی فوج روز بروز تعداد میں زیادہ ہوتی گئی اور جو لوگ مسلمانوں کی حکومت سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ایرانیوں کا ساتھ دینے میں اوس بھی سرگرم دکھائی دیتے تھے یزدجرد کی تخت نشینی گو بظاہر سلطنت مدائن کے لئے نیک شگون معلوم ہوتی تھی مگر اصل ساسانی سلطنت حکومت اور زرتشتی مذہب کا خاتمہ کرنے والی تھی مثنیٰ نے فوراً ایک نامہ حضرت عمر کی خدمت میں روانہ کیا جس میں ایرانیوں کے مظالم کا بھی ذکر تھا اُس خط کو دیکھکے حضرت عمر بہت خفا ہوئے +

آپ نے اپنے اسی جوش میں یہ مستقل ارادہ کرلیا کہ میں بذات خود اس جنگ میں شریک ہوں گا آپکے اس ارادہ کا غلغلہ تمام مدینہ اور نئی فوجوں میں ہوگیا ہر شخص اس ارادہ پر سرگوشی کرتا دکھائی دیتا تھا کہ خلیفہ بذات خود جنگ پر روانہ ہوتا ہے حضرت علی اور بہت سے صحابہ رسول اللہ آپ کو سخت مانع آئے اور کہا آپ کا تشریف لیجانا کسی طرح قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت عمر نے بہتیرا چاہا کہ صحابہ اجازت دیدیں لیکن ایک بھی رضی نہ ہوا اور سب نے متفق اللفظ یہ کہا تیرے جانے سے اے عمر ہم ہلاک ہو جائینگے۔ سب سے زیادہ حضرت علی اصرار کررہے تھے کہ آپ ہرگز نہ جائیں اور اس ارادہ کو قطعاً موقوف کردیجئے مجبوراً حضرت عمر نے اپنے ارادہ کو ملتوی کیا پھر بھی اتنے سے قصد کرنے کا نئی فوج پر یہ اثر ہوا کہ ان میں اپنے خلیفہ کی اس سرگرمی سے اور بھی جوش پیدا ہوگیا +

چار ہزار فوج یک لخت جمع ہوگئی اب بحث یہ ہوئی کہ اس فوج کی کمان کسے سپرد کیجائے یہ گفتگو ہی ہورہی تھی کہ سعد بن ابی وقاص کا نامہ لیکر قاصد آیا اس میں یہ مذکور تھا کہ میں نے

اپنی قوم ہوازن میں سے ایک ہزار نیزہ والے آدمی جمع کر لئے ہیں۔ اس کا نام سنتے ہی جماعت نے پکار ایسا ہی ایک شخص ہے حضرت عمر نے فرمایا "کون" انہوں نے جواب دیا صحرائی شیر سعد کو شیر کہا کرتے تھے۔ یہ امر طے پاگیا کہ سعد افسر فوج بنایا جائے حضرت عمر نے فوراً سعد کو طلب کیا یہ شخص بچپن ہی میں مکہ میں مسلمان ہوا تھا اور وہیں اس نے پرورش پائی تھی نبی اکرم کی جنگوں میں اس نے تیر اندازی میں بڑا نام پایا تھا پستہ قد اور سیاہ فام تھا اسکی بہادری اور شجاعت کی دھاک تمام عرب میں بیٹھ چکی تھی لیکن کسی قدر سخت گیری میں بھی مشہور تھا۔ حضرت عمر نے اسے اس امر کی اطلاع دی کہ تو سپاہ سالار افواج اسلامیہ کا بنایا گیا اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی فرمایا "خدا جوہروں اور نیک کاموں کو دیکھتا ہے اس کی نظر کسی کی پیدائش پر نہیں ہوتی کیوں کہ اسکی نظر میں سب برابر ہیں"

فرمان دیکھتے ہی چار ہزار آدمیوں کو لیکر عراق روانہ ہوا۔ عربوں کے بال بچے بھی ان کے قاعدہ سفر جنگ کے مطابق ساتھ تھے۔ +

جوں جوں فوج آتی گئی حضرت عمر سعد کے ساتھ شریک ہونے کے لئے روانہ فرماتے گئے۔ حضرت عمر نے جہانتک آپ سے ممکن ہوا فوج جمع کرنے میں جان لڑا دی جتنے قبایل عرب تھے ان کے پاس خط بھیج دیئے نہ کوئی شاعر بچا اور نہ کوئی سردار نہ شیخ قبیلہ نہ فصیح غرض جس کے پاس ہتیار اور گھوڑا ہوا اسکو طلب کر لیا۔ ہوتے ہوتے بیس ہزار فوج جمع ہو گئی جس کی کمان سعد کر رہا تھا وہ فوج جو شام سے آرہی تھی جب سعد کی فوجوں سے عراق میں ملی تو ان کی مشتملہ تعداد میں سے تیس ہزار ہو گئی۔ سعد یہ فوج لیکر مثنیٰ کی طرف بڑھا۔ اس سے چھیوں درجہ زیادہ فوج کا دریا کے میدان میں ایرانیوں کی جمع تھی جو اپنے پہ جوش دشمن کا انتظار کر رہی تھی۔ +

جب سعد حیرا سے پندرہ یا بیس میل جنوب جانب رہ گیا تو اس نے مثنیٰ کے انتقال کی خبر کو نہایت حسرت سے سنا۔ جو اس مرحوم کا بھائی معہ ایک وصیت نامہ کے لایا تھا۔ سعد آنکھوں میں آنسو بھر لایا اسکے بھائی کی تشفی کی اور اس وصیت نامہ کو پڑھا جسمیں یہ قیمتی فقرہ لکھا تھا جو اسکے دم واپسین کے ساتھ اسکی زبان سے نکلا تھا "عربوں کو حدود صحرا پر جنگ کرنا مناسب ہوگا وہاں سے وہ دشمن کو بھگا دینگے اور پھر فتحمند ہونگے اگر شکست بھی کھائی تو ویران صحرا ان کی پناہ کے لئے بہت موزوں ہے وہاں ایرانی کبھی نہیں جا سکتے اور پھر عرب تازہ دم ہوکر وہیں سے حملہ کر سکتے ہیں جوں ہی سعد نے یہ وصیت نامہ پڑھا جنرل اعظم مثنیٰ کی اس یادگاری پہ رحمت بھیجی۔ اسکے بے وارث خاندان کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور عربوں کے قاعدہ کے مطابق اسکے بیوہ سلمہ نامی سے آپ نکاح کر لیا۔ نئی طرح سے سعد نے فوج کو ترتیب دیا۔ ہر کمپنی دس آدمیوں کی مقرر کی اور اس پر ایک افسر نامزد کیا جو لوگ کہ بڑے جنگجو تھے انکو جھنڈا دیکر آگے کیا الگ الگ قوموں کے جدا جدا دستے بنا لئے اور اسی ترتیب سے انہیں میدان جنگ میں لایا۔ چند محکمے اسلئے بھی مقرر کئے کہ اگر عین جنگ میں فوج کو کسی قسم کی ضرورت پڑے تو ان محکموں کے ذریعہ سے وہ ضرورت رفع ہوجائے خاص خاص کمانیں اُن آزمودہ کار سپاہیوں کو دی گئی تھیں کہ جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک اور مقدس جھنڈے کے نیچے مشرکین عرب سے سینہ سپر ہو چکے تھے ان مبارک انفاس میں ۹۹ خاص وہ بزرگ تھے جو جنگ بدر میں شامل تھے اور ۱۴۰۱ وہ صحابہ تھے جنہوں نے نبی اکرم کا مختلف جنگوں میں ساتھ دیا تھا۔ سعد نے مثنیٰ کی قیمتی وصیت پر عمل کیا۔ اور آہستہ آہستہ اس دشت خونخوار کے کناروں کی طرف بڑھا۔ وہاں کچھ عورتوں اور بچوں کو چھوڑا اور ان کی نگہبانی کے لئے ایک رسالہ مقرر کر دیا اور قادسیہ کی طرف باگیں اٹھائیں یہ وہ میدان ہے جس کی

تقدیر میں زرتشتی اور محمدی مذہب کا عظیم الشان فیصلہ کرنا لکھا تھا جو فارس کی قسمت کی ڈانوا ڈول کشتی کو اسلامی مصفا سمندر کے کنارہ لگانے والا تھا کچھ فوج تو دریائے فرات کے مغربی کنارہ پر ڈالدی اور ایک مضبوط لشکر قادسیہ کے میدان میں لا جمایا۔ یہاں سعد نہایت صبر سے حریف کی فوجوں کی شوکت اور جنبش کو دیکھتا رہا۔ اس نے حضرت عمر کی ہدایت کے بموجب یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ پہلے آگے بڑھکر حملہ آور نہ ہونگا اور جبتک حریف خود نہ بڑھیگا جنگ نہ کروں گا +

رستم جو یزدگرد کی طرف سے سپاہ سالار ہو کر آیا تھا اسی ترتیب سے اس نے بھی چال چلنی چاہی اسی اثنا میں عربوں نے براہ دریا عراق عرب پر چھاپہ مارا اور امرا کے ایک محل پر حملہ کر کے اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ایک برات کو حیرا کے پاس گرفتار کر لیا یہ دلہن جو عامل یا صوبہ دار کی لڑکی تھی معہ براتی جاہ و حشم کے اسلامی لشکر گاہ میں پہنچا دی گئی موسم بہار گزر گیا اور خوب گرمی پڑنے لگی۔ تمام مویشی چراگاہوں سے ہکا دئیے گئے اور اکثر بار مسلمانوں کی خوراک مہیا کرنے اور اپنے حریفوں کو سزا دینے کے لیئے تاخت کی گئی۔ اِدہر اُدہر کے گاؤں کو لوٹ لیا اور اپنے لشکر کے لئے خوب سامان رسد مہیا کر لیا۔ +

سعد کی اس تاخت و تاراج سے دو حکمتیں تھیں پہلی حکمت تو یہ تھی کہ اپنی فوج کیلئے بخوبی رسد کا سامان جمع ہو جائے گا دوسری حکمت یہ تھی کہ جب یہ زمیندار تنگ ہو کر شاہ ایران سے فریادی ہوں گے تو مجبوراً رستم کو ہمپر حملہ کرنے کا جوش پیدا ہوگا +

چنانچہ یہی ہوا کہ زمینداروں نے واویلہ و شور مچایا اور یزدجرد کے پاس جا کر کہا اگر آپ ہماری پشتی نہیں لیتے تو ہم مسلمانوں کی حفاظت میں چلے جاتے ہیں۔ جب یہ شور مچا تو یزدجرد کی بیچین طبیعت اور بھی پریشان ہوئی اور اس نے باصرار رستم کو آگے بڑھنے کا حکم کیا۔ +

اسی عرصہ میں حضرت عمر اور سعد کی خط وکتابت ہوتی رہی حضرت عمر نے سعد سے قادسیہ کی جغرافیائی کیفیت دریافت کی اس نے لکھا کہ قادسیہ ایک خندق سیر نامی اور دریا کے مابین واقع ہے اسکے سامنے ایک گہری اتجو ہے - جو بائیں جانب چکر کھاتی ہوئی ایک شاداب اور سرسبز وادی میں ہوکر شہر حیرا کے نیچے تک چلی گئی ہے - ایک نہر اسی راستہ سے جھیل نجف میں چلی جاتی ہے اسکے کناروں پر ایک محل خاورنامی بنا ہوا ہے - اسکی داہنی جانب غیر قابل گزر دلدل سے محفوظ ہے اور اسکی پشت پر صحرا واقع ہوا ہے - جب یہ پورٹ حضرت عمر کو پہنچی آپ مطمئن ہوئے لیکن آپ کی یہ رائے ہوئی کہ پہلے یزدجرد کو دعوت اسلام کی جائے بیس جنگجو بہادر آدمیوں کو اس پیغام پہنچانے کے لیئے منتخب کیا جنمیں سے نعمان بن مقرالمزنی و بشر ابن ابی حازم حرملہ بن صفوان - حنظلہ بن الربیع - عدی بن سہل مغیرہ بن سقینہ - عطارد بن حاجب سعیت الکہدی - معن بن الحارث الشیبانی بڑے مشہور لڑاکو اور دلیر تھے اور انہیں کئی کئی زبانیں بھی آتی تھیں - یہ دلیر سفیر صحرائے لق و دق کو طے کرکے مدائن میں پہنچے - شان و شوکت ملاحظہ کی - ایک قوی ہیکل گارڈ سے قلعہ کو محفوظ پایا - انکے پلشل گھوڑے سب ایک ہی رنگ کے تھے زنار کی صورت میں سونے کی موٹی موٹی زنجیریں ان کی کمر میں پڑی ہوئی تھیں - زرہ بکتر اور خود فولادی نے ان کی صورتوں کو خواہ مخواہ پرخوف بنا دیا تھا مگر ان صحرائی اسلامی بہادروں نے انکی اس پریشان ہیئت کو بھی نہ جانچا اور حقارت کی نظروں سے انہیں دیکھتے رہے یزدجرد کو اس سفارت کی اطلاع کردی گئی تھی - کچھ دیر باہر کے درجہ میں اسکا انتظار کرنا پڑا پھر یزدجرد نے انہیں اپنے سامنے بلایا - محل کی دولتمندانہ اور شاہانہ صورت دیکھکر عرب دنگ رہ گئے لاکھوں روپیہ کے جواہر جڑے ہوئے اور ہزاروں من سونے کا کام تمام در و دیوار پر جگمگ کر رہا تھا یزدجرد نے اپنے وزیر کے ذریعہ سے انکے آنے کا سبب دریافت کیا - انہوں نے دعوت اسلام

کی اور آزادانہ یہ تقریر کی "ہم ظلمت کفر میں صدیوں سے گرفتار تھے نیکی اور بدی کی شناخت نہ رہی تھی تمام انسانی اخلاق اور روحانی برکتیں زائل ہوگئی تھیں جب ہماری نوبت حد سے زیادہ بُری ہوئی تو خدا نے ہم ہی میں سے برگزیدہ نبی مبعوث کیا اس نے تمام روحانی برکتوں اور انسانی فضائل سے ہمیں حصہ دیا کفر کی ظلمت سے نکال ایمان کے روشن میدان میں لے آیا اب اسکی وفات ہوگئی ہے اسکی جگہ اسوقت عمر خلیفہ ہیں جو اسکے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ہم میں سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے نبی کی ہدایت کے بموجب سبکی دعوت اسلام کرے اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ہمارا بھائی ہے اور نہیں اسے اختیار ہے تو مسلمان ہو جا تو پھر ہم میں سے تو بھی شمار کیا جائے گا اور اگر تو مسلمان نہیں ہونا چاہتا تو جزیہ دینا قبول کر تاکہ ہم تجھے اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اگر اس سے بھی تو نے انکار کیا تو سمجھ لے تو تیری سلطنت کے دن قریب آن لگے ہیں" بیس آدمیوں نے یکے بعد دیگرے اسی مضمون کو بڑی دلیری اور بیباکی سے ادا کیا۔ نوجوان شاہ نے اس سیدھی سادی مودب گفتگو کا جواب نہایت بے ادبی اور گستاخی سے دیا۔ وہ جواب یہ تھا "تم محض ناچیز ہو تم محض ناچیز ہو۔ ایک غیر مزروعہ زمین کے خانہ بدوش ہو تمام عمر تمہاری صحرا در صحرا پھرتے ہوئے گزر گئی اس حالت میں تم تاج کیانی کی آرزو کرتے ہو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ خبط تمہیں کسدرجہ تباہ و برباد کرتا ہے" یہ سنکر انہوں نے جواب دیا "اے شاہ یہ سچ کہتا ہے ہم بیشک غریب اور بھوکے ہیں خدا ہمیں دولتمند اور مطمئن بنا دے گا۔ بہتر ہے اگر تو نے تلوار کو پسند کیا ہے یہی ہمارا تیرا فیصلہ عمدگی سے کر دے گی" یہ سنتے ہی نوجوان شاہ کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور وہ یہ کہنے لگا "تم اگر ایلچی نہ ہوتے تو سبکو قتل کر ڈالتا تم میں سے ایک بھی زندہ بچکر نہ جاتا پھر اپنے ارکان دولت کی طرف مخاطب ہو کر کہا انہیں ایک ڈھیلا مٹی کا دو اور شہر کے دروازہ کے باہر نکال دو۔ چنانچہ فوراً ایک ڈھیلا منگایا گیا اور کہا اس کو

اٹھا کر لے جاؤ یہی تمہارے قابل ہے۔ عاصم نے اس ڈھیلے کو اٹھا لیا اور شہر کے باہر مع اپنے ساتھیوں کے چلا اتنے میں رستم دربار میں حاضر ہوا بادشاہ نے اس سے یہ کیفیت بیان کی کہ میں نے اسے ذلیل کرنے کے لئے یہ کارروائی کی۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر جواب دیا تو نے انہیں ذلیل نہیں کیا تو خود ذلیل ہو گیا پھر اس نے سوار دوڑائے کہ عربوں سے جا کر اس ڈھیلے کو چھین لائیں عرب کبھی کے اپنے منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے عاصم نے اس ڈھیلے کو سعد کے آگے رکھکر کہا "اے سعد خوش ہو کہ خدا نے تجھے زمین ایران بخشی"۔ پھر بڑی سخت جنگ کے بعد ایران فتح ہو گیا اور قریب قریب تمام ایرانی زمین پر مسلمان قابض ہو گئے ؛

عظیم فتوحات کے بعد ۶۳۵ء مطابق ۱۴ ہجری میں بصرہ کی بنیاد پڑی اور پھر حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ کوفہ آباد کیا جائے اور آپ نے یہ بھی حکم بھیجدیا کہ چاہے کوئی مدائن میں رہے یا کوفہ میں آکر قیام پذیر ہو کوفہ کا موسم عربوں کو پسندیدہ معلوم ہوا وہ غول کے غول وہاں جا کر آباد ہونے لگے پہلے یہاں مکانات سردست سرکنڈے کے بنائے گئے جیسے بصرہ میں بنے تھے مگر شب و روز کی آتش زنی نے شہریوں کو بولا دیا پھر حضرت عمر نے حکم دیا کہ بصرہ اور کوفہ دونوں میں اینٹوں کے پختہ مکانات بنائے جائیں حکم ہوتے ہی بڑے بڑے مکان تیار ہو گئے۔ لاکھوں روپیہ کے تجارتی سامان سے شہروں کو رونق ہو گئی اور کوفہ ایک بارونق اور دلچسپ جگہ رہنے کی ہو گئی ؛

مرکز شہر میں ایک مسجد بنائی گئی جسکے ستون سنگ مرمر کے تھے جو حیرا سے لائے گئے تھے سعد نے بھی اپنے لئے ایک بہت بڑا محل تیار کرایا اور اسکا ایک وسیع احاطہ گھیر کر ایک بہت بڑا دروازہ بنایا گیا تا کہ کوئی بازار میں پھرتا ہوا انجان آدمی بغیر پوچھے گچھے مکان میں نہ چلا آئے جب حضرت عمر نے اس دروازہ کی کیفیت سنی تو آپ کو سخت رنج ہوا آپ نے فوراً سعد سے کہلا بھیجا کہ اس دروازہ کو گرا دو اور بھائیوں کو اپنے پاس آنے سے منع نکر حضرت عمر نے یہ لکھکر بھیجا

اِس امر کی مجھے اطلاع گزری ہی کہ تو نے اپنے لئے ایک محل بنواکر تیار کرایا ہے۔ اور لوگ اسے حصاً سعد کہتے ہیں اور تو نے اسکا بہت بڑا دروازہ بنوایا ہی۔ یہ تیرا حصار نہیں ہے غالباً یہ حصار تباہی و بربادی کا ہی خزانہ کے لئے اسکی کیا ضرورت ہی جب کہ تو خود اس کی حفاظت کر سکتا ہی اور اسے مقفل کر سکتا ہے لیکن یہ دروازہ جس نے آدمیوں کو تیرے پاس آنے اور اپنی عرض معروض کرنے سے بند کر دیا ہی تو ضرور اسکو گرا دے۔ یہ نامہ خلیفہ کا دیکھتے ہی سعد نے تعمیل حکم کی مگر اس نے از رُوئے ایمان یہ تحریر کیا جس غرض سے میں نے دروازہ بنوایا تھا اسکے خلاف حضور کی خدمت میں عرض کیا گیا میری ہرگز یہ رائے نہ تھی کہ لوگ میرے پاس آنے نہ پائیں حضرت نے اس کے عذر کو قبول فرما لیا۔ +

اس قطعہ زمین کا انتظام کرنا یہ دوسرا مقصد تھا اس بار آور صحرا کو عرب نعام خنگ کہتے ہیں حضرت عمر نے ان کاشتکاروں کو جو ہنگامہ عراق میں پریشان اپنی زمینیں چھوڑ چھوڑ کر ادھر اُدھر بھاگ گئے تھے یہ اعلان دیا کہ وہ بدستور یہاں آکر آباد ہوں اپنے اپنے ملکو نپر قبضہ کرلیں اور ہلکا سا خراج زمین اپنے محافظین کو ادا کرتے رہیں مگر ان شہزادوں اور امرا کی ملکیں جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور ان کے تمام آتشکدے یا وہ ملکیں جو شاہی تھیں سب حضرت عمر کے حکم سے ضبط کر لی گئیں۔ تمام ضرورتیں جنسے عامہ خلایق کی بہبودی اور آسایش متصور ہو سکتی تھی خلیفہ کے حکم سے پوری کی گئیں۔ مثلاً جابجا سڑکوں کا بننا۔ نہروں کا دریاؤں سے کاٹ کر لانا اور کھیتوں میں چھوڑنا۔ ڈاکخانہ کا انتظام۔ لنگر خانوں کا جاری ہونا یہ ساری باتیں بطرز احسن عمل میں آئیں۔ پھر حضرت عمر نے یہ حکم دیدیا کہ عرب مستقل طور پر سوائے میدان جنگ کے کہیں جمکر نہ رہیں اور نہ کاشتکاری یا زراعت کریں کیونکہ اس سے ان کی جنگی قوت میں فرق آجائے گا جتنی زمینیں سپاہیوں کے حصہ میں آئی تھیں اُنہیں چھوڑنی پڑیں اور ان پردیسی کاشتکاروں

کا قبضہ ہو گیا۔ جو لوگ ان زمینوں کے مالک تھے ان کو وہ زمینیں سونپ دی گئیں ادھر محصول کی کثرت اور ادھر آبادی کی بہتات اور پھر عربوں کی جنگی قوت کی سلامتی نے شام کی حدود سے ایران کی پہاڑی سلسلوں تک تمام باشندوں کو مالا مال بنا دیا۔ تمام ملک مفتوحہ اسکے کاشتکاروں کو بالکلیہ سونپ دیا گیا اور ان کو محفوظ رعیت قرار دیدیا گیا ان کا نام ذمی مشہور ہوا جسکے لئے یہ حکم ہے کہ ذمی کا خون مومن کے برابر ہے ؛

وہ ضبطی کی زمینیں جو تاج کی مفتوحہ سمجھنی چاہئیں ان کے انتظام کے لئے تاج کی طرف سے ایجنٹ مقرر ہوئے مگر یہ ایجنٹ بھی زیادہ تر وہی اصلی کاشتکار ہوتے تھے جو قدیم سے اس ملک کے رہنے والے تھے اور جو کچھ محصول آتا تھا وہ عامۂ خلایق کے منافع میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔ کوفہ کی مملکت کا حاصل بصرہ سے کہیں زیادہ تھا۔ کوفہ کی بنیاد پڑنے کے چند روز کے بعد بصریوں نے اپنے وکلا حضرت امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کئے اور التجا کی کہ ہمارے اوقات بڑھائے جائیں اور آمدنیاں ہماری ذمہ داریوں سے زیادہ مناسب کی جائیں۔ ان وکلا میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین کوفہ ایک تر و تازہ باغ ہے کہ جو موسم میں کھجوروں کی فصل بہتات سے دیتا ہے اسکے مقابل میں ہماری زمین شور ہے یہ ایک طرف سے تو صحرا کے کنارے پر ہے جس وقت کوئی طوفان آتا ہے تو دریا کا شور پانی اسکی شور زمین کو اور رہا سہا تباہ و برباد کر دیتا ہے اب آپ کوفہ سے مقابلہ فرمائیں ہمارے ہاں غریب کثرت سے ہیں اور امیر بہت کم ہیں۔ اپنی جود و کرم سے ہمیں حصہ بخشا جاوے ؛

آن چشم دارم از نظر بندہ پرورت کز عین التفات برین بصرہ بنگری

حضرت عمر نے جب ان کی عرضداشت پر غور فرمایا تو نہایت فیاضی سے تاج کی زمینوں میں سے ان کے اوقات ان کی مرضی کے موافق زیادہ کر دیئے بعد ازاں جو کچھ بصرہ کو ترقی ہوئی

وہ کوفہ سے کم درجہ پر تھی۔ اگر ہم بصرہ اور کوفہ کی بے نظیر قسمتوں پر ایک نظر ڈالینگے تو ہمیں بخوبی کھلجائے گا کہ یہ دونوں شہر بہت جلدی کیسے آباد ہوئے۔ تمام اطراف سے لوگ آآکر آباد ہوگئے تھے تجارت کی گرم بازاری جابجا مدارس کا جاری ہونا اور علم کا چرچہ۔ فوجوں کی آمد و رفت نے کچھ زمانہ تک خصوصاً کوفہ کو بڑا خوشنما شہر بنائے رکھا حضرت علی نے اپنا دار الخلافۃ علاوہ اور سیاسی اسباب کے کوفہ کو اسلیئے بھی بنایا تھا کہ اس کی تروتازگی اور سرسبزی روح کو تازہ رکھتی ہے یہاںکی آب و ہوا صحت بخش تھی شجر ش عرعر و حجر ش مرمر کا حکم رکھتے تھے مگر اسکی بہبودی اور تروتازگی کو حضرت عمر جیسے قوی اور مضبوط بازو سہارا دیئے ہوئے تھے مگر جب آپکی وفات ہوگئی اور یہ کمزور ہاتھوں میں پڑا بس پھر جو کچھ اس کی تقدیر ہونی تھی وہ آنکھوں کے آگے آگئی ؎

شمالی شام کی مہم | شامی جنگی سلسلہ تازہ کرنے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے سنہ ۱۵ھ سنہ ۶۳۶ء جردان کے کناروں کی عظیم الشان فتح کی طرف ہٹنا چاہیئے سنہ ۱۸ھ کے اختتام پر ابوعبیدہ نے عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس میں کامیابی حاصل کرنے کی سلسلہ جنبانی کرے یزید بن ابی سفیان گورنر دمشق اپنی باقیماندہ فوج لیکر حمص کی شمالی جانب بڑھا۔ جہاں شہنشاہ بیٹھا ہوا اپنے حریف کی حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ راہ میں یزید کی فوج کا ہیتوڈرک برادر ہرقل سدّراہ ہوا اور اس نے چاہا کہ دمشق پر حملہ کرکے اس کو چھین لے مگر خالد کی فوج نے اس کی بڑھتی ہوئی سپاہ کو شکست دیکے بھگا دیا اس سے فارغ ہوکر عربوں نے بعلبک کا رخ کیا ؎

ابوعبیدہ سیدھا حمص کی طرف بڑھا چلا گیا تھا۔ ہرقل ہیتوڈرک کی شکست پر انطاکیہ بھاگ کر چلا گیا تھا جہاں اس نے بدؤں کو مسلمانوں سے بھڑکا کر آمادہ جنگ کردیا۔ مگر ان بدوں کی کچھ دال نہ گلی اور سعد نے ان کو تباہ کردیا پھر ابوعبیدہ نے حمص کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن ایسی دقت ہوئی کہ حمص کے فتح ہونے کی اُمید جاتی رہی اور عربوں نے ارادہ کرلیا کہ یہاں سے پھر کر چلے جاویں اسلیئے

کہ جاڑے کی سختی ناقابل برداشت تھی یکایک اسی اثنا میں اسطرح خطرناک دلیری سے حملہ کیا گیا جیسا دمشق پر کیا گیا تھا اور آخر حمصیوں سے نصف نصف ملک پر صلح ہو گئی۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو حکم دیدیا تھا کہ تو برابر اپنی فوج کی رفتار کو جاری رکھیو اور آگے بڑہتا چلا جائیو تاکہ تو کنارو نکی قوی قوموں کو حاصل کر کے اپنے لشکر کو قوی بنا سکے +

حمص میں کچھ فوج چھوڑ کر ابو عبیدہ شمال کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے شہر برابر مطیع ہوتے چلے جاتے تھے۔ ہاں لیوڈیسیا نے بہت سختی سے مقابلہ کیا اور عربوں کو ناک چنے چبوا دیئے مگر عربوں کے جوش نے دہاوا کر کے اسکو بھی فتح کر لیا اور اسکی تمام بہادر فوجوں کو کاٹ ڈالا۔ ہنوز شمال کی طرف بڑہتے چلے جاتے تھے۔ خالد نے قرین کے پاس یونانیوں کی ایک بڑی جمعیت کو شکست دی اور آگے بڑہکر حلب کو بڑی خونریز جنگ کے بعد فتح کر لیا۔ جب یہاں سے فراغت پائی تو ابو عبیدہ انطاکیہ میں پھرا۔ یہاں شکستہ سلطنت کی فوجیں جمع ہونے لگی تھیں اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو حکومت شام کی سرداری سے بالکل سبکدوش کر دینا چاہیے ہرقل نے یہاں فوج جمع کرنے میں جان لڑا دی۔ اور اسکو خوفناک مضبوطی سے آراستہ کیا۔ لیکن ہرقل کی ساری کوششیں محض بیکار گئیں۔ انطاکیہ کی دیواروں کے نیچے ایک عظیم الشان اور خونریز جنگ کے بعد ہرقل کی فوج کو پسپا ہونا پڑا اور مسلمان فتحمندانہ جھنڈا اڑاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوئے یہ مختصر بیان ہے جس میں نہ صرف شمالی شام کی قسمت کی کیفیت درج ہے بلکہ دمشق سے ایشیائے کوچک کے پہاڑی سلسلہ کا حال بھی بیان ہوا ہے +

مشرقی طرف یونانیوں نے آخری مگر کمزور کوشش دوبارہ اپنا ملک حاصل کرنے کیلئے کی وہ دوبارہ سخت بے عزتی اور مایوسی کی حالت میں پسپا کر دیئے گئے۔ ان کا رہنما قتل ہو گیا اور انکی بڑی تعداد قیدی بنالی گئی سلطنت کے لشکر کے جسم میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا اور شام دریائے فرات سے

سمندر کے کناروں تک مسلمانوں کا شکار بنگیا تھا۔ ان حدود کی تمام قومیں مطیع کر لی گئی تھیں اور ان کو اس کام پر مقرر کر دیا تھا کہ مفتوحین کی تیاری یا حرکت کی کل خبریں مسلمانوں کو پہنچاتی رہیں اب بدو بھی مسلمان ہونے شروع ہو گئے تھے +

ہر قلعہ اور ہر گھاٹی میں محصور ہو کر ہرقل نے جان توڑ توڑ کر جنگ کی اور قدم قدم پر اپنی فوج کو نثار کیا مگر سب کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہوتا گیا جب وہ مجبور ہو کر قسطنطینہ بھاگا ہے تو جاتے وقت اس نے بیت المقدس کو مخاطب بنا کر یہ کلمے کہے "اے پاک زمین اور اے مقدس معبد میں تجھسے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ کیا پھر بھی میں تیری مبارک چوکھٹ میں کھڑا ہو کر تیری طرف سجدہ کروں گا؟"

فتح فلسطین ۱۵ھ ۶۳۶ء | عرب جغرافیہ الوں کے مطابق فلسطین وہ قطعہ ہے جو بحر لوط کے مغرب میں واقع ہے۔ اسکی شمالی حدود ایک خط ہے جو سمندر سے کارمیل پہاڑی تک کھنچا چلا گیا ہے۔ اسکے شمال میں جس ملک کو دریا سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اسکو ملک فردآن کہتے ہیں پہلے عربوں نے خارآن کی طرف یورش کی تھی جو شام کے شمال اور جردآن کے مشرق میں واقع ہے۔ عرب سے نکل کر ان کا شمالی رستہ شاہراہ دمشق تھی جہاں سے موجودہ زمانہ میں حاجی آتے جاتے ہیں۔ جو بحر لوط کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ شام میں مسلمانوں نے جابیہ پر ہو کر جنگ کی۔ جابیہ سے بڑے بڑے زبردست لشکر دمشق کے شمالی۔ مغرب کی طرف جردآن اور فلسطین پر روانہ ہو سکتے تھے۔ محاصرہ دمشق اور جنگ فحل کے بعد فوراً جردان کا ایک بہت بڑا صوبہ عمرو بن العاص کی فوجوں کا شکار ہو گیا قیصر کی حکومت فلسطین ہی میں متزلزل ہو گئی تھی بلکہ مصر میں بھی اسکی بنیاد ہل گئی تھی مگر فلسطین اور اسکے پاس کے دو مقام اس عظیم الشان لشکروں سے مضبوط ہو رہے تھے۔ بظاہر امید نہ کی جاتی تھی کہ مسلمان اسے بہت جلد فتح کر لیں گے۔ عیسائی کہتے تھے کہ مسیحی دین کی عزت

اور بقا صرف فلسطین کے قایم رہنے پر منحصر ہے اسلیئے عیسائیوں کی کل قوتیں فلسطین میں جمع ہوئیں بطریق ارطفون فلسطین کی کمان کرتا تھا جس نے خاص ایک حصہ لشکر سے بیت المقدس کی سختی سے محافظت کی اور باقیماندہ فوج سے اجنادین پر مقیم ہوا تاکہ مسلمان حملہ آوروں کو روکے اس چالاک شخص نے یہ چال چلی کہ عمرو بن العاص کو تنہا کچھ گفتگو کرنے کے لئے بلایا اور کمینگاہ میں چند آدمی چھپا دیئے جو رستہ ہی میں اس کا فیصلہ کر دیں مگر یہ تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی اور اجنادین کے میدان میں ایک خونخوار جنگ ہوئی جس نے فی الحال فلسطین کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ سخت خونریزی کے بعد ارطفون واپس بیت المقدس بھاگا پہلے عمرو بن العاص نے چھوٹے چھوٹے شہر فتح کر لئے اور اب صرف رملہ اور بیت المقدس رہ گیا۔ بیت المقدس کی طرف آخر عمرو بن العاص نے قدم بڑھایا ارطفون میں اتنا بھی دم نہ رہا تھا کہ وہ وہاں مقابلہ کرتا بیت المقدس کو چھوڑ کر مصر چلا گیا۔ بطریق نے صلح کی درخواست کی لیکن قید یہ لگائی کہ خود امیر المومنین حضرت عمر تشریف لائیں تو ان کے ساتھ معاہدہ ہو حضرت عمر کو اسکی بابت لکھا گیا گو آپ کے مشیروں کی رائے نہ تھی لیکن پھر بھی مدینہ سے جابیہ کی طرف روانہ ہوئے یہ ایک یادگار دن ہی کیونکہ یہ پہلا ہی وقت تھا کہ خلیفہ نے حدود عرب سے قدم باہر نکالا ابو عبیدہ خالد بن ولید۔ یزید بن ابی سفیان مشرق سے حضرت عمر کے استقبال کے لئے دوڑے سواروں کا ایک پرا اور دیوں سے سجکر اعلے درجہ کے گھوڑوں پر سوار ہو کر حدود عرب تک شام سے اپنے امیر کی پیشوائی کے لئے روانہ ہوا ان کے زرین تاج اور جواہر نگار کلغیاں۔ سونے اور چاندی کی موٹی موٹی زنجیریں ان کے گلوں میں پڑی ہوئیں ہر قسم کے جواہرات سے ان کی وردیاں جھم جھم کر رہی تھیں جوں ہی حضرت عمر نے انکی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آپ کو اپنی فوج کا زرین لباس بڑا لگا آپ نے جھنجھلا کر فرمایا۔

"دور ہو میرے پاس سے تم نے دو ہی برس میں اپنی پوشاک بدل لی اہی لباس نے کسرے اور قیصر کو

برباد کردیا اگر دو سو برس میں تمہارے لباس میں اتنا تغیر آجاتا جب بھی ایک بات تھی تو انہوں نے اپنے زرین جواہر نگار کوٹوں کے بٹن کھولکر دکھائے اور عرض کیا اے امیرالمومنین ہنوز وہی ہمارے قدیمی ہتھیار ہمارے زیب تن ہیں۔ یہ دیکھکر حضرت عمر کو کسی قدر اطمینان تو ہو گیا تاہم آپ ناخوش رہے اور ان کے یہ زرین لباس پسند نہ کئے حضرت جابیہ میں مقیم ہوئے کہ اتنے میں ایک سفارت بطریق کے پاس سے آئی جو شروط کہ بطریق لے کے تھیں منظور کرلی گئیں شہادتیں ہوگئیں اور حضرت عمر کی مہر ثبت کی گئی سفارت کو وہ عہدنامہ دیدیا گیا وہ اپنے مالک کے پاس لیکر چلی گئی۔ بعد ازاں بیت المقدس اور رملہ کا دروازہ حملہ آوروں کے لئے کھل گیا عمرو بن العاص اپنی فوج لیکر جابیہ میں جہاں حضرت عمر مقیم تھے حاضر ہوا حضرت عمر کو دیکھتے ہی وہ دور سے اتر آئے اور انہوں نے امیرالمومنین کی رکاب کو بوسہ دیا۔ حضرت عمر بھی گھوڑے پر سے اترے اور عمرو بن العاص کو بہت محبت سے گلے لگایا۔ اور جنرلوں کو انکی کمان کی جگہ پر رخصت کرکے حضرت عمر عمرو بن العاص کو ہمراہ لیکر بیت المقدس کی طرف بڑھے عمرو بن العاص نے حضرت عمر کی خدمت میں ایک یابو سواری کے لئے حاضر کیا اسکے گلے میں گھنگروں کی ہیکل پڑی ہوئی تھی اور جسوقت وہ چلتا تھا تو وہ چھن چھن کرنے لگتی تھی۔ یہ شام کے طریقہ پر مٹکتا اور ناچ کر چلتا تھا (جیسا آجکل مہاجنوں کے گھوڑے گیتیں بھرتے چلتے ہیں) حضرت عمر چند قدم تک اسپر سوار گئے لیکن بعد ازاں اتر آئے اور عمرو بن العاص سے دریافت فرمایا کہ اس قسم کی چال گھوڑے کو کیوں سکھائی جاتی ہے۔ عمرو بن العاص نے عرض کیا اے امیرالمومنین مجھے اس کی خبر نہیں کہ گھوڑوں کو شام میں ایسی چال کیوں سکھائی جاتی ہے آپ اس یابو پر سے اتر آئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے +

جب حضرت عمر بیت المقدس میں پہنچے تو آپنے بطریق اور باشندگان شہر پر نہایت مہربانی فرمائی

آپ نے انہیں اجازت دیدی کہ وہ خفیف سا محصول ادا کریں اور ان کی تمام عبادت گاہیں اور گرجے آزاد چھوڑ دیئے گئے سب پر ان ہی کا قبضہ رہا اور انہیں اسبات کی آزادی دیدی گئی کہ جس طرح پہلے اپنی عبادت اور تلقین دین کرتے تھے اسی طرح اب بھی کریں۔ ملکی اور مذہبی حقوق انکے اسیطرح برقرار رکھے گئے بیت المقدس صرف یہودیوں اور عیسائیوں کا معبد نتھا بلکہ مسلمانوں کا بھی اسیطرح معبد تھا پہلے مسلمانوں کا یہی قبلہ تھا اور اسیکی طرف سب سجدہ کیا کرتے تھے۔ پاک پہاڑی کی چوٹی پر ایک نشان ہنوز بنا ہوا ہے جسکو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بالین کہتے ہیں۔ اسی مقام پر حضرت عمر نے مسجد کی بنیاد ڈالی جو اب تک موجود ہے۔ مسلمان مورخوں نے اور زیادہ حضرت عمر کے بیت المقدس تشریف لیجانے کی بابت تحریر نہیں کیا مگر جو کچھ مسیحی مورخوں نے لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ مسیحی مورخ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بطریق کے ساتھ تمام زیارت گاہوں کو جاجا کر ملاحظہ فرمایا اور ہر پاک عمارت کی نہایت متانت سے تاریخ دریافت فرماتے رہے۔ نماز کی مقررہ ساعت میں بطریق نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ آپ اس گرجہ میں (جس میں ان کے عقیدہ کے موافق قیامت کے دن خداوند تعالے لوگوں کے اعمال کا فیصلہ سناویگا) نماز پڑھ لیں حضرت عمر نے باہر گرجہ کی سیڑھیوں پر جانماز بچھا کر نماز پڑھ لی اور کہا "میں نے اسلیئے اندر جاکر نماز نہیں پڑھی مبادا مسلمان عیسائیوں کے گرجوں میں نماز پڑھنا شروع کردیں اور پھر مسیحیوں کو تکلیف پہنچے"۔

مسٹر امیر علی نے اس واقعہ کو بعینہ اسیطرح اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں لکھا ہے لیکن میور صاحب یوں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے اسلیئے انکار کیا تھا کہ مسلمان اس معبد میں کہیں قبضہ نکرلیں اور پھر آپ نے قسطنطین کے گرجہ میں جانماز بچھا کر نماز پڑھی۔ اور اس خیال سے کہ قسطنطین کے گرجہ میں مسلمان قبضہ نہ کرلیں ایک مسجد اسی کے پہلو میں تعمیر کرادی۔ جو ہنوز موجود ہے ؎ حضرت عمر نے زیادہ یہاں قیام نہیں فرمایا۔ جسلیئے آپ تشریف لائے تھے وہ کام ہوچکا تھا

صرف اپنے اتنا اور کیا کہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک حصہ میں تو بیت المقدس اور دوسرے حصہ میں رملہ نامزد کیا گیا۔ پھر آپ جس راستہ سے تشریف لائے تھے اسی راہ سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے اس طرح شام شمال سے حدود مصر تک تین سال کے عرصہ میں عیسائیوں کے ہاتھ سے نکلکر مسلمانوں کا ہو گیا۔ ہر شخص تعجب کریگا کہ مسلمانوں کی یہ شاہانہ فتوحات کیا ایک معجزہ تھیں جو آناً فاناً میں ادھر سے اُدھر پہنچ گئیں ؛

فاتحان شام نے نکلدیا کی طرح اپنے ہاتھ پیر شام میں نہیں کشادہ کیے۔ انہوں نے اپنے لشکر گاہ اور عربوں کے رہنے کی معقول جگہ بصرہ اور کوفہ سے بہتر نہیں دیکھی۔ ملک اور موسم بھی موافقت نہیں کمی کرتا تھا۔ عرب شام میں فتح کرنے والوں کی صورت میں آئے اور انہوں نے زیادہ تر اپنا زور دمشق۔ حمص اور دوسرے حصوں پر انتظام کے لیئے قایم رکھا کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہی شہر شام کے دروازے ہیں ان پر قبضہ ہو جانا کل شام کے ملک کا فتح کر لینا ہے گو مسلمانوں نے اتنی عظیم الشان فتوحات کیں اور بڑے زور شور سے حکومت کی لیکن عیسائیوں یا یہودیوں یا مجوسیوں کو ان کے دین چھوڑنے کے لئے مجبور نہ کیا گیا یہی کیفیت عیسائیوں کی ہوئی جو صدیوں سے اپنے اسی آبائی مسیحی مذہب پر چلے آتے ہیں کیا اس سے بھی زیادہ کوئی قوم انصاف پسند اور آزادی بخش ہو سکتی ہے ؟۔

قسطنطنیہ کے مسیحی مصنفوں نے شام کی کیفیت اس سے زیادہ کہ دو سطریں بھی پوری نہوں نہیں لکھی انہوں نے صرف اسیقدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے "عیسائیوں کی قلم بزدلی اور شرم کی بھری ہوئی حکایت لکھنے سے انکار کرتی ہے"۔ یہ لکھکر وہ سہل چھوٹ گئے ہیں ہرگز اس کا قایل نہیں ہوں کہ شامیوں نے بزدلی سے کام کیا۔ کیونکہ حمص۔ دمشق اور یرموک کی خونخوار لڑائیاں شامیوں کی بزدلی ثابت نہیں کرتیں بلکہ ہم یہ کہسکتے ہیں کہ حق و باطل کی جنگ میں حق ہی غالب آیا

اور اسی کو فروغ ہوا اور الہامی کتاب کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی "غیر مختون خدا کے پاک گھر میں آیندہ سے نہ جائیں"۔

شمالی شام میں بغاوت سنہ ۱۷ھ ۶۳۸ء

حضرت عمر کی خلافت کے چھٹے سال یونانیوں کے دل میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا جس طرح ہو سکے شمالی شام سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے یہ جوش ان کی طبیعت میں بڑے طور سے اٹھا اور اب وہ پریشان شیر کی طرح مسلمانوں پر جست کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

یونانیوں نے بلندی عراق عرب کی قوموں سے فریاد کی اور شہنشاہ ہرقل سے التجا کی کہ یہی وقت یاری کا ہے اگر حضور نے دستگیری کی تو شمالی شام میں ایک مسلمان کا بچہ بھی نہ دکھائی دیگا گو سعد نے عراق عرب کو استواری سے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا اور اسکی فتح کے ہاتھ بہت دور دور تک کشادہ ہو گئے تھے پھر بھی بلندی صوبہ کی وہ بدوی قومیں جو عیسائی تھیں ایرانی اور قسطنطینہ کی سلطنت کا ساتھ دینے کے لئے انہیں کچھ انکار نہ تھا۔ یونانیوں کی اپیل سنکر وہ خوش ہو گئیں اور انہوں نے مسلمانوں کو شمالی شام سے نکال دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

شہنشاہ قسطنطینہ کو گو بڑی شکستیں مل چکی تھیں لیکن ابھی بحری لشکروں کا دم خم باقی تھا اور اسے اپنی بحری فوجی قوت پر بہت بڑا ناز تھا اس نے یونانیوں اور بلندی عراق عرب کی بدوی اقوام کو دلاسا دیکر کہا کہ میں تمہیں بحری مدد دونگا فوراً ایک مہم اسکندریہ سے انطاکیہ وانہ ہوئی اور بدو بے تعداد حمص کے اردگرد جمع ہونے لگے اس پرجوش طریقہ پر کثرت سے فوجیں جمع ہونے سے ابو عبیدہ کو بہت اندیشہ ہوا اس نے اپنی ادھر ادھر کی فوجوں کو ایک جگہہ جمع کیا پھر بھی حریف کی قوت اپنے سے کئی گنی دکھائی دی ناچار نہایت جلد حضرت عمر سے مدد کی درخواست کی۔ اس پر حضرت عمر نے سعد کو لکھا کہ فوراً ایک لشکر قعقاع کی سرکردگی میں کوفہ سے حمص کی

حفاظت کے لئے روانہ کر اسی عرصہ میں یونانی اپنے جہازوں سے اتر آئے انطاکیہ جو مسلمانوں کی حفاظت میں آچکا تھا اور جس پر مسلمانوں نے سب سے زیادہ مہربانی کی تھی وہ بھی باغی ہو گیا اور اس نے یونانیوں کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے۔ قنسرین اور البسوا ور شمال کے کل شہروں میں مسلمانوں کے خلاف آتش بغاوت بھڑک اٹھی۔ کوئی جگہ مسلمانوں کی پناہ کی نہ تھی چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی مسلمانوں سے شمشیر آزمائی کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ ابو عبیدہ نے ایک مجلس کی اور مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے سبکی یہی مرضی تھی کہ جبتک کوفہ سے قعقاع فوج لیکر نہ آئے ہرگز جنگ شروع نہ کی جائے مگر خالد نے ہرگز اسے گوارا نہ کیا اور وہ اسبات پر آمادہ ہو گیا کہ ان کی جمعیت کا ذرہ برابر بھی خیال نہ کرنا چاہیئے اور فوراً شمشیر بدست ہونا لازم ہے۔ ہر چند خالد نے ابو عبیدہ کو یقین دلایا کہ آپ ہراساں نہ ہوں میں دو خونریز میدانوں میں اس کثیر جمعیت کو پراگندہ کردونگا مگر ابو عبیدہ نے فی الحال خالد کی درخواست کو قبول نہیں کیا اور قعقاع کے آجانے کا منتظر رہا جب حضرت عمر نے مدینہ میں یونانیوں۔ شامیوں۔ رومیوں اور مسیحی بدوں کی جمعیت کا خوفناک حال سنا۔ آپ سیدھے جابیہ روانہ ہوئے۔ ابھی آپ سفر ہی میں تھے کہ اس خوفناک منظر میں ایک تغیر پیدا ہو گیا۔ ایک قوی مغالطہ نے بدوں کو شہنشاہ بحر و بر ہرقل کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کیا وہ عراق عرب اپنے صحرائی گھروں کی حفاظت کے لئے بھاگے انہیں خیال ہوا کہ ہم یہاں جنگ کریں اور وہاں ہمارے گھروں پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے اور پھر یہاں بھی شکست ملے تو پھر سوائے جانیں ضائع ہونے کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ ابو عبیدہ ہنوز قلعہ میں محصور تھا جب اس نے دیکھا کہ فوج کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے وہ فوراً قلعہ کے باہر نکل آیا قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور اب دست بدست تلواروں کی جنگ شروع ہو گئی۔ یونانی شامی رومی ایک جگہ جمع تھے اور ابو عبیدہ ایک طرف تھا

ابو عبیدہ نے ان تینوں مشتملہ فوجوں کی کمروں کو توڑ ڈالا اور صفوں کی صفوں کے دھوئیں اڑا دیئے اتنے میں قعقاع بھی آگیا اب کیا تھا بھیڑوں کی طرح سے ان تینوں مشتملہ قوموں کو سخت شکست دی۔ جب یہ فتح ہوگئی تو حضرت عمر مدینہ واپس تشریف لیگئے اور آپ نے قعقاع کو دعا دی "اے قعقاع خدا تجھے اس کا صلہ عنایت کرے گا تو نے اس پھرتی اور تیزی سے اپنے بھائی کی حمص پر آکر مدد کی" سلطنت قسطنطنیہ کی یہ آخری کوشش مسلمانوں کو شمالی شام سے نکال دینے کی تھی اور جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو اب اس نے ہمیشہ کے لیئے شام کی طرف نظر اٹھانے کی بھی قسم کھالی۔

سعد نے بعد ازاں عراق عرب کی انتہائے حدود تک اپنی فتوحات بڑھانی شروع کیں وہ تجربہ کار جنگ آزمودہ خوب جانتا تھا کہ جبتک یہ بدوی مسیحی قومیں جنہوں نے ہرقل اور یونانیوں کی مدد کے لیئے یہ شور و شغب مچایا تھا بالکلیہ مطیع نہ کرلی جائیں گی ان سے ہمیشہ خوف ہی ہوگا چنانچہ اس نے اس ملک کو اس کونہ سے اس کونہ تک فتح کرلیا ہزاروں بدوی فرقوں نے جو عیسائی تھے اسلام قبول کرلیا۔ ایشائے کوچک کے مشہور مقامات فتح کرلئے گئے اور نسیبین اور زرہا وغیرہ قلعے جو اپنی مضبوطی میں مشہور نام تھے مسلمانوں کے دست تصرف میں آگئے جن بدوی قوموں نے مسلمانوں کے خلاف یہ شورش مچائی تھی ان کو مسلمانوں نے ذرا بھی تکلیف نہ دی اور انہیں آزادان کی مسکنوں میں رہنے دیا ان ہی فتوحات کی رو میں آرمینیا کا بہت سا حصہ بھی قبضہ اسلام میں کرلیا گیا تھا۔

شام میں آخری مقام ایک قیساریہ رہ گیا تھا کہ جو حضرت عمر کی خلافت کے پانچویں سال مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ عمرو بن العاص مدت سے یہاں مقیم تھا۔ عمرو بن العاص اور معاویہ برادر یزید نے اپنی زبردست اور خطرناک دلیریوں سے اس شہر کو دو تین ہفتوں میں فتح کرلیا پانچہزار قیدی

مدینہ روانہ کئے گئے اور مال غنیمت کی حسب معمول تقسیم عمل میں آئی افسوس ہے حضرت عمر کی خلافت کے آٹھویں سال خالد کا انتقال حمص میں دردگردہ سے ہوگیا۔ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ حوالی حمص میں ہنوز سیف اللہ یعنے خالد بن ولید کی قبر موجود ہے پھر گبن خالد کی بابت یہ تحریر کرتا ہے "اسکی بے دھڑک دلیری اور بے تحاشا شجاعت جس نے عرب اور شام کی سلطنتوں کو اسلام میں شریک کردیا صرف آیندہ زندگی کے صلہ پر موقوف تھی۔ وہ اپنی بیش بہا کوششوں کا کسی پر احسان رکھنا نہ چاہتا تھا بلکہ اس نے جو کچھ عرق ریزی اور جانفشانی کی وہ صرف خدا کے لئے تھی اور اسکی کوئی مراد نہ تھی جب وہ میدان جنگ میں جھپٹ کر جاتا تھا تو اسکے سر پر وہ ٹوپی ہوتی تھی جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اُسے عطا فرمائی تھی۔ ٹوپی پہنکر وہ اپنی عزت کے آگے کسریٰ و قیصر کو حقیر جانتا تھا"

دیوان اور ملکی انتظام
۱۴ھ ۱۵ھ سنہ ۶۳۵ ۶۳۶ء

سب سے پہلے حضرت عمر نے ان عربی قبایل نصاریٰ اور یہود کو سرزمین عرب سے خارج کردیا جو بار بار بغاوت کرچکے تھے اور جن کا عرب میں رہنا ہمیشہ امن کے لئے برا تھا اسکے بعد اپنے فوجی عربوں کے لئے قوانین مرتب کئے۔

یعنی آپنے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا تھا کہ کوئی عرب نہ تو مفتوحہ ممالک کو اپنا وطن بناکر رہے اور نہ کسی زمین کا مالک ہو نہ تجارت کرے نہ کوئی محنت کرے جتنے ملازم ان کے لشکر گاہوں کا کام کاج کرتے رہتے تھے ان میں ویسی آدمیوں کے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے تھے جن میں چار تو وہیں فوج کو تقسیم ہوجاتے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کردیا جاتا۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تو یہی رسم جاری رہی لیکن حضرت عمر کی خلافت میں شام اور ایران کی غنیمت جو بے تعداد چلی آتی تھی خزانہ مدینہ میں داخل ہوتے ہی سب میں تقسیم ہوجاتی تھی مگر حضرت عمر کو اسکی بابت خیال پیدا ہوا کیوں کہ پہلے آسانی صرف مال کی کمی کی وجہ سے تھی اور

اس قدر خرچ کی ضرورت بھی نہ رہتی تھی مگر اب دونوں باتیں جاتی رہیں آخر دوسرے سال یا تیسرے سال فوج کو ایک خاص اور مقررہ مقدار کی آمدنی سابق کے طور پر تقسیم کی جاتی تھی مگر اس میں اتنا فرق کیا گیا کہ مدارج کی تقسیم بھی ہوگئی اس کارروائی کے لئے تین باتیں سوچی گئی تھیں (۱) تقدیم قبول مذہب اسلام (۲) نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری (۳) جنگی ملازمت یا خدمت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج مطہرات کی دس ہزار روپیہ مہینہ تنخواہ مقرر کی گئی اور آپ کے تمام رشتہ داروں کو ایک ہی سلسلہ میں انکے رشتہ کے مدارج کے مطابق وظیفے ملنے لگے نبی اکرم کے تین سو صحابہ جنہوں نے جنگ بدر میں بڑا نام پایا تھا۔ ان میں سے ہر صحابی کا پانچ پانچ ہزار روپیہ مہینا مقرر کیا گیا۔ اور جو صحابہ حدیبیہ اور بیعت رضوان میں موجود تھے انمیں سے ہر ایک کے چار چار ہزار قرار دیئے ۔

بغاوت اور مفسدہ کے فرو کرنے میں جو شریک ہوئے تھے ان کو تین تین ہزار۔ جو لوگ شام اور کالدیا کے بڑے بڑے خونریز میدان لڑ چکے تھے اور ان صحابہ کے بچے جو پاک جھنڈے کے نیچے نبی کے پہلو بہ پہلو جنگ کر چکے تھے ہر ایک کے دو دو ہزار قرار پائے اور جنہوں نے یرموک اور قادسیہ کی جنگوں میں شرکت کی تھی ان کے ایک ایک ہزار مقرر ہوئے اور جنہوں نے اپنی بہادری کے امتیازیہ نمونے ان مذکورہ جنگوں میں دکھائے تھے انہیں علیحدہ ان کی تنخواہوں سے پانچ پانچسو اور بطور انعام کے مقرر کئے گئے۔ عورتوں کو مرد کا دسواں حصہ دیا جاتا تھا سپاہیوں کی بیویوں اور بیواؤں کی الگ تنخواہ مقرر کی گئی اور آپ نے یہ قاعدہ بھی مقرر فرمایا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی دس روپیہ ماہواری کر دیئے جاتے تھے جبتک وہ بالغ نہ ہو جاتا اسے دس روپے برابر ملتے جاتے عربوں کے غلاموں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوگئیں ۔

اسطرح گویا ہر درجہ کے شخص کی ایک خاص قیمت مقرر ہوگئی تھی لیکن حقوق خصوصاً عربوں ہی

کے لئے محدود تھے۔ ایرانی سرداروں کے لئے چند باتیں مستثنیٰ کر دی گئی تھیں۔ جنگجو عربوں اُنکے بچوں اِن کی عورتوں کے حقوق وسیع تھے ✤

وہ قریش مکہ جو مکہ فتح کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے کم تنخواہوں پر جو تقدیم و تاخیر کے مطابق دی گئی تھیں ناراض ہوئے اور اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ ہم اشراف قوم قریش ہیں اپنے کم درجہ کے آدمیوں سے کم تنخواہ ہرگز نہ لینگے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "یہ صحیح ہے کہ تم اشراف قوم میں سے ہو لیکن جن لوگوں کو تم سے زیادہ تنخواہ ملی ہے وہ تم سے پہلے دائرہ اسلام میں آئے اس میں شرافت اور غیر شرافت کی بحث نہیں ہے" یہ سنکر اُنکا اطمینان ہوا اور جو کچھ انہیں دیا جاتا تھا اسپر وہ راضی ہو گئے ✤

اس عظیم کام کی بطریق احسن انجام دہی کے لئے ایک بڑے دفتر مرتب کرنے کی ضرورت ہوئی اور فوراً اس کا ظہور ہوا اس دفتر کا نام دیوان رکھا گیا۔ تمام آمدنی کا حساب معقول طریقہ پر کیا گیا مال غنیمت کی جدا فہرست تیار کی گئی۔ اور جزیہ کا الگ گوشوارہ بنایا گیا غرض آمد و خرچ کو اس سہل طریقہ سے حساب میں لے آئے کہ اسکے سمجھنے پر کسی قسم کی دقت نکرنی پڑے۔ پہلا کام جسکی طرف خصوصیت سے توجہ کی گئی وہ محاصل اور ملکی انتظام تھا۔ ✤

دوسرا جنگی مقصود تھا۔ جو بہت جلد ایک دائمی اور مستقل صورت میں نہایت عمدگی کے ساتھ بجز تیار ہو گیا۔ بڑا مقصود فوج کی بہتری کا تھا ہزاروں عرب آ رہے تھے اور ان کا خوشی سے خیر مقدم ہو رہا تھا اور در حقیقت ایسی حالت میں لشکر کی زیادتی ایک لازمی امر تھا تمام مسیحی بڑی بڑی سلطنتیں منہ کھولے ہوئے بیٹھی تھیں اور ہر کروٹ پر چاہتی تھی کہ مسلمانوں کا تاٹ تو بڑا و ندھا کر دیں اس نازک وقت میں بھی بہت بڑی مصلحت تھی کہ فوج کی جہانتک ہو سکتا ترقی ہوتی۔ تمام سلطنتوں کے محاصل کے آنے کی دیر تھی اور خرچ ہونے کی دیر نہ تھی۔ لشکر اتنا بڑھ گیا تھا

کہ لاکھوں روپیہ چٹکیوں میں اڑ جاتا تھا۔

مختلف صوبوں کا حساب کتاب ذمیوں کے ہاتھ میں تھا شام میں یونانی ریونیو کمشنر اور وزیر خزانہ تھے اور کالدیا میں ایرانی ان معزز عہدوں پر مقرر رہتے۔ حجاج تک یہی کیفیت رہی لیکن بعدازاں تعلیم پاپاکر عرب ان تمام کاموں پر مقرر ہونے لگے +

تنخواہیں ماہ بماہ بٹ جایا کرتی تھیں اگر مدینہ میں کوئی بیمار ہوا اور نہ اٹھ سکا اسے حضرت عمر خود جاکر دے آتے تھے۔ جہانتک مسلمانوں کی عملداری تھی سب جگہ ایک ہی تاریخ تنخواہ بٹ جاتی جو بیوائیں کہ مدینہ میں رہتی تھیں ان کو تو حضرت عمر آپ جاکر ان کی پنشن دے آتے تھے اور جو کسی اور شہر میں رہتی تھیں۔ آپ کا حکم تھا اس صوبہ کا گورنر ان کو جاکر تنخواہ دے اور اوس سے رسید لیکر دیوان میں بھیج دے +

بچوں کی تنخواہ کی بابت جو آپ نے مقرر کی تھی جس کی نسبت ہم ابھی اوپر اشارہ کر آئے ہیں اس میں مورخوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ پانچ روپیہ ماہوار بچہ ہوتے ہی ہو جاتے تھے کوئی لکھتا ہے دس روپیہ ماہوار جیسا میں نے اوپر لکھا کوئی تیس روپیہ ماہوار بتاتا ہے میرے خیال میں اس میں ایک بڑی غلط فہمی پڑ گئی ہے اور اسی لئے کل مورخوں میں اختلاف ہو گیا ورنہ معاملہ بہت صاف ہے ہر درجہ اور ہر قبیلہ کے بچہ کے پیدا ہوتے ہی جیسا کہ قاعدہ تھا ایک ہی تنخواہ ہونی خارج از فہم ہے۔ ضرور ہے کہ عربوں کے مدارج کے لحاظ سے ان کے بچوں کی بھی تنخواہ ہوتی ہوگی مثلاً جو صحابہ جنگ بدر اور احد میں لڑ چکے تھے اور جو جنگ قادسیہ اور قادریا کے میدانوں میں لڑائی مار چکے تھے کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ دونو کے بچوں کا ایک ہی وظیفہ مقرر ہو گا ادنے درجہ بچہ کی تنخواہ پانچ روپیہ تھے دوسرا درجہ دس پہلا بیس اور خاص تیس روپیہ +

قحط۔ وبا۔ ۱۸ ہجری ۶۳۹ء | حضرت عمر کی خلافت کا پانچواں سال وبا اور قحط سے یادگار رہے گا
اس سال کو سال رمادہ کہتے ہیں۔ نہریں خشک ہوگئی تھیں اور ہرے بھرے بار آور باغ سوکھ
کر ٹھنٹ بنگئے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کا نصف شمالی حصہ تو بہت ہی مصیبت میں تھا
اس میں کچھ ایسا امساک باراں ہوا تھا جس کی نظیر پہلے کبھی بیان نہیں کی گئی۔ وحشی اور
صحرائی ڈرپوک جانور جو انسان کی پرچھائیں سے بھاگتے تھے صرف خشک سالی کی مصیبت سے
ایسے انس پذیر ہوگئے کہ آدمیوں کے ہاتھ سے آ آ کر کھانے لگے تھے۔ مویشی اور بھیڑ بکریوں
کے گلّے بھوک کے مارے مرے چلے جاتے تھے۔ یا انسان انہیں بمجبوری اپنی بچانے کے لئے
اپنی خوراک بنا لیتا تھا۔ بازار خالی ہوگئے تھے۔ غول کے غول بدوؤں کے مدینہ کی طرف چلے
جاتے تھے حضرت عمر سے جہاں تک ہو سکتا تھا ان کی مدد کرتے تھے اور ہر ایک شخص کو حتی الوسع
بھوکا نہ سونے دیتے تھے آپ نے قسم کھائی تھی کہ مجھے مکھن۔ گوشت دودھ روٹی حرام ہے
جب تک کہ میں کل مسلمانوں کو اپنی آنکھوں کے آگے سیر نہ دیکھ لوں۔ آپنے سونا اوٹھنا
بیٹھنا سب ترک کر دیا تھا اور تمام مدینہ میں لوگوں کے کھانے کا انتظام کرتے پھرتے تھے ایکدن آپکا
غلام ایک شکیجا دودھ سے بھرا ہوا اور دوسرا مکھن سے بھرا ہوا لایا اور عرض کیا یا امیر المومنین آپنے کئی دن سے
پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ہے اسکو تناول فرمائیں آپنے اوس سے یہ کہا تم یہ دونو چیزیں لیجا کر محتاجین
کو دے آؤ میں انہیں نہیں کھاؤنگا اگر میں اپنی تن پروری کی فکر میں ہونگا اور یہ چیزیں کھاؤنگا تو مجھے
میرے عام مسلمان بھائیونکی مصیبت کی تکلیف کا کیونکر اندازہ ہو سکیگا سوائے زیتون کے تیل اور کچے پکے
بُرے کھانیکے آپ اور کچھ نہ کھاتے تھے اور وہ بھی نصف پیٹ آپکا چہرہ اس فکر اور سختی سے زرد پڑ گیا تھا
گو آپکی طاقت روز بروز زائل ہوتی چلی جاتی تھی لیکن ہمت اور عملی ہمدردی میں زیادہ جوش بڑھتا جاتا تھا
حضرت عمر شاید دو یا تین گھنٹہ بمشکل رات کو سوتے ہوں گے اونہیں صبح و شام پھیر کو چکر رہتا

تھا جتنی تدبیریں ممکن ہوئیں اس مصیبت کے رفع کرنے کے لئے عمل میں لائی گئیں دار الخلافہ
کے بیت المال اور مودی خانہ ہی سے مدد نہ لیجاتی تھی بلکہ مفتوحہ ممالک سے بھی برابر غلہ آنا
شروع ہوگیا۔ ابو عبیدہ شام سے چار ہزار خچر غلہ کے لدے ہوئے لایا جو اس نے آپ قحط
زدہ اشخاص میں تقسیم کردیئے۔ عمرو بن العاص نے فلسطین سے بذریعہ اونٹوں کے غلہ
روانہ کیا اور بحری راستہ سے بھی ایک معقول تعداد غلہ کی بوریوں کی روانہ کی۔ اسی طرح
کالدیا سے بھی لاکھوں من غلہ آنا شروع ہوگیا۔ جن جانوروں پر غلہ آتا تھا وہ بیس روز کے
حساب سے ذبح کئے جاتے اور اُن کا گوشت بھوکوں کو تقسیم ہو جاتا تا حضرت عمر رضی اللہ کی حالت
عجیب بیان ہوئی ہے آپ کے کندھے پر روٹیوں کا تھیلا غلام روغن زیتون کا مشکیجا لئے ہوئے
ہے اور سب کو دیتے پھرتے ہیں۔ ایک دن سر شام بعد نماز مغرب چمڑے کا تھیلا کندھے
پر ڈالے ہوئے روٹیاں بانٹ رہے تھے اتنے میں چند بچوں اور انکے ساتھ ایک ماں کے
کرّانے کی آواز آئی آگے جاکر پوچھا کہ تو کچھ بھوکی ہے؟ اُس نے کہا ہاں حضرت عمر نے کچھ
روٹیاں اور روغن زیتون اُسے دیا اُس نے کہا کہ میں اور میرے بچے زیتون کا روغن
کھاتے کھاتے بیمار پڑ گئے اگر دودھ اور مکھن کہیں سے دستیاب ہو تو وہ لاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت
عمر رضی نے تلاش کر کے اُسے دودھ پلاؤ اور یہ آیندہ کے لیئے التزام کر لیا کہ روزمرہ دودھ اور
مکھن جا ہے کہیں سے ممکن ہو اُسکے لیئے خود پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک عورت نے
کہا مجھے بچے چین نہیں لینے دیتے میں روٹی کیونکر پکاؤں۔ میرا خاوند جانتا نہیں آٹا اور کل
سامان یوں ہی رکھا ہوا ہے عمر کوئی تدبیر اسکے پک جانیکی بتاؤ۔ حضرت عمر نے اپنے ہاتھ سے
اسکی روٹی بیٹھ کر پکا دی اور جبتک اس نے اور اسکے خاوند اور بچوں نے نہ کھائی وہاں سے
نہ سرکے آیندہ سے حکم دیدیا کہ اسے پکا کر روٹیاں دی جائیں۔ ابو ہریرہ روایت کرتے

ہیں کہ شاید کم سے کم حضرت عمر دو سو تین سو تھیلے غلہ اور روٹیوں کے بھرے ہوئے اپنے کندھے پر رکھکر وں اور رات میں تقسیم کرتے تھے اور جب کوئی بھوک کی شکایت نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے اسوقت کوئی سوکھا گرا یا ٹکڑا کسی قدر سہارے کے لئے کھا لیا کھا لیا۔ یا نہ کھایا نہ کھایا۔ مدینہ کا خزانہ اور مودی خانہ مطلق خالی ہوگیا تھا یہانتک کہ حضرت عمر نے اپنی گرہ کا بھی سب خیرات کردیا تھا +

قحط کم ہونے نہ پایا تھا کہ وبا نے اپنا منہ نکالا۔ اور آناً فاناً میں دیکھتے دیکھتے حجاز کے بازاروں اور شام میں تاخت و تاراج کرنے لگی اور براہ سمندر مصر پہنچی ہنوز قحط بھی موجود تھا جو اسکے ہمراہ ہمراہ چل رہا تھا۔ ہاں اتنا بدینک ہوتا تھا کہ اگر حمص میں وبا موجود ہے تو فلسطین میں قحط ہے اور اگر قاہرہ میں کال ہے تو اسکندریہ میں وبا ہے لوگ کال سے ابھی چھٹے بھی نہ تھے کہ کمبخت وبا نے انہیں آکر دبا لیا اور ہزاروں کا لقمہ خام کرنے لگی وبا نے جھنجھلا کر حملہ کیا اور حمص و دمشق وغیرہ میں عربوں کو تباہ کرتی ہوئی صحرا کو پھلانگ بصرہ میں پہنچ گئی۔ اس وبا نے قحط سے بھی زیادہ پریشانی سب میں ڈالدی تمام مہلک حالات کی خبریں حضرت عمر کو برابر پہنچ رہی تھیں۔ آپ نے ابو عبیدہ کو بلایا کہ تم وبا کے ہونے تک مدینہ چلے آؤ مبادا وبا تمہیں اپنا شکار بنالے ابو عبیدہ نے ایسی حالت میں مدینہ آنا تسلیم نہ کیا مگر حضرت عمر نے مصلحت وقت کے لحاظ سے یہ لکھکر بھیجا کہ تم سے ایک ضروری کام ہے تم فوراً مدینہ چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اسکا جواب دیا ایسی نازک حالت میں یہ شایاں نہیں ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو اس خوفناک مرض میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ جب یہ خط حضرت عمر کے پاس پہنچا تو آپ رونے لگے لوگوں نے عرض کیا کیا ابو عبیدہ کا انتقال ہوگیا حضرت عمر نے فرمایا نہیں۔ خدا اسے سلامت رکھے مجھے وہاں کے سلمانوں کی مصیبت پر رونا آتا ہے +

آخر جوش ہمدردی نے قرار سے مدینہ نہ رہنے دیا فوراً حضرت عمر اپنے بھائیوں کی مصیبت کا حصہ بٹانے کے لئے شام روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہؓ اور بہت سے جنگی افسر سرحد شام تک اپنے ہمدرد امیر کا استقبال کرنے کے لئے حاضر ہوئے کئی دن حضرت عمر نے وہاں قیام فرمایا اور بڑی صلاح ومشورہ سے یہ امر طے پایا کہ فی الحال فوج صحرا کی اس حصہ میں مقیم ہو کہ جہاں وبا کا منحوس قدم نہ گیا ہو صرف اسی لئے آپ تشریف لائے تھے اپنا کام کر کے پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے +

ابو عبیدہ نے خلیفہ کے حکم کے مطابق حوران کے بلند حصص میں معہ اپنی فوج کے کوچ کیا ابو عبیدہ بمشکل جابیہ پہونچے ہوں گے کہ آپ کی اور آپکے صاحبزادہ کی وبا میں وفات ہوگئی۔ اسلامی لشکر کو ابو عبیدہ جیسے رحیم الطبع بہادر سپاہ سالار کی وفات اور وہ بھی ایسی حالت میں سخت درد دینے والی تھی۔ جابیہ میں لشکر پہنچا ہی تھا کہ وبا مطلق جاتی رہی۔ اس وبا میں جتنی جانیں ضائع ہوئیں وہ اختلاف سے بیان کی جاتی ہیں +

زمانہ کی الٹ پھیر اور تاریخی گردش نے ہمیں بتا دیا ہے کہ جو کچھ دین کی بابت حضرت عمر کی پوزیشن تھی وہ ایسی صحیح اور بے داغ تھی کہ جسپر ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہیئے۔ اگر ہم بغور حضرت عمر کی سوانح عمری پڑھینگے تو ہمیں بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ آپنے دنیوی معاملات کو دین سے بالکل علیحدہ کر لیا تھا بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان روحانی تعلیمات اور ربانی ہدایات کو دنیاداری کا ناموزوں جامہ نہ پہنایا تھا اور آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی تھی کہ دین اور دنیا کو لوگ کہیں غت ربود نہ کر دیں ایسے موقع پیہ کہ شام میں وبا پھیل رہی تھی آپ نے حضرت ابو عبیدہ کو اسی لئے جگہ چھوڑ دینے کو لکھا تھا مبادا انہیں کوئی چشم زخم پہونچے ان باتوں کو دینی تعلیم سے کیا علاقہ نہ مذہب اسکے لئے کوئی کافی ووافی حکم پیش کر سکتا ہے اگر ایک چھت گرنے کو ہے اور وہاں چند

آدمی بیٹھے ہوئے ہوں اور ایک شخص ان آدمیوں کو یہ کہکر بلا وے کہ اس چھت سے باہر نکل آؤ تمہارے دب جانے کا خوف ہے کیا ہم اسپر یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ اس نے خلاف خدا اور رسول یہ بات کی۔ استغفر اللہ یہ عین مصلحت ہے اور ہمیں اسپر عمل کرنا چاہیئے خدا نے جو قانون قدرت مقرر فرما دیئے ہیں ان سے کسی حالت میں تجاوز نہیں کرنا چاہئیے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے لیکن پھر بھی وہ اپنی بات پر قایم ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر غور کرو اور سمجھو کہ آپنے کسقدر قوانین قدرت کی متابعت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل ہمارے لئے ایک ناصح مشفق ہے اور ہمیں حکمت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیتا ہے

جب ابو عبیدہ کا مع صاحبزادہ انتقال ہوگیا تو سارے لشکر میں ایک تہلکہ پڑگیا اور یہ تہلکہ ہونا ہی ضرور تھا حضرت ابو عبیدہ ایک بہت بڑے صحابی نبی اکرم کے تھے اور آپ خاص ان صحابہ میں سے تھے جنہیں نبی اکرم نے بہشتی ہونے یا آخرت میں نجات پانے کی بشارت دی تھی اور آپ ایسے جلیل القدر صحابی تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی کو خلیفہ نامزد کرنے کے لئے رائے دی تھی اسپر بھی ابو عبیدہ نے منظور نہ کیا تھا اور پھر جو کچھ کارنمایاں ان سے ملک شام میں ہوئے انکی قدر حضرت عمر جیسا خلیفہ بخوبی کرسکتا تھا خراب موسم کی پریشانی اور وبا کی اس مہلک آفت نے تو ایک تہلکہ مچا ہی رکھا تھا دوسرا غضب مسلمانوں پر ابو عبیدہ کے وفات پانے سے ٹوٹ پڑا تمام مسلمان اپنے سپاہ سالار سے بہت محبت رکھتے تھے دوست تو دوست دشمن بھی اس بہادر کی حمیدہ خصائل اور برگزیدہ فضائل کے ثنا خواں تھے ایسے شخص کا یکایک مسلمان فوج کے سروں پر سے اٹھ جانا کتنا غضبناک تھا ملک کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص اپنی جان کے خوف سے ادھر ادھر پریشان تکتا تھا اور فوج کے افسر کے اچانک انتقال نے یہ خوف دلایا کہ کہیں رومی حملہ نکریں حضرت

ابو عبیدہ کی وفات کے بعد یہ گفتگو شروع ہو گئی کہ سپاہ سالار کون بنایا جائے اس کشمکش کے علاوہ اور بھی بہت پیچیدگیاں اور غلط فہمیاں معاملات سیاسیہ میں پڑ گئی تھیں ان کے لئے یہ ضرور تھا کہ حضرت عمرؓ خود تشریف لا کر فیصلہ کریں ÷

دم دم کی خبریں مدینہ چلی آ رہی تھیں پیچیدگی طول پکڑتی جاتی تھی اسلئے حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ میں خود جا کر تمام غلط فہمیوں کو مٹا دوں حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا پہلے مدینہ سے عراق عرب جاؤں اور وہاں سے ماوراء النہر ہوتا ہوا شمال سے شام میں داخل ہوں لیکن اس سفر میں دن زیادہ لگتے تھے اور آپ کو شام میں جلد پہنچنا تھا۔ آخر یہی رائے طے پائی کہ اپنے قدیمی رستہ سے سیدھا شام کی جانب روانہ ہوں۔ راہ میں کئی بستیاں عیسائیوں کی پڑتی تھیں ÷

جب آپ ان بستیوں میں پہنچے ہیں تو عیسائیوں نے بڑے جوش سے خلیفہ نبی اللہ کا استقبال کیا۔ جو جو مہربانیاں حضرت عمرؓ نے ان پر کی ہیں وہ میور کی قلم سے بھی چھپ نہیں سکیں اور آخر اسے ظاہر کرنا پڑا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی مسیحی رعایا پر زیادہ نوازشیں کیں جو کچھ انہوں نے عرض کیا وہ فوراً قبول کر لیا گیا۔ ان کے حقوق وسیع کر دیئے گئے اور ان کی آسائش کی صورتیں زیادہ مہیا ہو جانے کا حکم دیدیا۔ اکثر عیسائیوں کی تنخواہیں کر دیں اور بہت سے نادار عیسائیوں سے ٹیکس لینا بند کر دیا۔ حضرت عمرؓ کا رحیمانہ قلب اور کریم فطرت نے عیسائیوں کو اپنا فریفتہ بنا لیا۔

جب عیسائیوں کا شہر قریب رہ گیا تو صرف اس خیال سے کہ کوئی مجھے نہ پہچانے حضرت عمرؓ نے اپنے غلام کو اونٹ کے آگے بٹھا دیا اور خود اسکے پیچھے بیٹھ گئے ہزاروں آدمی منتظر تھے کہ خلیفہ نبی اللہ سے ملاقات کرینگے انہوں نے آکر نہایت وفادارانہ جوش سے گھیر لیا اور کہا کہ عمرؓ کہاں ہے۔ حضرت عمرؓ نے ذومعنی جواب دیا تمہارے آگے آتے ہیں۔ نہ اونٹ کے ساتھ کچھ جلو کا سامان تھا نہ جاہ و حشم تھی۔ نہ خلیفہ کے کپڑے زریں اور قیمتی تھے نہ نقیب بچو بچو کرتے

ہوئے آگے دوڑ رہے تھے نہ اردلی کے سوار باگیں اٹھائے ہوئے پیچھے آرہے تھے جب کسی قسم کا کوئی سامان نہ تھا وہ لوگ کیونکہ پہچانتے وہ یہ سمجھے کہ شاید خلیفہ بھی اللہ پیچھے آتے ہوں گے اونٹ کو انہوں نے جانے دیا اور آپ رستے میں سے ہٹ گئے حضرت عمر سیدھے بڑے پادری کے مکان پر قیام پذیر ہوئے حضرت عمر کا کوٹ رستے میں پھٹ گیا تھا آپ نے بطریق کو دیا کہ میرے اس کوٹ کو سلوادو اس نے ایک قمیص کوٹ وغیرہ کے موافق نیا سلوا کر پیش کیا حضرت عمر نے پھر بھی اپنا ہی پیوند لگا ہوا کوٹ زیب تن کیا ؛

یہاں سے حضرت عمر شام کی جانب روانہ ہوئے جو جو مقامات بیچ میں پڑتے گئے ان کے گورنروں کو ملکی معاملات میں ہدایتیں کرتے گئے ان کے کل جھگڑوں کو چکا دیا ۔ چونکہ ابو عبیدہ اور یزید دونو وبا کے شکار ہو چکے تھے اسلئے حضرت عمر نے معاویہ کو سپہ سالار افواج اسلامیہ شام کا مقرر کیا ۔ یہاں سے گویا خاندان امیہ کی بنیاد پڑ گئی ولیم میور لکھتا ہے کہ معاویہ لامحدود حوصلہ کا شخص تھا اور بہت بڑا قابل اور لایق تھا اس نے اپنے عہدہ کے فرایض کی انجام دہی اس خوش اسلوبی سے کی جیسا ایک قابل سپہ سالار کو شایاں ہے اس کے بعد حضرت عمر مدینہ تشریف لاکر حج بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے حدود عرب سے نکلنے کا یہ آخری سفر تھا حضرت عمر ہر سال حج بیت اللہ کو ضرور تشریف لیجاتے تھے جتنے فرایض کہ خلعت خلافت زیب تن کرکے لازم ہو گئے تھے جس عمدگی اور تندہی سے انہیں حضرت عمر نے انجام دیا زمانہ کی پیشانی پر ہنوز لکھے ہوئے ہیں ؛

فتح مصر ۔ ۱۹ ہجری ۶۴۰ء اس سال اسلام کو نسبتہً زیادہ آرام ملا تھا ۔ چاروں طرف امن کی سلطنت پھیل گئی تھی کسی قسم کا مرض اور امساک باراں مطلق نہ تھا ۔ رعیت خوشحال تھی مسلمان ابھی حدود مفتوحہ فارس پر مقیم تھے مگر ایرانی برابر فوجیں جمع کر رہے تھے اور مسلمانوں سے

سے ان کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی اسلئے مسلمانوں نے بھی یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ ایران کو اس کونہ سے اس کونہ تک فتح کرلیا جائے تاکہ مخلوق اللہ شاہان ایران کے ظلم وستم سے نجات پائے اپنی حفاظت کے لیئے پھر انہوں نے آگے سرحد ایران کی طرف باگیں اٹھائیں۔ پہلے اسکے کہ ہم ایران کی بابت کچھ لکھیں مصر کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسکے فتح کی کیفیت لکھتے ہیں۔ مصر پر چڑھائی کے حالات شروع کرنے سے پہلے اسکے اندرونی انتظام کا مختصر حال لکھدیا جاتا ہے تاکہ بخوبی اندازہ ہو جائے کہ آیا وہاں کا انتظام اس قابل تھا کہ مسلمان وہاں حملہ آور ہوں یا مسلمانوں کی فتح ایک ظالمانہ فتح تھی ۔

قسطنطینیہ جس کو مصر پرورش کرتا تھا پادریوں کے ہاتھ سے سخت ناگفتہ بہ حالت میں تھا پادریوں کے حقوق وسیع کر دیئے گئے تھے اور روز بروز وسیع ہوتے جاتے تھے کوئی انہیں محدود کرنیوالا نہ تھا۔ ان کے حقوق یہانتک وسیع تھے کہ پادری کے ہاتھ سے کسی شخص کا مارا جانا مبارک سمجھا جاتا تھا۔ گرجوں کی پاک زمین انسانی خون سے رنگی جارہی تھی عیسائیوں کے تمام معبد چکلے بن رہے تھے امیروں کے گھر دن دیہاڑے لوٹے جا رہے تھے۔ مصر کی بھی خاص یہی کیفیت تھی اس سرسبز ملک کی زمین بھی پادریوں کی روندن سے نہ بچی تھی۔ ممکن نہ تھا کہ پادریوں کے خلاف کوئی کچھ کہسکتا غلاموں سے گرجے پٹے پڑے تھے اور وہ بھیڑ بکریوں کیطرح ہنکا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بند کر دیئے جاتے تھے۔ قماربازی کی گلی گلی دھوم تھی مے خواری کی کوئی انتہا ہی نہ تھی ہر سال کئی حسین حسین لڑکیاں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھائی جاتی تھیں نہ پولیس کا انتظام درست تھا نہ رعیت کا کوئی سرپرست تھا۔ فریاد سننے کے دروازے بند ہوگئے تھے پردیسی تاجروں کا مال دن دیہاڑے لوٹ لیا جاتا تھا۔ اسکندریہ جسمیں ودیسی آباد تھے پھر بھی ملک کے ہر حصہ کے لوگ اس میں بستے تھے۔ یہاں تجارت اور علم وہنر کا بہت چرچا تھا۔ مگر جب حضرت پادری

صاحبان کا دور دورہ ہوا وہی ظلم و ستم یہاں بھی ہونے لگا۔ لوگوں کا جرم کفر ہیں بیگناہ پادریوں کے ہاتھ سے مارا جانا اور شریف خواتین پر دست درازی کرنے کا عام طریقہ پادریوں میں رائج تھا۔ اس شہر میں رومی عیسائی۔ یونانی۔ عرب یہودی بت پرست غرض کل قومیں آباد تھیں اس وسیع شہر اور اس کی کثیر التعداد آبادی میں تماشہ گاہیں حمام اور دل لگی کی چیزیں بھی موجود تھیں یہاں چھ لاکھ کی آبادی تھی۔ اسکے بندرگاہ میں ہر وقت جہازوں کا بیڑا حفاظت کے لئے کھڑا رہتا تھا اور تجارتی اشیا کی آمد و رفت براہ تری برابر جاری تھی پھر بھی عیسائی پادریوں کے ظلم و ستم سے لوگ تنگ آگئے تھے اور یہاں ہر وقت ایک عظیم ہنگامہ کھڑا ہونے کا خوف تھا قسطنطینہ کی سلطنت کے بازو کچھ ایسے کمزور ہو گئے تھے کہ وہ اسکے انتظام کو سنبھال نہ سکتے تھے بایں ہمہ مصر کی حالت نہ خود مختاری کی اور نہ پابندی کی تھی ایک عجیب بے ڈھنگی صورت میں ملک کا انتظام تھا جسکی لاٹھی اسکی بھینس ہو رہی تھی کوئی پوچھنے والا نہ تھا کہ آخر یہ ظلم و ستم کیوں ہوتا ہے اور اسکا روکنے والا کوئی ہے یا نہیں جب مصر سے ان مظالم کی خبریں گزرنے لگیں عمرو بن العاص حضرت عمر کا حکم لیکر فلسطین سے مصر کی طرف بڑھا۔ عمرو بن العاص جسکی فوج میں زیادہ تر بدو تھے کل چار ہزار تعداد میں تھی۔ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ صرف چار ہزار فوج مصر کے لیئے کافی ہوگی چونکہ عمرو بن العاص روانہ ہو چکا تھا۔ اسلیئے آپ مصلحتاً اسکے پیچھے زبیر کو ایک قوی لشکر کی سرکردگی میں روانہ مصر کیا۔ اب ابن العاص کی فوج کی تعداد پندرہ ہزار ہو گئی جس میں اکثر بڑے بڑے نامور اور جنگجو بھی تھے ؎

عمرو بن العاص اریش سے داخل مصر ہوا اور پھر بائیں جانب پھر کر صحرا میں ہوتا ہوا دریائے نیل کے دہانہ پہ پہنچ گیا۔ یہاں سے اس نے بلندی مصر کا رخ کیا جہاں کا حکمران مقوقس قبطی تھا راہ میں بڑی بڑی فوجیں عمرو بن العاص کی سد راہ ہوئیں لیکن آگے بڑھنے میں مزاحمت نہ کر سکیں

لیکن آگے بڑھنے میں مزاحمت نہ کر سکیں۔ اسی اثنا میں ارطفول جو فلسطین سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوا تھا ایک قوی لشکر کے ساتھ مقابلہ میں آیا ایک دن کی خونریز جنگ میں ارطفول مارا گیا۔ عمرو بن العاص وادئ نیل میں ہوتا ہوا ہیلیو پولس میں پہنچ گیا۔ یہاں کا حاکم مقوقش قبطی تھا۔ اس نے چار دن کی مہلت مانگی۔ فوراً مشورہ کرنے اور جنگ کی تیاری کے لئے اسے چار دن کی مہلت دی گئی۔ پانچویں دن سخت جنگ شروع ہوگئی قبطی ایسے جان توڑ کر لڑے کہ مسلمانوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

عمرو اپنی فوج سے آگے تھا اور دشمن کو برابر دباتا ہوا چلا جاتا تھا قبطیوں نے اپنی بہادری کی بانگی عرب جنگ آوروں کو پوری دکھا دی جب عرب بڑھے چلے گئے تو قبطی پس پا ہوگئے اور ان کے افسروں نے یہ کہا جو لوگ کسریٰ اور قیصر کو شکست دے چکے ہیں ان سے ہم کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پس پا ہوتے ہوتے وہ قلعہ میں محصور کر دئے گئے محاصرہ کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ زبیر کی شجاعت نے بہت جلد محصورین کی قسمت کا فیصلہ کر دیا زبیر کمندیں ڈالکر قلعہ کی دیواروں پر چڑھنا چاہتا تھا کہ مقوقش کے پاس سے ایک سفارت صلح کی درخواست لیکر آئی فوراً ان کو امان دیگئی۔ یہ طے پا گیا کہ جو شخص مسلمان نہیں ہے بشرطیکہ وہ بالغ ہو دو دینار جزیہ کے ادا کرے اور باقی ماندہ شرطیں وہی تھیں جو شامیوں سے کی گئی تھیں بہت سے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں لگے۔ قاعدہ کے موافق غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ شریف بھجوا دیا گیا۔ یہی کیفیت یونانیوں اور اہل نیوبیا سے ظہور میں آئی اور ان ہی شروط پر انہیں بھی امان دی گئی۔ یونانی مفتوحہ اقوام کے ساتھ ہمسایہ رہنے کو پسند نہ کرتے تھے اسلئے وہ ساحل سمندر کی طرف چلے گئے مسٹر گبن نے اس واقعہ کی بابت یوں تحریر کیا ہے جسکو ہم بلفظ درج ذیل کرتے ہیں " مقوقش ایک شریف اور نجیب مصری جنگ ایران کے بعد آزاد ہو گیا تھا اس نے چاہا تھا کہ مصر کا انتظام بطور خود کرکے ہرقل

کے ظلم وستم سے اسے نجات دوں کہ اسی اثنا میں مسلمانوں سے اسکا مقابلہ ہوگیا۔ جب وہ محصور ہوکر تنگ آیا اور اپنا قلعہ فتح ہوتا دیکھا تو اسنے چاہا کہ میں اپنے کو مسلمانوں کے سپرد کردوں اول ہی مکالمہ میں اسنے عمرو بن العاص کی زبانی بخندہ پیشانی بلا غضب و غصہ بیہودہ لفظ سنے جزیہ یا تلوار۔ یہ سنکر مقوقس نے جواب دیا "یونانیوں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ تلوار کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ اٹھائینگے۔ لیکن میری یونانیوں سے سنگت اور کچھ میل جول نہیں ہے۔ اس دنیا میں میں ان سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں نہ آیندہ زمانہ میں قسطنطینیہ کے ظالم شاہوں انکی کیلدی انجمن اور ماتحت غلاموں سے ہمیشہ کیلئے قطع تعلق کرتا ہوں کیونکہ میں اور میرے بھائی حضرت عیسیٰ کے دین اور موجودہ انجیل اور مذہب تثلیث میں زندہ رہنا اور اسی میں مرنا چاہتے ہیں ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم آپکے نبی کا دین قبول کرلیں۔ لیکن صلح کے خواہشمند ہیں ہم آپکو خراج سال بسال بھیجتے رہینگے اور آپکے خلفا کی اطاعت کرنی ہمارا فرض ہوگا۔ عمرو بن العاص نے انہیں انکے مذہب پر رہنے کی آزادی دیدی اور باہم معاہدہ ہوگیا۔ عمرو بن العاص کی پرشوق طبیعت سے ایک جگہ چین نہ لینے دیتی تھی اس فیصلہ کے بعد اسنے چندروز بھی یہاں آرام نہیں لیا اور سیدھا اسکندریہ کی طرف روانہ ہوگیا جو آج کل مصر کا دارالخلافہ تھا۔ عمرو بن العاص کے پاس گو اسقدر فوج نہ تھی پھر بھی وہ ارادہ کا پورا باگیں اٹھائے ہوئے اللہ اور اپنے بازو کے بھروسہ پر اسکندریہ کی طرف بڑھا چلا جاتا تھا۔ ممفس سے اسکندریہ تک سفر میں عمرو بن العاص نے اپنی حفاظت مصریوں کی خیر خواہانہ جوش پر منحصر کی تھی پل باندھکر فوراً مصریوں نے مرمت کردی اور ہر منزل پر مسلمانوں کے لئے اس کثرت سے رسد کا سامان جمع کردیتے تھے کہ پھر انہیں کسی چیز کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ یونانی جنکی تعداد بیسویں سے دسواں حصہ تھی اس عالمگیر بغاوت سے مغلوب ہوگئے۔ مجسٹریٹ یونانی اپنی عدالتوں سے کافور ہوگئے اور یونانی بشپ گرجوں سے بھاگ بھاگ کر چلے گئے اور جو گرجے یہاں دور و دراز تھیں وہاں وہ اپنی بگڑی کی حالت

میں گھر گئے اگر انہیں سمندر رستہ نہ ملتا تو ایک بھی یونانی بچہ دلیسیوں کے ہاتھ سے بچکر نہ نکلتا
مسلمانوں کے حملہ سے پہلے مصری یونانیوں سے تنگ آ گئے تھے۔ گبن لکھتا ہے کہ جب مصری مسلمانوں
کی حفاظت میں آئے ہیں تو اسی دن سے یونانی پادریوں اور رومی بشپوں کے مظالم سے انہوں نے
رہائی پائی مصریوں نے سینٹ سرل کا گرجہ توڑ ڈالا اور پادریوں کی پاک عمارتوں کی اینٹ سے
اینٹ بجادی یہ موقع انتقام کا مسلمانوں کی سرپرستی میں انہیں بہت اچھا ملگیا کہ انہوں نے
اپنے جانی دشمنوں سے مدت کے بعد انتقام لیا۔

ممفس میں جب قبطیوں کے بڑے مقتدی نے جو یونانیوں اور رومیوں کے ظلم سے صحرانشین ہو گیا تھا
عمرو بن العاص کی فتح کی خبر سنی وہ دوڑا ہوا عمرو بن العاص کے پاس آیا اور آتے ہی اس نے یہ فقرہ کہا "
ہم تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے ہمیں دو بھیڑیوں کے پنجوں سے نجات دی" پھر باہم بڑی دیر تک باتیں ہوتی
رہیں عمرو بن العاص کہتا ہے میں نے ایسا خلیق اور شائستہ پادری اپنی عمر میں نہیں دیکھا۔ اسکا نام بنجمن تھا۔
بلندی مصر کے صوبوں سے یونانیوں کی مفروری نے جزیرہ ڈلٹا میں ایک قوی لشکر جمع کرنے کا
موقع دیا نیل کے فطری اور مصنوعی نالیوں اور دہاروں نے مدافعت کیلئے مضبوط مقامات کا سلسلہ
قایم کر رکھا تھا اسکندریہ کا رستہ بائیس دن میں مسلمانوں نے تلواروں سے صاف کر دیا جو دستہ
یا دشمن کی پلٹن مقابلہ میں آئی وہ ہی تہ تیغ کی گئی۔ اسکندریہ کا دہاوا اور اسکا محاصرہ
مسلمانوں کی تاریخ میں مشہور واقعہ ہے۔ دنیا کا پہلا تجارتی شہر طرح طرح کی فصیلوں اور بڑی بڑی
گہری کہائیوں سے محفوظ تھا۔ بظاہر اس کی صورت غیر قابل فتح معلوم ہوتی تھی سکندر نے جب
اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی اسکی حفاظت اس ہوشیاری سے کی تھی کہ کوئی دشمن یکایک اسپر
قبضہ نہ کرسکے۔ وہ ہشیار باشندے جنکے حقوق کو اسکندریہ میں بڑی فراخی کے ساتھ وسعت دی تھی
ان میں ہر متنفس شمشیر بدست تھا۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کو تیار تھے سمندر کا رستہ ہمیشہ سے

کھلا ہوا تھا۔ اتنے میں ہرقل دوبارہ بیدار ہوا اور اپنی سلطنت کے دوسرے دارالخلافہ کے بچانے کے لئے اس نے کئی جہاز لشکر جرار سے بھرے ہوئے اسکندریہ کی حفاظت کے لئے روانہ کئے۔ یہ وہ بحری فوج تھی جس پر تمام سلطنت قسطنطینہ کو ناز تھا۔ دس میل چوکور زمین میں یونانیوں کی فوجیں پڑی تھیں۔

مگر اس زاویہ قائمہ بنانے والے مربع کی مستطیلی دو طرفیں سمندر اور جھیل میریوٹس سے ڈھکی ہوئی تھیں اور اس کی ہر تنگ انتہا کے آگے دس فرسنگ سے زیادہ زمین نہ چھوٹی تھی۔ عربوں کی لاثانی کوشش اور جانبازیاں صرف دین خدا کی اشاعت اور مظلومین کا انتقام لینے پر منحصر تھیں اس امر کا یقین تھا کہ خدا نے ہمیں مظلومین کی سرپرستی کیلئے پیدا کیا ہے اور انکی حمایت کرنی ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں مدائن سے شہر اور لشکر گاہ کی طرف برابر لڑ رہی تھیں گو تمام اُنکے آگے اس قدر عرصہ حائل تھا پھر بھی شب و روز کی خبروں نے ان تمام حائل چیزوں کو صاف اُڑا دیا تھا اور آپ مدینہ سے بخوبی شہر اسکندریہ اور اسکے لشکر گاہ کو دیکھ سکتے تھے۔ اسکندریہ کی مظلومین کی آہ و زاری کی دردناک صداؤں نے حضرت عمرؓ کے رحم کو جنبش دی اور پھر اشارہ ہوتے ہی فلسطین سے عمرو بن العاص روانہ ہوا۔ اس پاک جنگ کا مفہوم بے نواؤں اور مصیبت زدوں کی حمایت تھا۔

مسلمان اسکندریہ کی دیواروں کے نیچے آ پڑے تھے روزمرہ جنگ ہوتی تھی اور کوئی نتیجہ طرفین کو حاصل نہ ہوتا تھا۔ اسکندریہ والے مسلمانوں کی جانبازی دیکھ رہے تھے کہ کیسی دھوم دھام سے لڑ رہے ہیں اور انہیں ایسے زبردست قلعہ کے فتح کر لینے کیسی اُمیدیں ہیں۔ جتنے مورچے اسکندریہ والوں نے قلعہ کے باہر بنائے تھے وہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے اور وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے خاص قلعہ میں جا کر محصور ہو گئے عمرو بن العاص کی بے محابا دلیری

فتح میں اتنی دیر ہونے سے بیچین تھی اخیر ایک دن اس نے کھائیوں کو پھلانگ کر چاہا کہ قلعہ میں چلا جاؤں۔ یہاں عمرو بن العاص کو اس کی بیسے ڈہرک دلیری نے دہوکا دیا وہ گرفتار شدہ صحرائی شیر کی طرح کئی دن سے بیچین ہو رہا تھا اخیر ایک دن اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ آج شب کو قلعہ میں داخل ہونا چاہیئے اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو لیکر کھائی میں کود پڑا اور سیدہا قلعہ کی دیوار کے بندہن کو پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور بعد ازاں خطرناک دلیری سے سپاہیوں کے قلعہ میں اتر گیا عمرو بن العاص کی خطرناک شجاعت نے اسے یہی دہوکا دیا تھا کہ وہ آدمی زیادہ نہ لیگیا۔ وہاں ایک لاکھ سے زیادہ بھرے ہوئے تھے ان حملہ آوروں کی جن کا شمار صرف انگلیوں پر تھا دال نہ گلی وہ وہاں سے پس پا کر دئے گئے صرف عمرو بن العاص اور ان کا ایک غلام اور ایک ساتھی گرفتار ہو گئے۔ عمرو بن العاص کو یہ خیال نہ تھا کہ میں کھڑا کہاں ہوں اور میری کیا حالت ہے اپنے اسی سردارانہ جوش اور اپنی سپہ سالاری کی ہوا میں کڑک کر بولا اور کچھہ توہین آمیز الفاظ زبان سے نکالے۔ یہ سنتے ہی ایک یونانی نے گردن اڑانے کے لئے تبر اٹھایا ہی تھا کہ عمرو بن العاص کے غلام نے چالاکی سے ایک مکا اپنے آقا کے گلے پر مارا اور کہا کہ تو بھی بڑا بے ادب ہے اس آتش زبانی سے تجھے کیا سروکار تو معمولی ایلچی ہے۔ رموز مملکت خویش خسرواں دانند جو کچھہ تجھے کہنا ہو اپنے آقا کے ہمسروں کے آگے عرض کر اور پھر بہت جلد یہاں سے چل کیونکہ ہمارا آقا رستہ دیکھہ رہا ہوگا یہ سنتے ہی عمرو بن العاص نے خطرہ کے وزن کو پہچانا اور اب اس نے ایلچیوں کی سی معمولی گفتگو کی بیوقوف یونانی دہوکے میں آگئے اور فوراً معمولی باتوں کے بعد ان کو جانے کی اجازت دی جب عمرو بن العاص اپنے لشکر میں پہونچ گیا تو مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار کے بچکر آنے سے بہت خوشی کے نعرہ مارے اور یونانیوں کی ناواقفی پر قہقہے اڑائے چودہ مہینے کے محاصرے کے بعد مسلمان غالب آگئے یونانی بھی اسقدر جان توڑ کر لڑے

لڑے کہ جس کی انتہا نہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنی بہادری کے پورے نمونے دکھائے مگر ان کی قابل توصیف بہادری مسلمانوں کی تلوار کے آگے کچھ نہ چلی اور وہ کٹ کٹ کر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اسلامی پھریرا مصر کے دار الخلافہ کے جگر میں لہلہانے لگا فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاص نے جو نامہ حضرت عمر کو لکھا حسب ذیل ہے:

میں نے مغرب کا بہت بڑا شہر فتح کیا۔ میں اس شہر کی خوبصورتی اور دولتمندی کی تعریف نہیں کر سکتا میں یہ دیکھکر خوش ہوا کہ اس میں چار ہزار محل چار ہزار حمام۔ چار ہزار تھیٹر اور دل لگی کے مقامات ہیں۔ بارہ ہزار دکانیں غلہ ترکاری اور میوہ جات کے فروخت کرنے کی ہیں علاوہ اور قوموں کے چالیس ہزار یہودی آباد ہیں۔ صرف تلوار کے منہ پر اس شہر کو فتح کیا ہے اور دست بدست جنگ کرنیکے بعد ہم اس خوبصورت مقام پر قابض ہوئے ہیں مسلمان فتح کا پھل حاصل کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔''

اس نامہ کا حضرت عمر نے فوراً یہ جواب دیا کہ تم ہرگز لشکر کو واپس ہونے کی اجازت نہ دینا جسقدر مال ہو وہ سب محفوظ کر لیا جائے کیونکہ عامۂ خلایق کے فائدہ کے کاموں میں وہ صرف کیا جائیگا۔ ہرگز کسی باشندے کو مت ستانا اور محاصل ملک کی جمع بندی ہمارے مقررشدہ قواعد کے موافق کی جائے۔ اسکندریہ کی موجودہ سرسبزی اور بہبودی میں کچھ فرق نہ آئے'' جونہی یہ خط عمرو بن العاص کو پہنچا اس نے فوراً خلیفہ کے خط کی تعمیل کی اور کل ہدایتوں کے موافق بندوبست کر لیا۔ ہرقل نے اسکندریہ کے مسلمانوں کے قبضہ میں چلے جانے کی خبر سنی وہ کلیجہ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ گیا تمام جہان اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہو گیا۔ زمین پیروں کے نیچے سے

نکل گئی اور اس کا دل کچھ اس شکست سے ایسا سوسا گیا کہ پھر وہ پلنگ سے نہ اٹھا اور سکندریہ کی فتح کے سات ہفتے بعد مرض استسقا میں انتقال کر گیا۔

ہرقل کے پوتے کی ماتحتی میں جب لوگ خوراک سے عاجز ہو گئے کیونکہ ان کی پرورش صرف مصر سے ہوتی تھی تو انہوں نے جمع ہو کر اسے مجبور کیا کہ یوں بھوک کے مرنے سے تلوار کے منہ پر مرنا بہتر ہے فوراً دار الخلافہ مصر مسلمانوں سے واپس لینے کے لئے آمادہ ہونا چاہئے چار برس کے عرصہ میں ایک لشکر جرار مسلمانوں کو مصر سے نکال دینے کے لئے پھریرے اڑاتا ہوا پہلے سمندر میں دکھائی دیا۔ سمندر جہازوں سے ایسا پٹا ہوا تھا گویا پانی میں کوئی ٹاپو نکل آیا ہے اور ایک شہر بستا ہے عمرو بن العاص اسوقت طرابلس اور نامہ کی خونخوار جنگوں میں مشغول تھا وہ خبر پاتے ہی جھپٹا اور اسنے قسطنطنیہ والوں کا سارا جوش تلوار کے پانی سے بجھا دیا۔ کل جہاز ان کے گرفتار کر لئے گئے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ اگر میں اسکندریہ کے کتب خانہ کی قسمت پر منہ میں گھنگھنیاں ڈالوں گا تو گویا میں نے اپنی کتاب کے پڑھنے والے کو دھوکا دیا فاضل ابوالفرج نے اسپر اچھی رائے دی ہے عمرو بن العاص کی طبیعت اپنے اور ساتھیوں کے مقابل میں ایک عجیب اور آزاد فطرت کی تھی۔ وہ اپنے فرصت کی ساعتوں میں جان سے جو بہت بڑا فلاسفر اور عالم صرف و نحو تھا باتیں کیا کرتا جب اسنے سپہ سالار کا رجحان اپنی طرف دیکھا اور اسکی خلق آمیز گفتگو سے مطمئن ہوا تو یہ التماس کیا کہ یہ شاہی کتب خانہ جسپر حضور کا ابھی تصرف نہیں ہوا ہے مجھے بخشدیا جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہمارے آگے یہ کتبخانہ مہمل ہے مسلمانوں کے آگے اسکی ساری کتابیں فضول ہیں ضرور میری استدعا قبول ہوگی اور پھر اس کتبخانہ پر کچھ آنچ نہ آئیگی عمرو بن العاص چاہتا تھا کہ اسکی استدعا قبول کر کے کتب خانہ اسے واپس دیدیا جائے لیکن اسکی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت عمر کے حکم بغیر ذرا سی بھی کوئی بات کرنے پاتا اس نے فوراً حضرت

لہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی بابت کئی رسالے اور مضمون شایع ہو چکے ہیں اسلئے ہمیں اسے زیادہ طول دینا بہتر نہ تھا صرف مورخ اعظم گبن کا قول نقل کر دیا گیا ہے جو بڑی تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے۔

عمر کی خدمت میں اسکی بابت تحریر کیا وہاں سے یہ جواب آیا "اگر یونانیوں کی یہ کتابیں قرآنی مطالب سے مطابقت کھاتی ہیں تو وہ فضول ہیں ان کا محفوظ رکھنا بالکل غیر ضروری ہے اگر یہ الٰہی احکام سے خلاف ہیں تو سخت مضر ہیں ان کو فوراً برباد کر دینا چاہیئے" اس حکم کی ادنیٰ نافرمانی سے تعمیل کی گئی۔ چار ہزار حماموں میں وہ کمائے ہوئے چمڑے جنپر لکھا ہوا تھا مع تحریری کاغذی کتابوں کے تقسیم کر دیے گئے۔ اتنی کثرت سے کتابیں تھیں کہ چھ مہینے تک حماموں میں ان کا ایندھن کافی ہوا جبتک ابوالفرج کے خاندان میں لاطینی زبان رہی یہ کہانی پے در پے نقل ہوتی چلی گئی اور ہر ایک طالب علم خدا پرستی کے طیش میں علوم و فنون کی اس تباہی و بیقدری اور ذلت پر دانت پیستا رہا لیکن مجھے اس سے بالکل انکار ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں نے یہ کتب خانہ نہیں جلایا۔ اسکی وجہ بھی بہت بڑی عجیب ہے "پڑھو اور تعجب کرو" خود مورخ کہتا ہے اور تہمار پورٹ ایک پردیسی کی جس نے چھ صدی کے اختتام پر حدود سیریا پر لکھا جو مصریوں اور عیسائیوں کی خاموشی کے باعث سے زیادہ وزن رکھتا ہے ان میں سب سے زیادہ قدیمی بطریق ابوتی چیٹیس ہے جس نے اسکندریہ کی فتح کی کیفیت پوری پوری لکھی ہے اسکے علاوہ حضرت عمر کا نا ملایم حکم مسلمانوں کے مذہبی احکام سے متناقض پڑتا ہے۔ وہ علماء کھلا اسبات کا دعوی کرتے ہیں کہ یہودیوں کی مذہبی احکام کی کتابیں اگر غنیمت میں آجائیں تو کبھی انہیں ضائع نہ کرنا چاہیئے مورخوں شاعروں طبیبوں فلسفیوں کی کتابیں بخوبی مسلمانوں کے استعمال میں آسکتی ہیں۔ شاید مسلمانوں کو کفار کی ہر چیز برباد کرنے کا جوش آیا ہوگا اسلئے نبی عربی نے یہ حکم صادر فرمایا میں نہ تو اسکندریہ کے کتب خانہ کی تباہی کا حال بیان کروں گا اور نہ اس شعلہ کی نسبت کچھ کہوں گا کہ جو قیصر نے اپنی مدافعت کے لئے روشن کیا تھا۔ نہ میں عیسائیوں کے ضرر رساں تعصب کو دوہراؤں گا جنہوں نے بت پرستی کی ایک بہت بڑی یادگار کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکدیا۔

لیکن اگر ہم رفتہ رفتہ زمانہ اینٹی نولیس سے تھیوڈوسٹس پر ملاحظہ کریں تو ہم ہمعصر شہادتوں کے ایک سلسلہ سے یہ پائینگے کہ شاہی محل اور سیریپس کا عظیم الشان مندر جسمیں چھ سات لاکھ سے کم کتابیں نہ تھیں جو بٹولیموں کی اولوالعزمانہ کوششوں کی وجہ سے جمع کی گئی تھیں شاید گرجے اور بطریقوں کی جگہ اس خزانہ کتب سے دولتمند بجا تی لیکن آرئن اور موتوفی زائٹ کے بڑے بڑے علمی ڈھیر حاموں کو سونپ دیے گئے تھے۔ ایک فلسفی اس صورت میں مسکرا کر یہ لکھسکتا ہے کہ یہ کتابیں آخر الامر تو ان کے فائدہ ہی کے لیئے قربان کر دی گئیں لیکن ایمانداری سے ان قیمتی کتب خانوں کے برباد ہو جانے کا افسوس کرتا ہوں جو رومۃ الکبریٰ کی سلطنت کے ساتھ تباہ ہو گئے۔"

ایک دن جاآن عمرو بن العاص کو اسکندریہ کے عجائبات دکھا رہا تھا کہ ابن العاص کی نظر جلے بھنے کھنڈروں پر پڑی جو بربادی کی حالت میں بھی اپنے بانیوں کی شوکت ظاہر کر رہے تھے عمرو بن العاص نے دریافت کیا کہ یہ عمارت کونسی تھی کس نے بنائی اور کس نے تباہ کی" جاآن نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا" اے امیر المومنین یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا جسکی بنیاد ٹولیمی جنرل افواج اسکندر نے (جو گجرات پر سکندر کے ساتھ پورس سے لڑا تھا اور جو بہت بڑا حکیم تھا) ڈالی تھی۔ مدت تک اسکی نسل اس کتب خانہ کو نئی نئی کتابوں سے رونق دیتی رہی میں کمبخت بھی اسی کی نسل میں ہونے کا فخر کرسکتا ہوں مگر چار سو برس ہونے کو آئے کہ ٹولیمی ڈیلفی کس نے باہمی ضد اور مذہبی تعصب سے اُسے جلا دیا۔ یہ سنکر عمرو بن العاص کو بہت رنج ہوا اور ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو رہا۔ ان تمام بین شہادتوں سے جو پے در پے ہمیں پہنچی ہیں یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں نے اس کتب خانہ کو نہیں جلایا۔ +

غرض جب بالکلیہ مصر پر عمرو بن العاص نے قبضہ کر لیا تو اسکے انتظام کی تدبیریں عمل میں

اپنی عمر کی وجہ سے جنکی انتظامی قابلیت اعلیٰ درجہ پر بڑھی ہوئی تھی۔ نہایت انصاف اور روشن دماغی سے اس نے مصر کا انتظام حضرت عمر کے مشورہ سے انجام دیا۔ فتح جدید کے ہنگامہ اور اس سے نجات ملنے کے عرصہ میں عربوں کی تلوار اور قبطیوں کی تعداد بہبودی کے لئے نہایت نا مساعد تھی اسلیئے اس نے یہ اعلان دیدیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قلم مبارک کا لکھا ہوا تھا کہ اگر کسی عرب نے اپنے کو فاتح سمجھکر کسی مصری کو ستایا اور اسے دُکھ دیا تو اس کو وہی سزا دیجائیگی جو ایک ایسے مجرم کے لیئے لایق اور شایاں ہو سکتی ہے۔ قبطیوں کو یہ فہمایش کر دی کہ ہماری حفاظت میں تم اسی حالت میں خوش و خرم رہ سکتے ہو کہ جب تم ہمارے خیر خواہ بنے رہو گے ایمانداری سے ہمیں سلطنت کے کاموں میں جو تمہارے ملک کی بہبودی کے لیئے کیئے جائینگے ہماری مدد کرو گے اور ہمیں اسی توقیر کی نگاہ سے دیکھو گے جسکے ہم شایاں ہیں۔ خدا پر ہمیشہ بھروسہ رکھو اور خلیفہ کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لو اسی سے تمہاری بہبودی متصور ہے اور یہی رستہ تمہاری ترقی کے لیئے کافی ہوگا۔ ہمارے دشمنوں کے تم بھی دشمن ہو اور ہمارے دوستوں کے تم نیک خواہ دوست ہو تو تمہیں تمہاری ان وفادارانہ کوششوں اور خیر خواہیوں کا برابر صلہ ملتا رہیگا۔ حضرت عمر نے انتظام میں محاصل کے بہ جابرانہ اور بیرحم طریقہ سرشماری کا ناپسند فرمایا جیسا قسطنطینیہ کی گورنمنٹ میں رائج تھا بلکہ بجائے اسکے نہایت منصفانہ صورت یہ نکالی کہ ملک کی ہر شاخ پر ایک خاص محصول مقرر کر دیا جس محصول کا اکثر حصہ زراعت اور پبلک منفعت کے لئے صرف کیا جاتا تھا کاشتکاروں کو خزانہ شاہی سے مدد دیجاتی تھی اور تاجروں کی دستگیری کرنے کا بھی علیحدہ فنڈ مقرر تھا۔ محاصل مصر کا تیسرا حصہ صرف نہروں اور پشتوں کے بنانے پلوں کے مرمت کرنے یا نئے تعمیر کرنے میں صرف ہوتا تھا جو خاص رعایا کو فائدہ پہنچانے کی باتیں تھیں ایسی گورنمنٹ حضرت عمر کا کوئی فائدہ نہ تھا چونکہ حضرت عمر اپنے فرائض منصبی میں مخلوق کو نفع پہنچانا

فرض سمجھتے تھے اسلئے آپ کا خیال دولت سے خزانہ پر کرنے کا نہ تھا۔ محض اس برتر ذات کی غرض مخلوق اللہ کو فائدہ پہنچانے کی تھی۔ مصر کی سرسبزی نے اور حضرت عمر کے عمدہ انتظام نے عرب کے قحط زدہ ملک کو بہت کچھ سہارا دیا۔ صدہا اونٹ اور خچر غلے کے بھرے ہوئے مصر سے مدینہ کی سڑک پر جاتے دکھائی دیتے تھے۔ حتی الوسع مصریوں کی ضروریات اور فائدہ رسانی کی سب چیزیں مہیا کی جاتی تھیں۔ صدہا نہریں تیار ہو گئیں اور کثرت سے سڑکیں بنا دی گئیں۔ مصریوں کو آزادی دیدی تھی کہ جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو فوراً گورنر مصر کے ہاں باقاعدہ درخواست پیش کرو اگر وہاں اسکی تعمیل میں تامل ہو تو مدینہ بھیجد[illegible] انتظام کردیا جائیگا۔ قبطیوں کی آتش زبانی اور انکے دین کی تلقین کو مطلق رد کا نہ گیا تھا جس طرح کہ مسجدیں آزاد تھیں اسیطرح گرجے بھی آزاد کردئے گئے تھے اور جیسے ہر مسجد کے ساتھ ایک گاؤں ضرور وقف ہوا کرتا تھا اسیطرح ہر گرجہ کو بھی زمین دیجاتی تھی کہ جاہی جمع بندی سے گرجہ کے تمام اخراجات کو بطرز احسن سنبھالے رکھتی تھی۔ پادریوں کی وہ ہی عزت کی جاتی تھی کہ جو ان کی خاص مذہبی گورنمنٹ میں ممکن ہو سکتی +

مقدمات میں صدہا فیصلے مسلمانوں کے خلاف قبطیوں کے موافق صادر ہوتے تھے مصری کہا کرتے تھے کہ سلطنت کیا ہی خدا کی رحمت ہی جس نے ہمیں یوں خوش اور آزاد و دولتمند بنا دیا ہی۔ حضرت عمر نے اپنے سپہ سالار ابن العاص کو لکھکر بھیجا کہ مصر کے آدمیوں اور اس سرسبز ملک کی جغرافیائی حالت سے تم مجھے آگاہ کرو۔ اسکے جواب میں عمرو بن العاص نے یہ نامہ حضرت عمر کی خدمت میں روانہ کیا "اے امیر المومنین مصر سیاہ زمین اور سرسبز بودوں سے مرکب ہے۔ جو بحری کے پہاڑوں اور سرخ ریت کے درمیان واقع ہی۔ سینا سے اگر سمندر تک کوئی گھوڑے سوار جانا چاہے تو ایک مہینہ میں پہنچ سکتا ہے۔ پہاڑیوں میں سے دریا نکلنے

جو اسکی سرسبزی اور بار آوری کے پورے باعث ہیں اور جو چاند و سورج کی گردش اور انقلاب کی وجہ سے نکلتے اور گرتے ہیں۔ جب فطرت کی سالانہ تقسیم کی نوبت آتی ہے تو وہ پانی کے منبعوں اور چشموں کا قفل کھول دیتی ہے تاکہ وہ زمین کو بار آور کریں دریائے نیل مصر کی مملکت کو سیراب کرتا ہوا ادھر سے اُدھر نکلجاتا ہے تمام کھیت اس زرد سے لدے پھندے دکھائی دینے لگتے ہیں فطرت کا چہرہ خوشنما اور صحت بخش ہو جاتا ہے اور جہانتک ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک نگاہ جاتی ہے ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہے کاشتکار اور دہقانی ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور باہم مبارکباد کہتے ہیں۔ دریائے نیل کی رَو زمین کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ اس میں بیج بخوبی پھلے پھولے اور بار آور ہو زمینداروں اور کاشتکاروں کا ہجوم جب وہ زمین کے جوتنے بونے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں محنتی چیونٹیوں کی سرگرانہ محنت سے ان کی مُٹت کذائی بہت مشابہ ہے۔ ان کی دلیسی سستی فطرت کے ایک سالانہ تازیانہ سے بالکل جاتی رہتی ہے جب فطرت ان سے یہ وعدہ کرتی ہے کہ اب کے سال تمہاری بھیڑ و تری ہوگی اور تمہارے کھیتوں میں غلہ اور صحرا میں پھول باغوں میں میوے زیادہ پیدا ہونگے۔ ان کی اُمیدیں کا ہے یا یوسی میں بھی اپنا جلوہ کر لیتی ہے۔ لیکن وہ دولتیں جو اُنہیں گیہوں جو۔ چانول مٹر ارد۔ میوہ۔ درخت۔ اور مویشیوں سے حاصل ہوتی ہیں بے انصافی سے انہیں تقسیم ہوتی ہیں کہ جو محنت کرتے ہیں اور جو ان کے مالک ہیں موسموں کے تغیر و تبدیل کے مطابق ملک کا چہرہ رو پہلی موجوں سے آراستہ یا چھپا یا ہوا معلوم ہوتا ہے پختہ اناجوں کی سنہری فصلیں کیا ہی بھلی دکھائی دیتی ہیں۔ فقط

یہ ایک مقررہ بات تھی کہ جہاں کوئی ملک فتح ہوا اور فوراً اسکی پیمائش کرلی گئی اور تمام اسکی جغرافیائی حالت سے حضرت عمر کو اطلاع کی گئی۔ دوسرا خط جو عمرو بن العاص نے مصر کی

جغرافیائی اور تاریخی حالات کا لکھا تھا وہ بہت طول طویل ہو اس میں ایک ایک قطعہ زمین کی پیمائش اور نوعیت درج ہو آبادی کا بھی پورا تذکرہ کیا گیا ہو اور آدمیوں کی نسلیں اور انکے خاندانوں کا حال بھی بخوبی درج ہو چونکہ آجکل مصر کی جغرافیائی حالت بچہ بچہ جانتا ہو اس لیئے عمرو بن العاص کی وہ طول طویل رپورٹ نقل کرکے ناظرین کا وقت لینا نہیں چاہتا +

عمرو بن العاص نے چاہا کہ میں اپنا قیام اسکندریہ میں رکھوں لیکن حضرت عمر نے یہ نہ چاہا کہ وہ چھاونی سے اتنی دوری پر رہے اسلیئے اسے بلندی مصر جانیکا حکم ہوا۔ عربوں کے ایک گروہ نے دریائے نیل سے عبور کرکے اپنا قیام غازیہ میں کیا جو مغربی کنارہ پر واقع ہو حضرت عمر نے حکم دیا کہ اسی مغربی کنارہ پر فوراً ایک مضبوط قلعہ کی تعمیر کی جائے تاکہ وقت پر وقت کام دیسکے حکم ہوتے ہی بہت جلد قلعہ بنکر تیار ہو گیا۔ لشکر اسلامیہ کی چھاونیاں ممفس کے نزدیک قرار دی گئیں انکے گرد جنگی اسٹیشن بہت سے بنگئے جو تیزی سے موجودہ دارالخلافہ مصر تک پھیلتے چلے گئے یہاں عمرو بن العاص نے ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد ڈالی جو ہنوز اپنے بانی کے نام سے مشہور ہے +

زبیر نے عمرو بن العاص کو اسبات پر آمادہ کیا کہ حق فتح کے لحاظ سے زمین کو اپنی ساتھیوں میں تقسیم کردے عمرو بن العاص نے اس سے انکار کردیا اور حضرت عمر نے زبیر کی اسبات پر توجہ نہ کی بلکہ برخلاف اسکے آپنے صاف حکم دیدیا کہ عرب ایک ایکڑ زمین کے بھی مالک نہیں بن سکتے۔ جن کی زمینیں کہ پشتوں سے چلی آتی تھیں ان ہی کو دیدی گئیں یہانتک کہ عمرو بن العاص نے حضرت عمر سے اجازت چاہی کہ ایک قطعہ زمین پر مجھے ایک مکان بنانے کی اجازت دیجائے۔ حضرت عمر نے اسکو بھی منظور نہ فرمایا۔ اور دوسرا حکم صاف دیدیا کہ ایک انچ زمین پر بھی کوئی عرب قبضہ نہیں کرسکتا۔ یہ حضرت عمر کی بہت بڑی حکمت تھی کہ اگر عربوں کو اجازت

دیدی جاتی کہ وہ اپنے لئے مکانات بنالیں اور مسلمانوں کی تقسیم ان میں ہو جاتی تو علاوہ حضرت ملک کے ان کی جنگی روحیں بدل جاتیں اور پھر دیسیوں کے مانند آرام طلب ہو جاتے۔

عمرو بن العاص نے دیکھا کہ مصری اپنی زندگی تکلفانہ صورت اور عیش پسند حالت میں بسر کرتے ہیں اسلئے ان کی نگاہیں عربوں کی سادہ کفایت شعاری پر اچھی نہیں پڑتیں اور وہ کسی قدر وقعت سے نہیں دیکھتے۔ عمرو بن العاص نے چاہا کہ ان کا یہ خیال مٹا دیا جائے تاکہ انہیں اس امر کا یقین ہو جائے کہ عربوں کی اس سادہ زندگی پر برے طور سے خیال کرنا ہماری سخت نافہمی ہے۔

پہلے دن لایق سپاہ سالار نے اپنی فوج کی بدؤں کی صحرائی طریقہ پر دعوت کی اونٹ ذبح کئے گئے اور ان کا کھانا پک کے تیار ہوا جس وقت عربوں نے کھانا شروع کیا مصریوں نے نہایت تعجب سے دیکھا کہ ایسا بساند کھانا ان کے حلق سے کیوں کر اترتا ہے۔ جبتک وہ کھاتے رہے نہایت تعجب سے تکتے رہے گویا انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ دوسرے دن عمرو بن العاص نے مصریوں کے پر تکلف طریقہ پر اپنے لشکر کی دعوت کی بڑے بڑے پر تکلف کھانے پکائے گئے جنگجوؤں نے ان کھانوں کو بھی اسی ذائقہ سے کھایا جیسے اپنے ہاں کے کھانے کھائے تھے تیسرے دن بہادر جنرل نے بہت بڑی پریٹ کی اور جنگ کے قاعدہ پر لشکر کو آراستہ کیا ہزاروں مصری یہ بھی تماشہ دیکھنے آئے اس وقت بہادر جنرل نے مصریوں کے غول کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہا پہلے دن کی دعوت تم نے دیکھی یہ ہمارا گھر میں زندگی گزارنے کا سادہ طریقہ ہے۔ دوسرے دن کی دعوت اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ ہم مفتوحہ زمین کی پر تکلف چیزوں سے لطف اٹھا سکتے ہیں اور پھر بھی ہماری وہی جنگی چستی باقی ہے۔

قبطی یہ سمان دیکھکر باہم یہ ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس سے عرب ایسا نہ کا ... طرف

یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی تعظیماً اطاعت کریں بس ہمارے لئے یہی کافی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے جنرل کی اس کارروائی کو سنا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ملک گیری صرف قوت بازو اور دلیری ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ خداداد عقل کی بھی اس میں ضرورت ہے اور وہ دونوں باتیں عمرو بن العاص میں موجود ہیں ایک اور عجیب و غریب واقعہ کی طرف ناظرین کی توجہ مائل کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مصر میں جیسا کہ گبن محقق نے لکھا ہے۔ سالانہ ایک دوشیزہ عیسائی لڑکی دریائے نیل کو بھینٹ دیتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف اسی بھینٹ دینے سے دریا امنڈ آتا ہے۔ ہر سال ایک نوجوان خاتون کی جان ضایع ہوتی تھی۔ عمرو بن العاص کے زمانہ میں بھی اس قہرناک دن کی آمد آمد ہوئی کہ جب ایک لڑکی کو دلہنوں کے سے کپڑے اور گہنا پہنا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیتے تھے اس لڑکی کو عروس دریائے نیل کہتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصریوں کی اس رسم کی خبر سنی اس نے فوراً ایک گارد بھیجکر منع کر دیا کہ لڑکی کبھی بھینٹ نہ دی جائے گی۔ اتفاق سے دریا نہ چڑھا اور مصریوں میں بڑی پریشانی پھیلی۔ ان بیچاروں کی سرسبزی اور بہبودی کا دارومدار جیسا کہ اوپر بیان ہوا محض دریائے نیل پر تھا باہم سرگوشیاں ہونے لگیں اور انہیں اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ بھینٹ نہ دینے کا یہ سبب ہے کہ دریائے نیل کا پتہ نہیں جب مصریوں نے اس معاملہ میں زیادہ شورش برپا کی تو عمرو بن العاص نے ساری کیفیت عمرؓ کو لکھکر بھیجی آپ نے دریائے نیل کے نام یہ رقعہ بھیجا جو بجنسہ درج ذیل کیا جاتا ہے "از امیر المومنین بجانب دریائے نیل۔ اگر گزشتہ زمانہ میں تو اپنی مرضی سے بہتا تھا تو اب بھی نہ جاری ہو لیکن اگر تو پہلے خدا کی مرضی سے بہتا تھا تو ہم اس سے دعا کرتے ہیں کہ تیرا پانی سال گزشتہ کی طرح سیراب کرتا ہوا نکلجائے" حضرت عمرؓ نے اپنے سپہ سالار کو لکھا کہ دریا میں اس خط کو ڈال دینا بس یہی کافی ہے یہ کیا گیا اور خط ڈالتے ہی دریا خوب زور شور سے موجیں مارتا ہوا اٹھا اور مصری ملک کو سیراب کر دیا

عمرو بن العاص نے پھر اپنی فتوحات کو مغرب کی طرف وسعت دی اور بارقا کو فتح کرتا ہوا طرابلس تک پہنچ گیا اور ادہر سے اُدہر تمام میدان آئینہ کردیا۔ کوئی مخالف نہ رہا تھا جو ذرا بھی سر اُٹھاکر امن میں خلل اندازی کرتا مصر بالکلیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا گو حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ہرقل کے پوتے نے دوبارہ اسکندریہ کو مسلمانوں سے فتح کرنا چاہا تھا جیسا کہ میں ابھی بیان کرچکا ہوں لیکن انہیں ایسی سخت شکست ملی کہ پھر اسکندریہ کی طرف نگاہ کرنیکا بھی یارانہ رہا۔ *

جنوبی ایران پر حملہ اور ہرمزان کا قید ہونا سنہ ۱۷ھ مطابق سنہ ۶۳۸ء

حضرت عمر کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کی فوجیں عراق عرب کی حدود تک پہنچ جائیں ابھی اسپر خیال رجوع ہوا تھا کہ واقعات نے خود اسلامی فتوحات کی لین ڈوری بڑہانے کی اجازت دی *

مدائن کے شمالی جانب اسلامی سرحد حلوان اور بڑے بڑے مضبوط مقامات پہاڑی سے خوب محفوظ ہو رہے تھے۔ نشیبی عراق میں عتبہ نے پے درپے کئی مقابلوں کے بعد اپنے کو بصرہ میں قایم کرلیا تھا جہاں سے وہ خلیج فارس تک کے ملک پر بخوبی قبضہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن ایرانی ظالم ہنوز اہواز اور رم ہرمز میں بہت قوت سے حکومت کررہا تھا۔ جو عتبہ سے سو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اسی اثنا میں علاؤ بن الحضر نے جو بحرین کی بغاوت فرو کرنے میں اعلےٰ درجہ کا ثابت ہوا تھا عتبہ اور سعد کی فتوحات کو عراق میں حاسدانہ نظروں سے دیکھا اور چاہا کہ میں بھی اُنکی سی نمود حاصل کروں ایک تنگ راستہ میں سے ہوتا ہوا سامنے والے ضلع میں پہنچا علاء ابن الحضر نے یہ حملہ نہ صرف حضرت عمر کی خلاف مرضی کیا بلکہ آپکے اس اصول کے خلاف بھی کیا کہ دہوکا دیکر بحری میں کسی ملک پر حملہ کرنا نہ چاہیئے مگر علاء بن الحضر اس میں کامیاب نہ ہوا۔ فوج ایرانی کنارہ پر اُتر گئی۔ ابتک اصطخر سے ایرانی کچھہ خبر نہ ہوسے نہ آتے ہی کوئی فوج روانہ کی لیکن کچھ زمانہ کی

فرصت دیکر وہ اصطخر سے روانہ ہوئے یہ ہنوز پہنچنے نہ پائے تھے دشمن نے آتے ہی انکو کاٹ ڈالا علاء نے ہر چند پریشان فوج کے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ سنبھل سکی اور آخر بڑی مشکل سے براہ خشکی بصرہ کی طرف آنا پڑا۔ بہت سی فوج دشمن نے گھیر لی۔ مسلمان ایک قلعہ میں محصور ہو گئے اس افسوسناک واقعہ کی خبر حضرت عمر کے پاس پہنچی آپ نے علاء کی اس حماقت پر سخت افسوس کیا مسلمانوں کے بیگناہ ضایع ہونے پر آپ کے آنسو نکل آئے اسکا علاج سوا اسکے اور کیا ہو سکتا تھا کہ فوراً عتبہ کو لکھا گیا کہ تو بہت جلد فوج لیکر محصورین کو دشمن کے ہاتھوں سے نجات دینے کے لئے پہنچ۔ یہ حکم سنتے ہی عتبہ بارہ ہزار فوج لیکر روانہ ہوا۔ ایرانی فوج سے جنگ ہوئی ایک سخت میدان کے بعد ایرانی اپنی جان بچاکر بھاگے اور مسلمان بحفاظت بصرہ واپس چلے آئے عتبہ کی فوج نے اس جنگ میں بڑا نام پایا اور حضرت عمر کے خاص شکریے حاصل کئے۔

مسلمانوں کے بصرہ واپس چلے آنے نے ہرمزان ناظم اہواز کا دل بڑھا دیا یہ وہ شخص تھا جو جنگ قادسیہ میں سے جان بچاکر بھاگ آیا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ عربوں کی سرحدوں پر فوج کشی کروں ایک قوی فوج اس نے جمع کر رکھی تھی اور روز بروز مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنی فوجیں بڑھاتا چلا جاتا تھا۔ یہ موقع اس نے حدود اسلام پر بڑھنے کا اچھا دیکھا ادھر عتبہ اسکی حرکت فوج پر تاک لگا رہا تھا۔ اسکی سرکوبی کے لئے اس نے بھی باگیں اٹھائیں۔ عتبہ کے لئے کوفہ سے مدد روانہ ہوئی اور اسکی خوش قسمتی سے بدوں کی ایک قوم بھی اس سے آملی جو اہواز کے حوالی و جوانب میں رہتی تھی اور بصرہ والوں سے اس کا ایک خاص تعلق تھا ہرمزان سے عتبہ کا بڑا بھاری مقابلہ ہوا۔ اس بہادری سے اس نے ہرمزان پر حملہ کیا کہ ایک خونریز مقابلہ کے بعد اسکو بے عزتی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور اخیر عتبہ نے جب اس کا تعاقب نہ چھوڑا تو وہ دریائے قارون سے پار ہو کر بھاگ گیا۔ اہواز پر اسلامی پھریرا اڑا دیا گیا۔ وہاں پہنچکر اس نے التوائے

جنگ کے لئے کچھ مدت چاہی ادھر سے فوراً رخصت دی گئی۔ عتبہ نے اپنی عاقلانہ حکمت عملی سے اہواز اپنے مددگار بدوؤں کو دیدیا اپنی فتوحات میں سے اس فتح کے بعد عتبہ نے خلیفہ کی خدمت میں مرزبان کا ایک پٹکا بطور نشان فتح کے روانہ کیا۔ ایک قاصد حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ التماس کیا کہ ممالک غیر کے مسلمان آرام طلب ہوتے جاتے ہیں۔ چاندی اور سونے کی چیزوں نے ان کی آنکھوں میں چکا چوند کر دی ہے اس مبالغہ تصدیق کے بعد حضرت عمر نے عتبہ کو لکھا۔ افسوس کی بات ہے کہ تو نے بصرہ کا ایک صحرائی بدو کو انتظام سپرد کر دیا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ ایک صحرائی بدو صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر حکومت کرے گا۔ مغیرہ بن شعبہ اس خدمت کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ +

عتبہ حضرت عمر کی اجازت سے حج بیت اللہ کو روانہ ہوا وہاں سے واپس ہوتے وقت اسکا بطن النخلہ میں انتقال ہو گیا۔ +

عتبہ نے چونکہ بدوؤں کو اہواز کا حاکم بنا دیا تھا اسلئے ان سے وہاں کی حکومت نہ سنبھل سکی اور ہرمزان نے پھر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور چاہا کہ بہت جلد اہواز کو مسلمانوں کی حکومت سے آزاد کرے۔ تو بھی مسلمانوں نے اسے فاش شکست دی پھر مسلمانوں نے حضرت عمر سے آگے بڑھنے کے لئے اجازت طلب کی حضرت عمر نے اس عرضی کو تو دبا رکھا اور یہ تاکیدی حکم بھیجا کہ جہاں جہاں تمہارا قبضہ ہو گیا ہے ان مقامات کو ہر طرح مضبوط کرو اور زیادہ تر کھیتوں میں آب پاشی کا کام بہت جلد شروع کردو اور نہریں کاٹ کاٹ کر کھیتوں میں پہنچاؤ۔ ہرمزان مشرق کی طرف بھاگا چلا جاتا تھا دوبارہ مسلمانوں کی طرف سے اسے پھر معافی دیگئی اور اسکا تعاقب نہ کیا گیا۔ ایک دفعہ اس نے عہدنامہ کر لیا تھا کہ اب میں مسلمانوں کے خلاف کبھی ہتھیار نہ اٹھاؤں گا اس بات پر مع فوج یہ رہا کر دیا گیا تھا دوسری دفعہ اس نے

پھر سرکشی کی اسپر بھی اسے معافی دیدی اسکے بعد معلوم ہوا کہ مرو میں یزدجرد کثرت سے فوج جمع کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں کو ایرانی حدود سے بالکل خارج کر دے جب سے مسلمانوں نے مدائن فتح کیا تھا وہ اسیوقت سے تیاری جنگ میں مصروف تھا۔ یہ موقع فرصت کا اسے بہت ہی اچھا ملا تھا جو کچھ اس کی قدرت میں تھا فوج جمع کرنے میں اس نے جان لڑا دی تھی۔ تیاری سے حضرت عمر بھی غافل نہ تھے آپ کو دم دم کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ سخت مقابلہ کرنے کے لئے حضرت عمر بھی مستعد ہو گئے اور بصرہ۔ کوفہ سے عظیم لشکر مہیا کرنے لگے۔ کوفہ اور بصرہ سے فوجیں جمع کر کے نعمان بن المقرن کو اسکا سرگروہ کیا۔ اور اُسے حکم دیا کہ تو ہرمزان کو سوس میں روک۔ تاکہ اسکی فوج یزدجرد کی شاہی فوج سے نہ ملنے پائے۔ سوس دو دریاؤں کے بیچ میں واقع تھا جسکی تھوڑی دور برف پوش پہاڑ معلوم ہو رہے تھے ہنوز یہ ایک مضبوط شہر تھا جسکا مقابلہ کرنا سخت دشوار تھا۔ اخیر ایک سخت مقابلہ اور کئی خونریز میدانوں کے بعد سوس کو فتح کر لیا۔ جہاں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر تھی جسکی عزت اور ادب کرنیکے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سپاہ سالار سے ارشاد کر دیا تھا۔ ہنوز اس مقدس مقبرہ کی وہی کیفیت ہے اور اسکی وہی عزت کی جاتی ہے۔ +

سوس میں جب ہرمزان معہ چند امرا اور رئیسان شہر کے گرفتار کر لیا گیا تو اسے حضرت عمر کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور نعیم بن مقرن یا نعمان بن المقرن اصفہان کی طرف بڑھا اور اپنا رستہ آخر کار لڑ جھگڑ کر ایران کے جگر میں کر لیا۔ +

جب ہرمزان اپنی شاہانہ پوشاک پہنے ہوئے مدینہ پہنچا ہے اسوقت حضرت عمر مدینہ کی مسجد میں سو رہے تھے پہلو میں دُرا رکھا ہوا تھا۔ جونہی ہرمزان مسجد کے قریب پہنچا۔ اس نے کہا خلیفہ کہاں ہے اور اسکا جاہ و حشم اور نقیب عصا بردار وغیرہ کہاں ہیں وہ عظیم الشان سنگ مرمر کے محلوں

اور تزک و احتشام سے رہنے کا عادی تھا اسے یہ یقین تھا کہ زبردست خلیفہ اور بھی جاہ و حشم سے زندگی بسر کرتا ہوگا۔ ہرمزان اپنی قیمتی پوشاک اور زریں کمر باندھے ہوئے حضرت عمرؓ کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ اور جب کسی نے بتایا کہ یہی امیر ہے جو کھجور کی چٹائی پہ پیوندار کمل اوڑھے ہوئے لیٹا ہے تو اسے سخت تعجب معلوم ہوا اتنے میں حضرت عمرؓ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ اجنبی کون شخص ہے۔ جواب آیا کہ خدا بہت بڑا قوی ہے کہ جو اس کو اور اس جیسوں کو مطیع بنا دیتا ہے یہ ہرمزان شہزادہ ہے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ یہ زریں کپڑے اسکے اتار لو اور عرب کی سادی پوشاک پہنا کر ہمارے سامنے لاؤ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور مغیرہ ترجمان مقرر ہوا ہرمزان نے اور باتیں کرنے سے پہلے پانی مانگا حکم دیا گیا کہ پانی دو۔ اور سیر ہوکر اسے پینے دو۔ پھر ہرمزان نے عرض کیا کہ میں پانی پینے سے ڈرتا ہوں مبادا غفلت میں مجھے کوئی قتل کر ڈالے حضرت عمرؓ نے جواب دیا جبتک تو پانی نہ پی لیگا تیری طرف کوئی آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا یہ سنتے ہی ہرمزان نے پانی کو زمین پر پھینکدیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا تو نے میری جان بخشی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "تو جھوٹا ہے تیری زندگی تیری بداعمالی کا تاوان ہو چکی ہے۔" ایک شخص نے پاس بیٹھنے والوں میں سے کہا جب تک یہ پانی نہ پی لے اسکا قتل کرنا جایز نہیں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس شخص نے مجھے دہوکا دیا اب میں ایسے شخص کو قتل نہیں کر سکتا جس نے فریب و دغا سے ہزارہا مومنین کی جانیں ضایع کی ہیں مگر پھر میں تجھسے یہی کہتا ہوں کہ تیری کل بد اعمالیوں کا کفارہ اسلام میں داخل ہونے سے ہو سکتا ہے۔ جنہیں تو نے جتنے مومنین قتل کیئے اور جو کچھہ مسلمانوں کا نقصان کیا صرف مسلمان ہونا ان سب گناہوں کا کفارہ دیدیگا۔" ہرمزان نے فوراً کلمہ پڑہا اور خلیفہ کے یہ رحیمانہ الفاظ اسکے دل میں گھر کر گئے وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور اسنے اپنی بود و باش مدینہ میں اختیار کی عطائیوں کی فہرست میں اسکا نام لکھہ لیا گیا اور بیس ہزار درہم سالانہ

اِسکا مقرر ہو گیا۔ اسکی تمام زرین وردی اور جواہر نگار کمر بند اسے واپس دیدیا گیا۔

(فتح ایران) سنہ ۲۱ ، ۲۲ھ
مطابق سنہ ۶۴۲ ، ۶۴۳ء

فتح قادسیہ اور مدائن کے بعد مسلمان سپاہ سالار آگے بڑھنے کی اجازت مانگتے تھے لیکن حضرت عمر راضی نہ تھے اسی اثنا میں کہ یزدجرد نے بیٹھے بٹھائے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اپنے مہیب لشکر کے بل پر اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کوفہ اور بصرہ سے بھی مسلمانوں کو محروم کر دیا جائے اور اگر موقع ہو تو مدینہ تک چھاپا مارا جائے حضرت عمر نے یزدجرد کی اس مستعدی پر یہ ارادہ کر لیا کہ اب کے اس سے ایک انقطاعی میدان ہونا چاہیئے اور بالکل فیصلہ کر لیا جائے یزدجرد جب مدائن سے نکل کر بھاگا ہی تو اسے یہ یقین تھا کہ مسلمان بس اُن کی فتح پر قانع ہو کر آگے آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھینگے اور اُنہیں صبر آجائے گا اور اس فرصت کے زمانہ میں مجھے تیاری کرنے کا موقع ملے گا۔ خدا نے اسکی مراد دی اور اس نے اس عرصہ میں اپنی جمعیت خوب بڑھا لی اور پھر ہرمزان کو اُکسایا۔ اور اسکا نتیجہ دیکھنے کیلئے آپ خاموش بیٹھ گیا۔ جب سوس فتح ہو گیا ہرمزان گرفتار کر لیا گیا اور ناچار مسلمانوں نے اصفہان کی طرف اپنی باگیں اُٹھائیں تو اب وہ بہت چونکا اور اپنی اس تدبیر کو ناکام پاکے اسکے پہلے خیال کا خاتمہ ہو گیا اس نے یہ سوچا تھا کہ ہرمزان سوس پر مسلمانوں کو روکے رکھے گا اور میں دوسری جانب سے حملہ کر دوں گا لیکن اسے بھی انقطاعی جنگ پر آمادہ ہونا پڑا۔ جتنے صوبوں کے گورنر تھے سب کے پاس یزدجرد نے حکمنامے بھیجے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر چلے آئیں ان میں سے بہت سے گورنر بالکل آزاد تھے لیکن اس موقع پر اُنہوں نے بھی ایک عام خطرہ دیکھکر یزدجرد کا ساتھ دینا قبول کیا۔ بحر خزر کے کنارے سے بحیرۂ ہند تک اور جیحون سے خلیج فارس تک جتنے گورنر صوبہ تھے سب نے فوج جمع کر کے دمیوند میں کاویانی درفش کے نیچے لا کر کھڑی کر دی۔ گویا ملک کا ملک اُمنڈ آیا وہ سب جانتے تھے کہ گو ہم یزدجرد سے آزاد ہیں پھر بھی ہماری سلامتی سلطنت ایران کی سلامت

رہنے پر موقوف ہے۔ اسکی خبر شیردل سعد کو پہنچی اس نے فوراً براہ راست حضرت عمرؓ کی خدمت
میں لکھ کے بھیجا۔ ایک قاصد خبر لایا کہ فیرزان کی ماتحتی میں ایک لاکھ پچاس ہزار فوج جمع ہے وہ
اسوقت ہمدان میں مقیم ہیں۔ ان کا قصد حلوان کی طرف بڑھنے کا ہے جہاں سے وہ کوفہ پر دھاوا
مارینگے کوئی کہتا تھا کہ فلاں شہزادہ کی زیرکمان ساٹھ ہزار سوار ہیں جسکا ارادہ مدائن پر قبضہ
کر لینے کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بذات خود یزدجرد کے مقابلہ میں جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ یہ سنتے
ہی سب صحابہ خصوصاً حضرت علی مصر ہوئے کہ آپ ہرگز جنگ میں تشریف نہ لیجاویں اور انہوں
نے وہی اعتراض پیش کئے جو پہلے کر چکے تھے اور آخر حضرت عمرؓ نے اپنے ارادہ کو ملتوی
رکھا نعمان کو حکم دیا کہ توجستان جاکر فوج کی مستقل کمان لے بصرہ اور کوفہ میں ایک مضبوط
فوج چھوڑ کر دو دستوں سے آگے بڑھ۔ سوس کی فوج کو حکم ہوا کہ پرسی پولس کی طرف بڑھے
اور وہاں کی فوجوں کو روکے رکھے کہ وہ شاہی فوجوں سے شریک ہونے پائے۔

نعمان نے حلوان پہنچکر جاسوس روانہ کر دیئے کہ دشمن کی خبر لائیں انہوں نے آکر خبر کی کہ دشمن
اس میدان میں مقیم ہے جو الوند کے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ نعمان کے آگے بڑھنے کا رستہ
بہت صاف ہو گیا تھا وہ حدود میں بڑھتا چلا جاتا تھا آخر نہاوند کے میدان میں دونوں لشکروں
کا آمنا سامنا ہو گیا دشمن کی فوج سے مسلمانی لشکر ہلکا تھا یعنی انکی تیس ہزار فوج تھی اور فیرزان
ایک لاکھ پچاس ہزار فوج لئے پڑا تھا۔ اس قلیل فوج میں بڑے بڑے جنگجو اور نامی آزمودہ
کار مسلمان بھی تھے جن کے بھروسہ پر یہ مقابلہ کیا گیا تھا۔ دو دن تک معمولی نوکا جھوکی کے
بعد ایرانی اپنے اپنے مورچوں میں چلے گئے اور یہاں وہ بآرام بیٹھ گئے مسلمانوں کو دق
کرنے کے لئے ان کی یہ تدبیر کافی تھی۔ اس التوائے جنگ سے جسکو کئی دن کا عرصہ
ہو چکا تھا مسلمان گھبرا گئے اور راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئے آخر انہوں نے ایسی تدبیر کرنی

چاہی جس سے دشمن مورچوں کے باہر نکل کر جنگ کرے۔ طلحہ نے اپنی فوج کو پھرتی سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا ایرانی سمجھے کہ مسلمانوں کی فوج بھاگتی ہے اپنے مورچوں سے نکلکر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ایک خونریز میدان ہوا۔ نعمان مارا گیا لیکن ایرانی اپنی تیتس ہزار فوج کی لاشیں چھوڑ کر بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور اسی ہزار آدمی اور بھی قتل کر ڈالے۔ فیروزان ایسی فاش شکست کھا کر ہمدان بھاگا۔ ہمدان پر بھی فتحمند مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شاہی جواہرات اور قیمتی چیزیں جو ہمدان میں عظیم الشان آتشکدہ میں محفوظ تھیں مسلمانوں کے تصرف میں آئیں غنیمت کا شمار لا انتہا ہے دو بکس لبالب جواہرات کے بھرے ہوئے ہاتھ لگے جنہیں حضرت عمر نے اول ہی خزانہ مدینہ میں رکھا۔ مگر پھر آپ کو یہ خیال آیا کہ بیت المال میں رکھنا نامناسب ہے فوراً جواہرات کے فروخت کرنے کا حکم دیا۔ چالیس لاکھ درہم ان کی قیمت جا بچے گئے حکم ہوا کہ اسے فروخت کر کے لشکر میں تقسیم کر دو۔

اس عظیم الشان شکست کے بعد بھی یزدجرد کی وہی کیفیت تھی اسے کسی قسم کا ہراس نہ ہوا تھا وہ اپنی قوت بڑھانے میں مصروف تھا اور جنگ کی تیاری کر رہا تھا حضرت عمر بھی اس سے غافل نہ تھے اور خوب سمجھے تھے کہ جتنے میدان اب تک ہو چکے ہیں ان سے سخت ترین میدان یزدجرد سے اور ہونے والا ہے بحر خزر کے جنوب کی جنگ آور قومیں دوبارہ اسفندیار کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے جمع ہو رہی تھیں۔ اسفندیار اسی بدقسمت رستم کا بھائی تھا جو جنگ قادسیہ میں بے عزتی سے مارا جا چکا تھا۔ اسفندیار رے کو محفوظ رکھنے کے لئے موجود تھا مسلمان برابر بڑھتے چلے جاتے تھے۔ رے پر پھر ایک بھاری جنگ ہوئی اس میں مسلمانوں ہی کو فتح حاصل ہوئی اور کل شہر نے اپنے کو مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ دیا اور وہ محفوظ ہو گئے۔ اسفندیار یہاں سے آذربائجان بھاگ گیا وہاں بھی اسے اسی ناکامی کے ساتھ شکست ملی

اب اسفندیار نے کوئی صورت بچاؤ کی نہ دیکھکر مسلمانوں کا مطیع ہونا قبول کیا اور ان کی حفاظت میں آگیا۔ رے سے یزدجرد اصفہان بھاگ گیا۔ مگر وہاں اپنا ٹھیک ٹھکانا نہ دیکھکر کرمان پناہ لینے کے لئے چلا گیا کرمان میں بھی اپنی جان کی امان نہ پائی اور آخر بلخ جاکر قرار پکڑا۔ بلخ میں بھی اس کی دال نہ گلی اور وہ بھاگوں بھاگ مرو پہنچا اور یہاں سے خاقان چین اور ترکوں کی مدد کا خواستگار ہوا۔ ترکوں نے یزدجرد کو مدد دی کئی سال تک ترکوں سے مرو میں جنگ ہوتی رہی آخر ترکوں کو بھی یزدجرد کے ساتھ فرار ہونا پڑا اور وہ جیحون کے پار اتر گئے۔ اب یزدجرد کا نہ خزانہ رہا تھا نہ لشکر نہ شاہی محل نہ بیگمین کچھ بھی نہ تھیں اور نہ اس میں یہ دم رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کرنے کی جرأت کرتا اس کی مایوسانہ حالت غضب کی تھی وہ شہنشاہ ایران سے گویا اب مصیبت زدہ شخص بنگیا تھا۔ زمین و آسمان اُسے اپنا دشمن دکھائی دیتا تھا اور کوئی سہارا دینے والا نہ تھا۔ آخر حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں دنیا سے رخصت ہوا رے پر قبضہ ہوتے ہی عرب مختلف صوبوں کی طرف متوجہ ہوئے ان میں سے بہت سے صوبے گو برائے نام ماتحت ایران تھے لیکن بجائے خود وہ بہت بڑے قوی تھے ان سے جنگ کرنے کے لئے چھ فوجیں بصرہ اور کوفہ سے چھ طرف روانہ ہوئیں ہر جنگ میں مسلمانوں ہی کو فتح حاصل ہوتی چلی گئی اور تمام صوبے یکے بعد دیگرے اسلام کے زیر نگیں آتے گئے اسیطرح۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ سجستان۔ خراسان۔ آذربائیجان۔ فتح کر لئے گئے تاہم یہ صوبے ہمیشہ سرکشی پر آمادہ ہوتے رہے جبتک مسلمان وہاں خود آباد نہ ہوگئے۔ مسلمانوں ہی کے حقوق اس قدر وسیع تھے کہ پرانا ضعیف زرتشتی مذہب اسکا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا اسکے وہ ہی حقوق ہوجاتے تھے جو اسکے فاتحوں کے ہوتے تھے۔ دار الخلافہ فتح ہوتے ہی اور درفش کاویانی کے چھکتے ہی

آتش پرستوں کے بڑے بڑے خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آتشکدے بجھا دئے گئے تھے مسجدیں بنتی جاتی تھیں۔ تہذیب یافتہ شائستہ ایرانیوں نے اسلام قبول کرکے ایک نیا رنگ اسلامی طرق کو دیدیا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اپنے فاتحوں سے ملکی حقوق نہیں لے سکتے جبتک مسلمان نہو جائیں۔

حضرت عمر کی خلافت کے آخری برس سنہ ۲۳ھ مطابق سنہ ۶۴۳ء–۶۴۴ء

جس روز سے حضرت عمر کی سرپرستی میں فتوحات کا ریلا بڑھا تھا اور جو شام کو نگلتا ہوا ایشائے کوچک کی حدود تک پہنچ گیا تھا اور جس نے اتنی بڑی سلطنت ایران کو فتح کر لیا تھا اب ایک جگہ ٹھہر گیا ہر قل کے مرجانے کے بعد پھر اسکے جانشینوں میں یہ قوت نہ رہی کہ وہ براہ تری یا خشکی ملک شام یا مصر پر حملہ کرتے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے انہیں چھڑا لیتے۔ گو چند بار انہوں نے حدود پر حملے کئے لیکن انہیں ایک بھاری نقصان کے ساتھ واپس پھر جانا پڑا۔ معاذ شام کے انتظام میں مشغول تھا اور آیندہ کسی خطرناک مہم کے لئے (مبادا رومی خود چلے آئیں یا یہیں کے باشندے باغی ہو جائیں) اپنی فوجوں کو مضبوط کر رہا تھا۔ ہر طرف امن اور صلح کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ عمرو بن العاص مستقل طور پر مصر کا گورنر بنا دیا گیا اور وہ مغرب کی طرف رفتہ رفتہ اپنی حدود کو وسعت دے رہا تھا۔ عرب کا ملک بھی اتنی عظیم جنگوں کے بعد آرام لے رہا تھا اور کہیں فوج میں جنبش نہ معلوم ہوتی تھی حضرت عمر شام کے سفروں کے علاوہ مدینہ سے حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اپنی عادت کے مطابق آپ اس سال میں حج بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مختلف صوبوں کے گورنر بھی اسی ارادہ سے مکہ شریف میں حاضر ہوئے تھے حضرت عمر نے بھی اس بات کو پسند کیا کہ مکہ شریف کا حج کرکے مدینہ ہوتے ہوئے سب مجھسے

ملکر جائیں تاکہ ملکی منفعت کی تدبیریں کی جائیں اور خدا کی مخلوق کی آسایش کا سامان مزید برآں جو اس وقت ہے مہیا کیا جائے۔

اپنی شہادت کے کئی سال پہلے حضرت عمرؓ نے تین ہفتہ مکہ معظمہ میں قیام کیا اور کعبہ شریف کے گرد بہت بڑے میدان کو وسعت دی وہ گھر جو اس پاک عمارت کے پاس بنے ہوئے تھے ان کو منہدم کر دیا گیا اور انکے مالکوں کو ان کی قیمت ادا کر کے دوسری جگہ دیدی اب کعبہ شریف کے گرد ایک بڑا وسیع چوکور میدان ہو گیا جس میں ہزاروں آدمی بآرام جمع ہو سکتے ہیں اگر بعض نافہموں نے اپنے گھروں کو فروخت کرنا منظور نہ کیا اور زیادہ سمجھانے سے بھی نہ مانے ان کے گھر اکھڑوا کر پھکوا دیئے گئے اور ان کی قیمت بیت المال میں امانت رکھدی کہ جب مالکوں کا دل چاہے وصول کر لیں وہ ستون جو حرم شریف کے گرد بطور حدود کے قایم تھے ان کو اکھڑوا کر دوسرے ستون ان کے گرد چڑھا دیئے گئے اور بہت سے مسافر خانے اور حاجیوں کے قیام کی جگہ بنوا دی گئیں تاکہ وہ بآرام یہاں قیام کریں اور ادھر ادھر پہاڑوں میں نہ بھٹکتے پھریں۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے ساتویں برس مدینہ کی گرد و نواح میں ایک پہاڑی میں سے آتش فشانی ہوئی حضرت عمرؓ نے عین موقع پر پہنچکر ملاحظہ فرمایا دیکھا کہ یہ پہاڑی آتش فشان ہے پھر اپنے پریشان باشندوں کا اطمینان کر دیا کیونکہ عربوں کو کوہ آتش فشاں دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا وہ حیران تھے کہ یہ کیا بھید ہے۔

اسی سال ایک بحری مہم روانہ کی گئی کہ وہ حبش کے کناروں پر دشمن سے مقابلہ کرے گو مسلمان سمندر میں سفر کرنے کے عادی نہ تھے پھر بھی وہ بڑی بہادری سے لڑے اگرچہ انکے افسر کی غلطی سے مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی تاہم انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم صحرا ہی کے شیر

نہیں ہیں بلکہ سمندر کے اژدہا بھی ہیں۔ +

جن قابل صحابہ کو حضرت عمر نے کوفہ اور بصرہ کا عامل بنایا تھا ان سے آپ کا انتظام کیطرف سے بہت اطمینان ہو گیا تھا مگر اتفاق سے عتبہ عامل بصرہ کا انتقال ہو گیا اور مغیرہ کے گورنر مقرر کرنے میں ذرا تامل درکار تھا۔ عامل بنانے میں صرف اسلیئے تامل تھا کہ وہ کسی قدر تند مزاج مشہور تھا اور اسکی نسبت یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس نے بچپن میں ایک شخص کو طائف میں مار ڈالا تھا۔ ضرورت کی وجہ سے اس کو بصرہ کا عامل مقرر کیا لیکن وہاں سے چند روز کے بعد ملزم گردان کر نکال دیا گیا اور آخر اس نے اپنی بود و باش مدینہ شریف میں اختیار کی +

اس کی جگہ ابو موسےٰ کو عامل بصرہ مقرر کیا کہ جو غزوہ حنین میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نام پا چکا تھا اور جس نے ایلچی گری کا منصب بھی بطرز احسن ادا کیا تھا۔ کچھ دن تک ابو موسے عامل بصرہ رہا اسپر بھی چند الزامات لگائے گئے تھے لیکن حضرت عمر کے آگے اس نے معقول جواب دہی کر کے اس سے بریت حاصل کی +

کئی سال کوفہ اپنے بانی سعد کی ماتحتی میں رہا۔ مگر حضرت عمر کی خلافت کے نویں سال اسکے خلاف ایک جماعت کھڑی ہوئی اسپر طرح طرح کے الزام قایم کیئے اور بعض الزامات صحیح بھی تھے سعد کی پنشن ہو گئی تھی۔ اور چند روز کے لئے عامل کوفہ ایک شخص کو نامزد کر کے پھر ابو موسےٰ کو بصرہ سے بلا کر عامل کوفہ مقرر کر دیا۔ اہل کوفہ نے ایک سفارت مدینہ شریف حضرت عمر کیخدمت میں روانہ کی کہ ہم ابو موسےٰ کو اپنا عامل نہیں بناتے فوراً ابو موسےٰ کو واپس بصرہ آجانیکا حکم ہوا۔ بڑی مشکل سے یہ فیصلہ ہوا کہ مغیرہ ہی عامل کوفہ بنایا جائے کوفیوں نے اسے منظور کر لیا اور جبتک حضرت عمر کی شہادت نہیں ہوئی مغیرہ ہی عامل کوفہ رہا۔ +

اسی زمانہ میں حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود کو جو مکہ شریف میں ایک غلام تھا اور بعد ازاں

اپنی اعلیٰ قابلیتوں کی وجہ سے نبی اکرم کا بہت پیارا صحابی بنگیا تھا کوفہ کا خزانچی مقرر فرمایا یہ قرآن کا حافظ اور مطالب قرآنی کو خوب سمجھتا تھا اس شخص میں ہر قسم کی لیاقت تھی عاملہ فہمی کا ہنر سب میں بڑھا ہوا تھا اپنے لہجہ میں قرآن شریف کا خوش آوازی سے پڑھنا بھی اسپر ختم تھا بصرہ کوفہ کی نسبت مفلس تھا چونکہ اسکی آبادی بہت تھی اسلیئے معمولی دولت وہاں کافی نہ تھی حضرت عمر نے محاصل ممالک سے بصرہ میں آب پاشی اور پیمایش و تجارت وغیرہ کے ایسے محکمے کھول دیئے کہ بصرہ والوں کو دولتمند ہونے کا بخوبی موقع ملے اور وہ کوفہ سے کسیطرح کم نہ ہیں ہر صوبہ میں کئی عدالتیں - فوجداری - دیوانی اور مال کی قایم ہوئیں ان پر وہی شخص اعلےٰ افسر یا قاضی مقرر کیا جاتا تھا جسے مدینہ سے قابلیت کی سند لجاتی تھی - عدالتی محکمہ میں ایک قابل قاضی کام کرتا تھا اور کل محکموں کا تعلق خاص عامل کی ذات کے ساتھ ہوتا تھا جو روزمرہ عام مسلمانوں کے سامنے انتظام کی پوری کیفیت بیان کرتا رہتا تھا مگر آٹھویں دن ایک جلسہ ہوا کرتا تھا جس میں ہر شخص کو خواہ یہودی ہو یا عیسائی انتظامی معاملات میں آزادی سے دخل دینے کا مجاز حاصل تھا - حضرت عمر کا حکم تھا کہ محاصل میں عامل جو کوئی بڑا انتظام بدلنا چاہے بغیر عامہ خلایق کے مشورہ کے نہ بدلے جنگی اور مالی دفاتر پہلے سب عامل کے تحت میں تھے مگر حضرت عمر نے انہیں جدا جدا کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کر دیئے گو عامل کا اختیار سب کچھ تھا مگر کسی کے کام میں دست اندازی نہ کر سکتا تھا ان افسروں کی موقوفی بحالی کا اختیار بھی حضرت عمر نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا - ریاست کی طرف سے مذہبی علوم پڑھانے کے لیئے معلم نوکر ہو گئے انکی تنخواہیں خزانہ سے ملتی تھیں یہ واعظ یا معلم تمام مفتوحہ ممالک میں متعین کئے گئے جو نئے مسلموں کو قرآنی تعلیم سے مشرف کرتے اور انہیں اسلام کے اصول بتاتے - یہ قاعدہ بھی جاری کیا گیا کہ جمعہ کے دن تمام دفتروں میں تعطیل ہوا کرے اور رمضان المبارک میں قرآن شریف سننے

کے لئے مسجدوں میں لوگ جمع ہوا کریں۔*

حضرت عمر نے صرف دیوان یا مختلف قسم کے محکمے ہی نہیں جاری کئے بلکہ سنہ ہجری کی بھی اسی والا شان خلیفہ نے بنیاد ڈالی حضرت عمر کی لاثانی عقل اور فہم سلیم کا یہ طفیل تھا کہ آج اسلام اپنے علیحدہ سنہ ہونے پر ناز کر سکتا ہے ماہ محرم کی یکم تاریخ سے آغاز سال قرار دیا۔ اس سنہ سے حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی تاریخ (مکہ شریف سے مدینہ منورہ) معلوم ہوتی ہے۔*

شراب نہ پینے کی بہت تاکید تھی۔ اور حضرت عمر اپنے فرائض کی انجام دہی میں بہت سخت تھے۔ جو سزا کہ شرابی کی مقرر تھی وہ ہی ایک غریب صحرائی بدو کو دیجاتی اور وہی ایک عامل کو ملتی تھی انصاف میں کسی کی تمیز نہ کی جاتی تھی حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ قانون کی آنکھ میں سب برابر ہیں۔ خواہ فقیر ہو یا بادشاہ ہو جن مقدمات کا آپ نے فیصلہ کیا وہ ہمارے دعوے کی کامل دلیل ہو سکتے ہیں۔*

حضرت عمر کے ابتدائے زمانہ خلافت میں دمشق میں بہادر ابو عبیدہ کو یہ خبر ہوئی کہ ایک گروہ شہریوں کا معہ شیر دل ضرار کے جو کئی خونخوار میدانوں میں نام پا چکا تھا) فلاں جگہ شراب پی رہا ہے۔ ابو عبیدہ ان کے سر پر بھی جا کھڑا ہوا اور انہیں خبر نہ ہوئی۔ ابو عبیدہ نے معہ بہادر ضرار کے ان سب کے نام لکھ لئے اس گروہ میں اکثر امیر زادے اور رئیسوں کے بچے تھے۔ اور وہ سب نام معہ اپنی رائے کے حضرت عمر کی خدمت میں روانہ کر دئے اور رائے یہ لکھی۔ ان لوگوں کو میں نے شراب پیتے ہوئے پکڑا ہے غلطی سے ان سے یہ فعل سرزد ہو گیا ہے۔ شیر دل ضرار کی خدمات کا پاس کرکے اگر سب کے ساتھ اس کو بھی معافی دی جائے گی تو عین عنایت ہوگی جوں ہی یہ خط حضرت عمر کو پہنچا آپ مارے غصہ کے آگ ہو گئے اور ان سخت الفاظ میں ابو عبیدہ کے خط کا جواب لکھا "لوگوں کا ایک مجمع کر اور انہیں سامنے بلا اور پھر یہ دریافت

کر کہ شراب کا پینا حرام ہے یا حلال اگر وہ حرام کہیں تو اُن کو اسی اسی دُرے مار کر چھوڑ دے اور جو وہ شراب کو حلال بتائیں تو ان کی گردنیں اُڑا دے" ابو عبیدہ کو حضرت عمر کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور ان سے دریافت کیا گیا اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم شراب کو حرام جانتے ہیں پھر اسی اسی دُرے مار کر چھوڑ دئے +

ابو سفیان نے جو ۳۲ھ ہجری تک زندہ رہا ۸۸ برس کا ہو کر وفات پائی ایک آنکھ اسکی محاصرہ طائف میں جاتی رہی تھی اور دوسری آنکھ جنگ یرموک میں ضایع ہو گئی تھی۔ یہ نابینا ہو کر مدت تک زندہ رہا۔ اسی عرصہ میں اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی تھی جس نے جنگ احد میں امیر حمزہ کا کلیجہ نکال لیا تھا۔ طلاق کی وجہ نہیں معلوم کہ کیا ہوئی۔ +

حضرت عمر کی وفات ۲۳ھ ہجری ستمبر مطابق ۶۴۴ء عیسوی۔

یہ حضرت عمر کی خلافت کا گیارہواں سال تھا۔ گو عمر پوری ساٹھ برس کی ہو گئی تھی لیکن بقول میور[1] اس عمر میں بھی حضرت عمر اپنی بھاری ذمہ داریوں کو اُسی طرح چستی اور مستعدی سے ادا کرتے تھے۔ اس سال کے آخری مہینے میں آپ مع اُمہات یعنے ازواج مطہرات حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے ابھی آپ حج کر کے مدینہ شریف واپس آئے ہی تھے کہ قبل از وقت زمانہ خلافت ختم ہو گیا +

مغیرہ عراق سے ایک غلام ابو لولو نامی لایا تھا بچپن میں یہ یونانیوں کے قید میں عیسائی ہو گیا تھا اور جب مسلمانوں نے یونانیوں پر فتح پائی تو دوبارہ ابو لولو مغیرہ کا غلام بنایا گیا مدینہ میں ابو لولو اپنے آقا مغیرہ کی سرپرستی میں بڑھئی لوہار اور نقاشی کا کام کرتا تھا ایکدن ابو لولو حضرت عمر سے رستہ میں ملا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ میرا انصاف کریں۔ فرمایا کیا۔ جواب دیا مغیرہ میرا آقا مجھ سے میری مزدوری میں سے زیادہ حصہ لیتا ہے۔ ارشاد کیا تو

[1] شادی خلافت صفحہ ۱۹۱۲۔

اسے کتنا دیتا ہے۔ عرض کیا دو درہم روز۔ فرمایا تم جیسے کاریگر کے لئے یہ کچھ بہت زیادہ نہیں ہے پھر حضرت عمر نے فرمایا میں نے سنا ہے تجھے ایسی چکی بنانی آتی ہے جو ہوا سے چلتی ہے تو مجھے بنا دیگا اس نے کچھ رو کھا پھیکا ہو کر یہ جواب دیا آپ کے لئے میں ایسی چکی بنا دونگا جسکی شہرت مشرق سے مغرب تک ہو جائے گی۔ یہ کہکر وہ چلا گیا حضرت نے اسکے کھُردرے جواب سے یہ سمجھا کہ یہ مجھے دھمکاتا ہے +

دوسرے دن فجر کو جب لوگ مسجد میں نماز صبح پڑھنے کے لئے جمع ہو رہے تھے پروز (ابو) لو لو کنیت پہلی جماعت میں نمازیوں کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا جماعت بندھ ہی ہو چکی تھی اور حضرت عمر نے نیت باندھکر صرف اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ ابو لو لو نے آگے بڑھکر خنجر سے آپکے جسم مبارک پر مختلف جگہ چھ گہرے گہرے زخم لگائے زخمی کر کے وہ دوڑا دو ایک کو شہید اور دو چار کو زخمی کر کے اس نے وہ ہی خنجر اپنے کو بھی مار لیا۔ گو حضرت عمر کو گہرے زخم آئے تھے اسپر بھی اپنے دست مبارک سے عبداللہ کو جانماز پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا +

عبدالرحمٰن نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین کیا مجھ پر یہ امامت ہمیشہ کے لیئے لازم ہو گئی جواب دیا کہ نہیں بجلد اتوار دی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے حضرت عمر نے حکم دیا کہ کل مسلمانوں کو جمع کرو۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا۔ +

جو اشخاص خلافت کے قابل ہیں وہ یہ ہیں۔ عبدالرحمٰن۔ علی۔ عثمان۔ زبیر۔ سعد۔ طلحہ طلحہ اجکل مکہ میں ہے تین دن تک اسکا رستہ دیکھا جائے اور پھر عام مسلمین ان چھ آدمیوں میں سے جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ عبدالرحمٰن سن اگر تو خلیفہ نامزد ہوا تو اپنی عظیم اور وسیع ذمہ داریوں کو اس حسن و خوبی سے ادا کیجو کہ کسی مسلمان کو شکایت نہ ہو انصاف کرتے وقت اپنے پرائے امیر غریب کا امتیاز نہ کیجو۔

(یہی ہدایت سعد اور زبیر سے بھی کی) علی اگر تو خلیفہ بن گیا تو ہاشمیوں کو قانون شریعت کی فضیلت سے زیادہ اور آدمیوں پر افضل نہ شمار کیجو۔ عثمان اگر تو خلیفہ منتخب ہوا تو بنی امیہ کو چیرہ دست کر کے سلطنوں کا مالک نہ بنا دیجو۔ اب تم جاؤ اور باہم مشورہ کر کے ایک شخص کے انتخاب پر راضی ہو جاؤ۔ +

یہ کہکر حضرت عمر خاموش ہو رہے تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص سے یہ فرمایا جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور میری یہ وصیت اسے سنا دینا کہ ہمیشہ اہل عرب سے اچھا برتاؤ کرے اسلئے یقیناً یہ اسلام کی پشت پناہ ہیں۔ وہ ٹیکس جو وہ ان سے وصول کرے اس سے کہدیجو کہ انہیں کو واپس دیدے تاکہ وہ اپنے غربا میں تقسیم کرلیں یہودیوں اور عیسائیوں سے نبی کے احکام کی مطابق اچھا برتاؤ کیا جائے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیجائے وہ اپنے مذہب میں آزاد رہیں اور ان کی کوئی مذہبی رسم روکی نہ جائے۔" پھر آپ نے خدا کی طرف ہاتھ اٹھاکر یہ عرض کیا" اے میرے خدا میں اپنا فرض پورا کر چلا۔ اور میں نے سلطنت اسلام نہایت امن اور مضبوطی کی حالت میں اسکے لئے چھوڑ دی جو میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کا آپ مختار ہے یہ کہکر حضرت عمر آرام لینے کے لئے لیٹ گئے۔ +

جب حضرت عمر کو حجرہ میں اُٹھا کر لائے ہیں تو ہر گروہ کے آدمی باری باری سے آتے تھے اور زار زار روتے تھے۔ خون بہ رہا تھا اور کثرت سے بہ چکا تھا تاہم آواز میں وہی کڑاکا تھا جس سے ارادوں کی سرگرمی اور طبیعت کی مستعدی پائی جاتی تھی۔ شامی۔ رومی ایرانی یونانی۔ وغیرہ گروہ آتے تھے اور زار زار رو کر باہر چلے آتے تھے ایک شخص نے عرض کیا مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا کلام الٰہی اور احادیث نبوی پر اپنا دین و ایمان رکھو اور ان پر عمل کیجو۔ اسی حالت میں کہ خون نہ تھما تھا آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے دریافت کیا مجھے یہ چھریاں کسنے

مار بن عبداللہ نے عرض کیا یا امیر المومنین پرویز غلام نے یہ حرکت کی فرمایا الحمد للہ کہ میں کافر کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ پھر فرمایا کہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے میری طرف سے یہ دریافت کراؤ عمر اجازت چاہتا ہے کہ نبی اکرم کے پہلو میں مجھے جگہ دیجائے حضرت بی بی عائشہ نے منظور فرمالیا جب لوگ ایک ایک آ کر جا رہے تھے حضرت عمر کے حجرہ کی عجب کیفیت تھی اور زمانہ کا پورا اتار چڑھاؤ نظر آرہا تھا وہ خلیفہ جس نے قیصر اور کسریٰ کی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا جاں بہلو ایک حجرہ میں پڑا ہوا ہے اور اٹھ نہیں سکتا۔ مگر اسکا وہی جوش ہے وہ ہی مستعدی اور وہی چستی ہے خدا کی باتوں میں اسیطرح اسے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ نظارہ گو ایک معمولی معلوم ہوگا لیکن اسکی فطرت بہت گہری اور عمیق ہے۔

تین دن تک حضرت عمر زندہ رہے اس عرصہ میں صہیب نماز پڑھاتا رہا۔

آخر چوتھے دن خدا کو یاد کرتا ہوا وہ مقدس خلیفہ عالم سے رخصت ہوا۔ شنبہ کے دن ماہ محرم میں وفات ہوئی۔

میور لکھتا ہے "اسطرح حضرت عمر نے جو اسلامی دنیا میں نبی کا خلیفہ ثانی تھا وفات پائی۔ صرف ان ہی دس برس میں اسکی عقل و دانائی۔ زیرکی۔ صبر اور توانا رعب سے مصر اور شام اور ایران کی سلطنتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں۔

حضرت ابو بکر نے تو صرف صحرائی بدوں کو مار کر مدینہ سے نکال دیا تھا لیکن حضرت عمر کی خلافت میں حدود شام کو مسلمانوں نے طے کر لیا۔ عمر نے اپنی خلافت صرف عرب سے شروع کی تھی لیکن وہ اپنی وفات کے وقت قسطنطنیہ کے بڑے بڑے صوبوں اور ایران کی پوری سلطنت کا خلیفہ تھا اس طرفہ اور بدیع خوش قسمتی پر بھی اس نے کبھی صحیح العقل اور عاقلانہ عدل سے تجاوز نہیں کیا

(۱) تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ - (۲) دی خلافت صفحات ۱۹۹ - ۱۹۸ - ۱۹۷ -

اور نہ عرب کی سادی سیدہی معاشرت سے قدم آگے بڑہایا جب کوئی مدینہ میں غیر شخص آتا
تھا تو دریافت کرتا تھا خلیفہ کہاں ہیں اسے وہیں کسی کونہ میں بیٹھے ہوئے مہال جاتے تھے
سادگی اور فرض یہ دو اسکے اصولی رہنما تھے اپنی ابتدائی زندگی میں وہ بہت تند اور خونخوار
مزاج رکھتے تھے اور نبی اکرم کے آخری زمانہ میں بھی دشمن سے انتقام لینے میں سبقت
پیش قدمی کرتے تھے لیکن جوں جوں عمر بڑہی وہ زیادہ محتاط ہوتے گئے اور اب ملائمت اور رحم
طبیعت میں بہت تھا کبھی عاملوں اور کپتانوں کا انتخاب آپنے رعایت نہیں کیا۔ بصرہ اور
کوفہ کی گورنریوں میں بدوں اور قریشوں کی باہمی دلی کدورت کی وجہ سے زیادہ دقت پڑگئی تھی
لیکن آپکے قوی بازوں نے جو سلطنت کو سہارے ہوئے تھے ان خونخوار قوموں کی رنجش کو ظاہر
نہونے دیا اور کوئی شخص چوں نکر سکا اپنے پیارے نبی کے بڑے بڑے صحابہ اپنے پاس
مدینہ شریف میں رکھتے تھے ایک تو یہ وجہ تھی کہ ان سے مشورہ لینے میں مدد ملتی تھی اور دوسری
وجہ یہہ تھی کہ ان کی بزرگی اور ادب اسقدر مدنظر تھا کہ کسی عہدہ پر اس خیال سے کہ یہ میرے
ماتحت کہلائینگے کام کرنے کے لئے نہ بھیجتے تھے۔ دّرا ہاتھ میں لئے ہوئے وہ مدینہ شریف
کی شاہراہوں میں پھرتے تھے اور مجرم کو عین موقع واردات پر سزا دیتے تھے یہہ مقولہ زبان زد
عوام ہو گیا تھا کہ عمر کا دُرّہ دوسرے شخص کی تلوار سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔ بایں ہمہ وہ رقیق القلب
اور رحیم الطبیعت بھی بہت بڑے تھے صدہا کام رحم اور عنایت کے آپکی حلیمی اور ہمدردی
مخلوق کا کافی ثبوت دیتے ہیں۔ بیواؤں اور یتیموں کی حاجتیں آپنے پوری کی ہیں آپ
مظلوم کے حامی اور ظالم کے قاتل تھے آپ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے امیر المومنین کا لقب لیا
۔ ایک سچا مسلمان اس مضبوط قوی اور بیدماغ خلیفہ کو و اسلام کہکر اسوقت ماتم کریگا جب
وہ اسکے جانشینوں کے پر طوفان اور خود غرضانہ سلطنت میں داخل ہوگا۔ فقط

حضرت عمرؓ کا حلیہ اولاد و ذاتی خصائص

محمد بن جریر لکھتا ہے حضرت عمر کا رنگ گورا اور سرخ تھا۔ بعض مورخ کہتے ہیں گندمی تھا لیکن عام اسی پر متفق ہیں کہ رنگ گورا اور بہت سرخ تھا۔ قد لمبا تھا سر چکلا چوڑا تھے جب لوگوں میں چلتے تھے تو گردن سب سے نکلی ہوئی دکھائی دیتی تھی آپ کی ڈاڑھی سفید تھی جسکو مہندی سے سرخ رکھتے تھے بازو قوی اور موٹے تھے۔ سینہ چکلا اور کمر پتلی تھی۔ اس شان وصورت کی وجہ سے کل پوشی ہی میں اسقدر پر رعب صورت تھی کہ اچھے اچھے تھرا جاتے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں، ناک سوتواں اور خوبصورت تھی سر پہ بال کم کم تھے۔ ساڑھے دس برس صرف خلافت کا زمانہ شمار ہوا ہے۔ عمر کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ پچپن برس کی عمر میں وفات ہوئی کوئی لکھتا ہے کہ باسٹھ [۶۲] برس کی عمر میں آپنے اس جہان فانی سے کوچ کیا لیکن انگریزی مورخوں نے تریسٹھ برس [۶۳] کی عمر لکھی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ابو الفدا بھی تریسٹھ [۶۳] سال ہی کی عمر بتاتا ہے طبری لکھتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنی تمام عمر میں سات شادیاں کیں۔ تین زمانہ جاہلیت میں اور چار مسلمان ہوکر جو شادیاں کہ زمانہ جاہلیت میں کیں ان کے نام یہ ہیں۔ زینب۔ ملکہ قریبہ بنت امیہ المخزومی لیکن بعد ازاں قریبہ کو طلاق دیدی تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ دونوں عورتیں بھی حضرت عمر سے جدا ہو گئی تھیں۔ اور اسلام کے بعد آپنے جو نکاح کئے ان پاک خواتین کے نام ہیں ام حکیم۔ جمیلہ۔ ام کلثوم دختر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ از فاطمہ اور عاتکہ بنت زید یہ چار نکاح زمانہ وفات تک حضرت عمر نے کئے تھے۔ حضرت عمر کے آٹھ صاحبزادے تھے عبداللہ عبید اللہ تین بیٹے پہلی بیویوں سے تھے اور تینوں کا نام عبد الرحمن تھا ایک کو عبد الرحمن الکبری کہتے تھے دوسرے کو عبد الرحمن الاوسط تیسرے کو عبد الرحمن الاصغر پکارتے تھے۔ عاصم۔ زید اکبر زید اصغر۔ عیاض بیٹوں کے نام حفصہ۔ رقیہ۔ فاطمہ۔ زینب تھے۔ اس سب اولاد میں حضرت

عمر کے صاحبزادے عبداللہ بہت بڑے محدث اور فقیہ ہوئے ہیں۔ یہ پاک نہاد بچہ اپنے باپ کے ساتھ ایسی حالت میں اسلام لایا تھا کہ جب حضرت علی کی طرح صغیر سن تھا۔ بچہ پر باپ سے زیادہ ماں کا اثر ہوتا ہے۔ جب حضرت عمر ایمان لائے تو زینب مظعون نے جو ابھی مسلمان نہ ہوئی تھی اس صغیر سن بچہ کو روکا لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ +

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر جنگل میں کہیں کوئی بھیڑ بھیڑیے کی دست برد میں آکر ہلاک ہو جائے گی تو میرا خدا مجھ سے دریافت کریگا کہ تو نے اس کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور اسکو ہلاکی کیوں ہونے دیا۔ خلافت کے فرائض اور اسکی ذمہ داری کا اتنا بوجھ تھا کہ بعض وقت حضرت عمر یہ کہنے لگتے "کاش میں پیدا نہ ہوتا تو فطرت اس بوجھ کے اٹھانے کے لئے مجھے تلاش نہ کرتی +

عبدالرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ میں ابھی نماز عشا پڑھ ہی چکا تھا کہ حضرت عمر میرے گھر تشریف لائے میں نے عرض کیا اے امیر المومنین تنہا اسوقت کہاں فرمایا میں خاص تمہارے پاس تم سے کچھ مدد چاہنے آیا ہوں۔ عرض کیا حضور ارشاد کریں میں حاضر ہوں ارشاد کیا کہ ایک قافلہ کسی جگہ سے آکر فلاں جگہ مقیم ہوا ہے وہ لوگ چونکہ تھکے ہوئے زیادہ ہیں اسلئے وہ قطعی سو رہینگے اگر ان کی کوئی چیز جاتی رہی چونکہ وہ فصیل مدینہ منورہ کے باہر اترے ہیں مبادا کوئی صحرائی بدو قزاقی کرے تو اسکی جوابدہی مجھے کرنی ہوگی اور خدا مجھ سے عذاب کریگا کہ تیرا فرض تھا تو نے کیوں نہیں ان کی حفاظت کی تم سے صرف اسقدر مدد چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ان کی حفاظت کرنے میں مدد دو +

میں نے التماس کیا کہ میں بسر و چشم حاضر ہوں اور پھر ہم دونوں وہاں پہنچے اور صبح تک پہرہ دیا وہ آدمی شب گزرنے کے بعد واقعی بہت غافل ہو گئے تھے صبح کو نماز کے وقت ہم واپس تشریف لے آئے کسی نے یہ نجانا کہ امیر المومنین نے چوکیدار کا فرض شبکو صرف ہماری حفاظت کیلئے

انجام دیا ہے۔

طبری ایک واقعہ کا بیان اور بھی لکھتا ہے چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے "زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے ایک دن یہ ذکر کیا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے باہر جا رہے تھے میں نے عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو بندہ بھی آپکے ہمراہ چلے ارشاد کیا چلا آ۔ میں بھی ساتھ ہو لیا مدینہ کی فصیلوں کے باہر پہونچے تو دور سے ایک آگ جلتی ہوئی دیکھی حضرت عمر نے فرمایا اسلم چلکر دیکھیں یہ آگ کون سلگا رہا ہے اور یہاں کون آکر ٹھیرا ہوا ہے جب اس روشنی کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ ایک عورت تین بچوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے بچے رو رہے ہیں۔ دیگچی چولھے پر چڑھ رہی ہے وہ عورت جوان بچوں کی ماں تھی یہ دلاسا دیتی جاتی ہے تم رو نہیں یہ پک جائیگا کھا لینا اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتی جاتی ہے کہ خدا عمر سے ہمارا انصاف لے کہ خود تو پیٹ بھر کر سو رہا اور میں اور میرے یہ تین بچے بھوک کے مارے تڑپ رہے ہیں حضرت عمر نے اسکے اس آخری فقرہ کو سنا آپ اس کے پاس گئے اور دریافت کیا اے عصمت پناہ خاتون تو عمر کی کیوں شکایت کرتی ہے۔ اس نے جھلکر جواب دیا کیا وہ اسی منہ سے خلیفہ بنا ہے کہ ہم تو یہاں تڑپ رہے ہیں اور وہ کھانا کھا کر خواب نوشین میں مبتلا ہوگا حضرت عمر نے دریافت کیا اس دیگچی میں تونے کیا چڑھا رکھا ہے اس نے اور بھی منہ بنا کر جواب دیا خالی پانی چڑھا رکھا ہے تاکہ ان بیتاب بھوکے بچوں کو تسکین ہو اور یہ اسی امید میں کہ اب کھانا پک کر تیار ہوگا شاید صبر کرکے سو رہیں یہ عورت بیچاری پردیسن تھی۔ جو بعد ازاں معلوم ہوا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر واپس آئے میں ساتھ تھا پہلے بنیے کی دوکان پر گئے رات بہت ہو چکی تھی اسلئے دوکان بند تھی پھر آپ اسکے مکان پر تشریف لیگئے اس کو اپنے ساتھ دوکان پر لائے دوکان کھلوائی اور اس سے آٹا گھی وغیرہ لیا پھر گوشت والے کے ہاں تشریف لیگئے پھر لکڑیاں لیں غرض

(۱) طبری جلد چہارم صفحہ ۱۴۰ ۔

پورا سامان لیکر ایک گٹھری میں باندھا اور اپنے کندھے پر اٹھا کر اس عورت کے پاس لیچلے میں نے عرض کیا اے امیر المومنین یہ مجھے دیجئے میں کندھے پر رکھ لوں فرمایا اپنے فرائض کی انجام دہی میرے ہی ذمہ ہے تم میری ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہو۔

بڑی دور تک خود ہی اس بوجھ کو اٹھا کر لیگئے معمول سے زیادہ آپ کی رفتار میں تیزی تھی آپنے سارا سامان عورت کے آگے رکھدیا وہ دیکھکر خوش ہوگئی اور کہا جزاک اللہ خیراً تو مسلمانوں کی خبر گیری میں احق تر ہے۔ پھر حضرت عمر نے اس خاتون سے کہا تو آٹا گوندھ میں سالن پکاتا ہوں میں نے بھی اس کام میں کیقدر آپ کا ہاتھ بٹایا جب کھانا تیار ہوگیا اپنے سامنے اسکو کھلایا اور کہا تو عمر کے حق میں دعا کر وہ تیری حالت سے بیخبر تھا یہ کہکر آپ مدینہ میں تشریف لے آئے۔

جب حضرت عمر کسی کو گورنر صوبہ یا عامل کرکے روانہ فرماتے تھے تو بہت تاکید سے یہ ہدایت کر دیا کرتے تھے کہ تو بھیڑوں میں بھیڑیا بنا کر نہیں بھیجا جاتا بلکہ گوالیا بنا کر روانہ کیا جاتا ہے اللہ تیرے ہر پوشیدہ کام کو دیکھے گا۔ اگر تو نے اپنے آرام کے لئے کوشش کی تو سمجھ لیجو خلقت آرام سے نہیں رہ سکتی تیرا آرام بہت بڑا یہی ہے کہ جس صوبہ کا تو عامل بنکر جاتا ہے وہ آرام اپنی زندگی بسر کرے جو تیری تنخواہ ہے اسی پر قناعت کیجو بیت المال میں سے ایک پیسہ بھی نہ لیجو جس میں تیرا حق نہیں ہے محتاجوں اور غریبوں کی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مدد کیجو خدا و رسول کی خوشی اسی میں ہے

محمد بن جریر طبری روایت کرتا ہے کہ ایک شخص آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اس کا سر نیچا تھا اور کسی سے بات نکرتا تھا۔

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا یہ کون شخص ہے عرض کیا گیا کہ یہ ناسک یعنے مرد نیک ہے آپنے فرمایا "

رحم اللہ عمر انہ کان ناسکا وکان اذا تکلم اسمع واذا مشی اسرع واذا اطعم اشبع واذا ضرب اوجع یعنی خدا عمر پر رحم کرے کہ وہ نیک مرد تھا جب بات کرتا تھا تو آواز سے کہ سنائی دی جب چلتا تھا تیز چلتا اور جب کسی کو کھانا دیتا تھا تو پیٹ بھر دیتا تھا اور جب مجرم کو اسکی سزا دیتا تو درد دینے والی دیتا۔

ایک دن لوگوں نے اسلم سے دریافت کیا کہ تو خزانچی حضرت عمر کے وقت میں رہ چکا ہے تجھے تو خوب معلوم ہوگا کہ حضرت عمر نے کبھی بیت المال میں سے کچھ لیا۔ اس نے جواب دیا کبھی نہیں ہاں ایک حالت میں جب کاموں کی وجہ سے اس سے کام نہ ہو سکتا تھا اور دو تین وقت فاقہ سے گزر جاتے تھے تو بطور قرض کے اپنے کھانے کے موافق بیت المال میں سے لے لیتا تھا اور دو تین دن میں مزدوری کر کے بیت المال میں وہ درہم رکھدیا کرتا اسکے سوا اس نے کبھی ایک درہم بھی نہیں لیا۔ ایک دن آپ بازار میں تشریف لیجارہے تھے کہیں اتفاق سے یاسر بن سلمہ کے پہلو سے دُرہ کی نوک لگ گئی حضرت عمر اپنے دل میں بہت خفیف ہوئے مگر اس وقت خاموش اپنے گھر چلے گئے چند روز کے بعد جب یاسر بن سلمہ حج بیت اللہ شریف جانے لگے تو حضرت عمر سے اجازت چاہی آپنے فوراً اجازت دیدی اُسیدن شب کو تین ہزار درہم لیکر یاسر بن سلمہ کے پاس گئے اور نہایت افسوس سے کہا فلاں دن بھولے سے میرے دُرے کی نوک تیرے پہلو میں لگ گئی تھی اس کا قصاص تو مجھ سے لے سکتا ہے میں خوش ہوں اگر تو مجھے بھی اس دُرے سے مار لے اور جو تو نہیں مارتا تو یہ تین ہزار درہم قبول کر جو اس کا معاوضہ ہے یاسر بن سلمہ نے کہا یا امیر المومنین مجھے تو یاد نہیں کہ کہ ایسا اتفاق کب ہوا تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا تو بھول گیا لیکن میں اپنی خطا کو نہیں بھولا ہوں اور وہ تین ہزار درہم دیکر گھر تشریف لے آئے۔ +

میرے خیال میں جو کچھ میں نے شیخین کے تمدن اور امور جہانداری پر بحث کی ہے وہ

بہت ہی کافی ہے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ شیخین یا اور خلفائے اسلام کی نسبت جو کچھ یورپی محققوں نے لکھا ہے وہ بھی مختصر طور پر درج کردوں تاکہ معلوم ہوجائے کہ خلفائے اسلام کی نسبت یورپیوں کا کیا خیال ہے۔ یوں تو صدہا انگریزی۔ فرانسیسی اور جرمنی کتب خلفا کے حالات میں بھری پڑی ہیں لیکن میں سب سے زیادہ بہتر اور اعلے درجہ کی کتاب تمدن عرب مصنفہ ڈاکٹر موسیو لیبان سے مختصر واقعات معاشرت اور فتوحات خلفا کے نقل کرتا ہوں جو جتنے مختصر ہیں اسیقدر جامع ہیں اور وہ گویا تمام فتوحات اسلام کا خلاصہ ہیں۔ فاضل محقق نے کمال کیا ہے کہ وہ واقعات جو ضخیم جلدوں میں بیان ہوسکیں بہت اختصار کے ساتھ چند صفحوں میں لکھدئے ہیں اور یقیناً ایسی جامع اور مختصر تاریخ ہونی محال ہے۔ اس میں شیخین کی معاشرت کا بھی ذکر ہے۔ اس سچے عشق کا بھی بیان ہے جو شیخین کو حضور انور اور اسلام سے تھا اور غیر مذاہب سے انکی رواداری کا بھی مذکور ہے غرض اس عمدگی سے مختصر و جامع حالات لکھے گئے ہیں کہ پڑھکے کئی صدی کی اسلامی شوکت اور عظمت کا نقشہ کھچ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ شیخین یا اور خلفائے اسلام نے کیا اسکی نظیر اور قوموں میں مشکل سے ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بیان آیندہ صفحہ سے شروع ہوتا ہے۔ ٭

فتوحات صحابہ

خلفائے راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق اُن کی سپاہ گری اور اُس فن حرب کے تھی جسے اُنھوں نے اُس آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے اُنہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بیرحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا جنکی حکومت میں اُنھیں بہت زیادہ آسایش تھی۔ مفتوح اقوام کے ساتھ طریقۂ عمل کیا ہونا چاہیئے نہایت صاف اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابل میں اسلام کو ہرگز بزور شمشیر پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اسکے کہ وہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذہب رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ اُن سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اُن مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پُرانے حکام اُن سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔

کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ اُن کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کی شرائط بھیجا کرتے اور یہ شرائط جنکا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اُسی قسم کی ہوا کرتی تھیں جو عمرو نے ۱۳ ہجری میں باشندگان غزہ کے سامنے جو اُس وقت محصور تھا پیش کی تھیں اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں۔ وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

”ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام نہ قبول کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم میں مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں

شریک ہو جاؤ۔ اس کے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کریں گے۔ لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو اسکے بعد ہم تمہارے بدلے تمام اُن لوگوں سے لڑینگے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے معاہدہ پر مضبوط رہینگے۔ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اُسوقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کرلیں۔"

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اُس مدارات کے مقابل میں جو صلیبوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیں نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپنے سفرونیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپکے ہمراہ چلے۔ اُسوقت حضرت عمرؓ نے منادی کی کہ میں ذمہ دار ہوں باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہونگے۔

جو سلوک عمرؓ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ اُس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی۔ پورا انصاف بلا رو رعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیے جائیں گے اور اُن ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہان یونان اُن سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائے گا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایائے صوبجات میں ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہو گئے اور جزیہ کی رقم انہوں نے پیشگی

ادا کر دی۔ عمال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور انہوں نے اُن رعایا کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطینیہ کے عاملوں کے ہاتھوں سے انواع اقسام کے مظالم سہا کرتی تھیں اسطرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہر گز بزور شمشیر نہیں حاصل ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہر گز یہ کامیابی نہ حاصل کر سکیں۔

عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو اُن کے بعد کے ملک گیروں میں ہر گز نہیں پائی جاتی۔ اور اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا) یا ترکوں وغیرہ کے ملک گیری کی ہے لیکن انہوں نے کبھی کوئی تمدن نہیں قایم کیا اور اُن کی ساری ہمت اسیطرف مصروف رہی ہے کہ جہانتک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اوٹھائیں برخلاف اسکے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور اُنہوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا۔ عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کی سی قدیم اقوام نے اُنکا دین اُن کا لباس اُن کی طرز معیشت بلکہ اُن کا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا۔ عربوں کے بعد بہت اقوام نے انہیں خطوں پر حکومت کی ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اس وقت تک اُن ملکوں میں باقی ہے۔ کل ممالک افریقیہ و ایشیا میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اثر ان ملکوں میں ہمیشہ کے لیے قایم ہو گیا ہے۔ بہت سے نئے ملک گیروں نے اُن ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ ان سے عربوں کے مذہب اور عربوں کی زبان کو ہر گز نہ مٹا سکے اسلام کی کل مفتوحہ اقوام میں اندلس ہی کے باشندے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے کو تمدن عرب کی پابندی سے آزاد کر لیا

لیکن ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہ آزادی اُنھوں نے اپنے ملک کے شدید اور لاعلاج انحطاط کے مولوں خرید کی۔ ✤

خلفائے راشدین جو وقت حضرت رسالت مآب نے ۶۳۲ء میں رحلت فرمائی آپ کی رسالت پوری نہیں ہونے پائی تھی اور انواع و اقسام کے خطرے موجود تھے جن سے خوف ہوتا تھا کہ یہ رسالت ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائے وہ ملکی اتحاد جس کی بنا آنحضرت نے عربستان میں ڈالی تھی محض اتحاد دینی کے سبب سے تھا اور ممکن تھا کہ یہ اتحاد دینی آنحضرت کی وفات کے ساتھ ختم ہو جائے۔ عربوں نے البتہ ایک ایسے رسول کی اطاعت کو جو من جانب اللہ اُن کی ہدایت کے لئے آیا تھا قبول کر لیا لیکن اس رسول کے بعد کچھ ضرور نہ تھا کہ خواہ مخواہ اُس کا کوئی جانشین ہو۔ بہتیرے قبایل عرب جنہوں نے اپنی فطری آزادی اور محکومیت کی جبلّی نفرت کو ایک فرستادہ خدا پیغمبر کی خاطر سے چھوڑ دیا تھا اس پر راضی نہ تھے کہ اُس پیغمبر کے خلفا کی بھی جنکا ذکر خود پیغمبر نے کبھی نہیں کیا تھا اور جنہیں اُس پیغمبر کی تعلیم کو جاری رکھنے کا کوئی حق نہ تھا اطاعت کریں۔ ✤

اور بھی اسباب اس قسم کے تھے جن سے اسلام کے دیجانے کا بڑا خوف تھا حضرت رسالت مآب کی کامیابی کو دیکھکر بہتیرے مسلوب الحواس اشخاص ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے نبوت کا دعوے کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے تقریبا نصف یمن کو مرتد بھی کر لیا اور اگر بعض سچے اور وفادار مسلمانوں نے اُسے بطور خفیہ قتل نہ کر ڈالا ہوتا تو یمن کا بڑا خطہ دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا۔ اسی قسم کے ایک اور شخص نے قرآن میں کچھ سورتیں بڑہانے کا ارادہ کیا تھا اور اس نے اسقدر کامیابی حاصل کی کہ خلفائے اولین کو چند روز تک اُسکا مقابلہ کرنا پڑا۔ غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہتیرے موانع و پیش تھے اور بیشک وہ اصحاب نبی

کی خوش تدبیری ہی تھی جس نے انہیں ان موقع پر کامیاب کیا۔ انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کو انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی اور حقیقت میں پیروان اسلام کسی خلیفہ کی اطاعت نہیں کر رہے تھے بلکہ اُس قانون کی اطاعت کرتے تھے جو اُن کے لئے آسمان سے اُترا تھا اور جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔

خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر (سنہ ۶۳۲ء سے سنہ ۶۳۴ء تک) حضرت عمر (سنہ ۶۳۴ء سے سنہ ۶۴۴ء تک) حضرت عثمان (سنہ ۶۴۴ء سے سنہ ۶۵۵ء تک) اور حضرت علی (سنہ ۶۵۵ء سے سنہ ۶۶۰ء تک) یہ سب حضرت رسالت مآب کے صحابہ تھے اور ان میں پیغمبر خدا کی سخت زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں اور کسی قسم کی شان حکومت اُن میں نہ تھی۔ حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے وقت کل تین چیزیں چھوڑیں۔ ایک جوڑا کپڑے کا جو آپ پہنتے تھے۔ ایک اونٹ جس پر آپ سوار ہوتے تھے اور ایک غلام جو آپ کی خدمت کرتا تھا۔ حین حیات بیت المال سے کل پانچ درہم روزانہ اپنے اذوقہ کے لئے لیا کرتے۔ حضرت عمر بعوض اسکے کہ افواج اسلام کی بیش بہا غنیمتوں میں حصہ لیں۔ محض ایک عبا کے مالک تھے۔ جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ راتوں کو مسجد کی سیڑھیوں پر غربا کے ساتھ سو رہا کرتے تھے۔

عربوں نے نہایت بتدریج سلطنت جمہوری سے سلطنت شخصی تک ترقی کی خلفائے راشدین کے زمانہ تک ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا حضرت علی خلیفہ چہارم خود بہ نفس نفیس ایک عدالت کے سامنے مدعی بنکر آئے اور ایک ایسے شخص پر دعوی کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ

جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمرؓ سے ملنے کے لئے آیا تو حسب اتفاق ایک عرب نے نادانستہ اُسے دھکا دیا۔ اِس بادشاہ نے خفا ہو کر اُسے مارا۔ عرب کی نالش پر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مار لے۔ اِس پر بادشاہ نے کہا "اے امیر المومنین یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عامی شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے"! خلیفہ نے جواب دیا کہ "اسلام کا قانون یہی ہے۔ اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے اور نہ ذات کی۔ ہمارے پیغمبر کی نظروں میں سب مسلمان برابر تھے اور اُن کے خلفا کی نظروں میں بھی یہی مساوات قایم رہے گی"!

اس قسم کا مساوی انصاف زیادہ دنوں نہیں رہا اور خلفائے اسلام بھی بالآخر مثل خود مختار سلاطین کے ہو گئے۔ لیکن آج تک اس امر پر اصرار کیا جاتا ہے کہ از روئے قرآن مجید کل مسلمان آپس میں برابر ہیں +

اوّل خلیفۂ اسلام حضرت ابو بکرؓ تھے۔ جناب رسالت مآب نے اُنہیں ایک مرتبہ اپنے بدلے نماز پڑھانے کا حکم دیا اور یہی وجہ اُن کے انتخاب کی ہوئی۔ اس انتخاب سے کسی قدر باہمی نااتفاقی پیدا ہوئی اور اِس قسم کی نااتفاقیاں ہر ایک خلیفہ کے انتخاب کے وقت وقوع میں آئی گئیں۔ مورخین اسلام کا بیان ہے کہ جسوقت سب صحابہ بیعت کر چکے تو حضرت ابوبکرؓ نے اُن سے کہا "اے بھائیو مجھے تم پر حکومت کرنے کی خدمت سپرد ہوئی ہے اگر میں اچھا کام کروں میری اعانت کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے روکو۔ جس شخص کے ہاتھ میں حکومت ہو اُس سے سچی بات کا کہنا عبادت ہے اور اُس سے سچ کا چھپانا معصیت۔ میرے سامنے قوی اور ضعیف مساوی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے ساتھ بلا رو رعایت انصاف کروں۔ اگر میں کسی وقت بھی اپنے کو حکم خدا و رسول سے منحرف کروں تو اُسی وقت تم لوگ میری اطاعت سے بری الذمہ ہو جاؤ گے"!

حضرت ابوبکر کو سب سے پہلے اُن لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو خلافت کے دعوی دار تھے اور پھر اُن اشخاص سے جو جزیہ سے بچنا چاہتے تھے۔ بہت ہی تھوڑی دنوں میں حضرت ابوبکر کو معلوم ہوگیا کہ سب سے عمدہ طریقہ ان نااتفاقیوں کے بند کرنے کا یہ ہے کہ عربوں کو ملک سے باہر اپنی جبلی جنگ و جدال کی عادت کو کام میں لانے کا موقع دیا جائے اور یہی خوش تدبیری اُن کے بعد کے خلفا نے بھی برتی اور جبتک یہ تدبیر جاری رہی اسلام برابر ترقی کرتا رہا جس روز عربوں کے لئے دنیا میں کوئی ملک فتح کرنے کو باقی نہ رہا اُسی روز اُنہوں نے آپس میں خانہ جنگی شروع کردی۔

یہی خانہ جنگیاں اُن کی نااتفاقیوں کی باعث ہوئیں اور پھر آپس کی نااتفاقیوں نے اُن کے تنزل کی بنا ڈالی۔ فی الواقع عربوں کی قوت قبل اسکے کہ اُس پر دشمنوں کا اثر پڑے خود اُن کے اپنے ہاتھوں سے ضایع و برباد ہوگئی تھی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر ہی کا زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں۔ حضرت ابوبکر کے وقت میں کئی فتوحات شام میں ہو چکی تھیں لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ان ابتدائی لڑائیوں میں مسلمانوں کی شجاعت بہت زیادہ تھی مگر فن حرب کی واقفیت بہت کم۔ اور اسی وجہ سے جبتک اُنہوں نے مثل اپنے مخالفین کے فن حرب میں تعلیم نہیں پائی تھی وہ کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی شکست کھاتے۔ حضرت عمر جس قدر عمدہ منتظم تھے اسی قدر عمدہ سپاہ سالار بھی تھے اور اُنکا انصاف تو ضرب المثل ہے۔

مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ جبوقت حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو آپنے یہ تقریر کی اے سامعین غور سے سنو میری نظروں میں تم میں سے ضعیف سے ضعیف شخص سب سے قوی ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور تم میں سے قوی سے قوی شخص اضعف الناس ہے بشرطیکہ وہ ناحق پر ہو۔

فی الحقیقت مسلمانوں کی سلطنت کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور جس وقت عربوں کے ظلم سے شاہنشاہ ہرقل[۱] شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا چھپا تو اُسے معلوم ہو گیا کہ اب دنیا کی حکومت دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی ۔ +

فتوحات عرب کی مختصر تاریخ اب ہم ایک مختصر سی تاریخ بقید سنین اُن جنگی واقعات کی لکھتے ہیں جو اسلام کے تمدن کے زمانہ میں جس کا قیام آٹھ صدی تک رہا پیش آئے ۔ +

سنہ ہجری کی پہلی صدی ۔ خلفائے اسلام کی ابتدائی فتوحات قدیم بابل کے خطہ میں جہاں ایران کی حکومت تھی اور شام میں جہاں شاہنشاہ مشرق کی عملداری تھی ہوئیں یہ فتوحات حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں شروع ہوئیں ۔ لیکن حضرت عمرؓ کے وقت میں جاری رہیں ۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ بیت المقدس کی فتح کے بعد وہاں آئے شام کا ملک جس میں رومیوں کی سلطنت سات سو برس سے چلی آتی تھی ۔ سات برس کے اندر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا ۔ +

حضرت عمرؓ کی افواج نے بہت جلد عراق عرب اور ایران کو بھی فتح کر لیا ۔ اخیر بادشاہ ساسانی کو تخت سے اُتار دیئے اور اُسکے ملک پر جو اتنے زمانہ دراز سے شاہان شاہ کی ملک چلا آتا تھا ۔ قبضہ کر لینے کے لیئے دو مہینے کافی ہوئے ۔

مغرب میں بھی افواج اسلام نے عمروؓ کی سپاہ سالاری میں (جو علاوہ سپاہی ہونے کے شاعر بھی تھا) بڑی کامیابی حاصل کی ۔ مصر اور نوبیہ دونوں فتح ہوئے اور ۶۴۴ء میں جبکہ حضرت عمرؓ نے وفات پائی ملک اسلام جس کی بنیاد کو بیس سال سے زیادہ نہ گزرے تھے

---

[۱] ہرقل حکومت مشرقی کا شاہنشاہ تھا اور ۶۱۰ء عیسوی میں تخت پر بیٹھا پیدائش ۵۷۵ء عیسوی وفات ۶۴۱ء ۔ مترجم

بہت ہی وسیع ہو چکا تھا۔+

حضرت عثمانؓ جو حضرت عمرؓ کے بعد خلیفہ ہوئے اسی سال سے زیادہ عمر تھے انہوں نے فتوحات کے سلسلہ کو جاری رکھا اور ان کے سپہ سالار ایران کا پورا ملک فتح کر کے قفقاز تک فوج لے گئے اور پھر ہندوستان تک جا پہنچے۔+

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ جناب پیغمبر خدا کے داماد خلیفہ ہوئے (۶۵۵ء) اور انکے وقت میں وہ باہمی نااتفاقیاں اور مقابلے شروع ہوئے جنکی وجہ سے کسی زمانہ میں اسلام کی حکومت معرض خطر میں آگئی تھی۔ پانچ برس کی خلافت کے بعد حضرت علیؓ ایک شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور انہیں پر ان خلفائے راشدین کا خاتمہ ہوا جو آنحضرت کے صحابہ تھے۔+

حضرت علیؓ کے بعد معاویہ کی خلافت شروع ہوئی (۶۶۱ء) اور خاندان خلفائے امیہ کی بنا پڑی۔ ان خلفائے اپنا دارالسلطنت دمشق میں قرار دیا اور سلاطین مشرقی کی شان و شوکت کی تقلید شروع کر دی۔+

معاویہ نے اپنی فوج افریقہ کے شمالی حصہ میں بھیجی اور سمندر تک فتح کرنے کے بعد اسے ایک علیحدہ ولایت قرار دیا۔ اسی زمانہ سے بارہ سو جہازوں نے بحر متوسط کا دورہ کر کے کل جزائر کو فتح کرنے کے بعد جزیرہ صقلیہ پر قبضہ کیا۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ سات برس تک ہوا لیکن بیفائدہ۔ فوج اسلام دریائے جیحوں کے پار ہو گئی اور خلیفہ کے سپہ سالاروں نے اسلام کا جھنڈا سمرقند تک پہنچایا۔+

معاویہ نے بیس سال کی حکومت کے بعد ۶۸۰ء میں وفات پائی لیکن اس کے خاندان میں ابھی خلافت سو برس تک رہنے والی تھی۔ خلفائے امیہ نے ملک گیری کا سلسلہ

جاری رکھا اور ایشیا میں سرحد چین تک اور یورپ میں بحر اٹلانٹک تک جا پہنچے سنہ ۷۱۲ء عرب ابنائے جبل طارق کے پار ہو کر اُندلس پہنچے اور اُسے عیسوی گاتھوں کے ہاتھ سے نکال کر ایک عظیم الشان ملک بنا دیا جہاں اُنکی حکومت آٹھ صدی تک قایم رہی۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں اسلام کا جھنڈا ہندوستان سے لیکر بحر اٹلانٹک تک اور قفقاز سے خلیج فارس تک اُڑ رہا تھا اور منجملہ عیسوی ممالک یورپ کے ایک بہت بڑا ملک اُندلس کا اسلام کی حکومت میں آچکا تھا۔

سنہ ہجری کی دوسری صدی۔ ہجرت کی دوسری صدی میں عربوں کی ملک گیری کسیقدر ترقی پر رہی لیکن زیادہ تر اُنہوں نے اپنے وقت کو اس عظیم الشان حکومت کے انتظام میں صرف کیا۔ فوج اسلام فرانس کے ملک میں دریائے لوار تک پہنچی لیکن چارلس مارٹل سے شکست کھاکر جنوبی فرانس میں نہ ٹھیر سکی۔ تاہم عربوں کا کامل اخراج اس ملک سے شارلمین کے وقت میں ہوا۔

اسی صدی میں دار السلطنت اسلام دمشق سے اٹھکر بغداد میں آگیا جسے المنصور نے سنہ ۷۶۲ء میں بنا کیا تھا اور خلافت بنی اُمیہ کی جگہ پر خلافت عباسیہ قایم ہو گئی (سنہ ۷۵۰ء) یہ خلفا حضرت عباس عم جناب رسالتمآب کی اولاد میں تھے۔ خاندان اُمیہ کا ہر فرد بشر بجز ایک لڑکے کے جو اتفاقاً بچ گیا اور جس نے سنہ ۷۵۶ء میں اُندلس میں ایک خود مختار خلافت قایم کی قتل کر دیا گیا تھا۔

دوسری صدی کے ابتدا ہی میں حکومت اسلام نے وہ وسعت حاصل کر لی جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ حکومت اُسوقت پیرینیز[لہ] اور جبل الطارق سے ہندوستان تک اور سواحل بحر متوسط افریقہ کے ریگستان تک پہنچ گئی تھی۔

لہ یہ وہ پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو فرانس اور اُندلس کے بیچ میں واقع ہوا ہے۔ مترجم

ایشیا کا ہی بہت بڑا حصّہ عربستان کوہستانی سے ترکستان تک اور کشمیر سے تارس تک خلفائے اسلام کے زیر فرمان تھا۔ ایران فتح ہو چکا تھا۔ بادشاہ کابل اور دریائے سندھ کی گھاٹی کے کل رئیس اسلام کے خراج گزار تھے۔ یورپ میں اُندلس کا ملک اور جزائر بحر متوسط افریقہ میں مصر اور کل شمالی حصّہ قانون اسلام کا پابند تھا۔

ملک گیری کا زمانہ اب ختم ہو چکا اور انتظام کا زمانہ شروع ہوا۔ ملک گیران اسلام کی ساری توجہ تمدنی ترقی کی طرف مصروف ہو گئی اور پہلے خلفائے عباسیہ کا وہ زمانہ ہے جسمیں عربوں نے بڑی ترقی کی۔ اُنہوں نے یونان کے علم کو اخذ کیا اور ایک بڑے تمدن کی بناڈالی جسمیں ادب علوم وفنون نہایت زور سے جلوہ نما تھے۔ ہارون رشید کے وقت میں (۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک) علوم وفنون وحرفت وتجارت سب نے نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کی شعرا، علما اور ہر قسم کے اہل کمال اِس خلیفہ کے نام کو جس کی شوکت وعظمت کا نمونہ کتاب الف لیلہ ہے تمام اقطار عالم میں پہنچایا کرتے۔ خود شاہنشاہ قسطنطنیہ اُسے خراج دیتا تھا اور شارلمین شاہنشاہ فرانس نے اُسکے پاس سفارت بھیجی تھی۔ یہی ترقی اور سرسبزی ہارون رشید کے جانشین المامون کے وقت تک قایم رہی۔

لیکن جن وسائل کے ذریعہ سے اِس عظیم الشان حکومت کی مختلف اقوام ایک ہی سردار کے ماتحت تھیں اور وہ وسایل ایسے مضبوط نہ تھے کہ زیادہ دنوں ٹھہر سکتے اور ہم دیکھینگے کہ حکومت اسلام کے آگے چلکر بہت سے ٹکڑے ہو گئے جنمیں سے ہر ایک خود مختار ہو گیا اور ان ٹکڑوں میں بھی اسلامی تمدن کا جلوہ ایک زمانہ دراز تک قایم رہا۔

وہ اسباب جو اس علیحدگی کے باعث ہوے دوسری صدی کے اواخر ہی میں ظاہر ہو چکے تھے لیکن اِن ٹکڑوں کا علیحدہ ہونا تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔

سنہ ہجری کی تیسری صدی۔ حکومت اسلام کے اجزا کا جدا ہونا دور کے اطراف سے شروع ہوا یعنی پہلے قرطبہ میں ایک علیحدہ خلافت قایم ہوئی اور دوسری طرف ایران اور ہندوستان میں اور خود بغداد کے مشرق میں بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں پیدا ہو گئیں تھوڑے ہی دنوں میں دار السلطنت اسلام کے اردگرد خود مختار بادشاہ جمع ہو گئے +

طولون مصری نے اپنی آزادی کو خرید لیا اور ایک خاندان سلطنت کی بنا ڈالی۔ افریقیہ کا ملک بالکل مطلق العنان ہو گیا۔ اندلس میں خلفائے خود مختار کی حکومت پوری طرح سے ہو گئی

سنہ ہجری کی چوتھی صدی۔ مملکت اسلام کے اجزا کی علیحدگی جو مقامی خود مختار حکومتوں کے قایم ہونے سے شروع ہوئی تھی اور اس صدی میں بھی جاری رہی دار السلطنت اسلام بغداد سے اُٹھکر قاہرہ پہنچا۔ اگرچہ اس قدیم حکومت گاہ میں بہت کچھ رونق تھی لیکن عربوں کے تمدن کا اصلی مسکن اس وقت اندلس میں تھا۔ طلیطلہ غرناطہ۔ قرطبہ کے مشہور دار العلوموں میں تمام دنیا کے طالب العلم جمع ہوئے تھے جن میں خود عیسائی یورپ کے طلاب بھی شریک تھے

سنہ ہجری کی پانچویں صدی۔ اس صدی میں دو بہت بڑے واقعات پیش آئے۔ یعنی پہلی جنگ صلیبی اور سلجوقی ترکوں کا سلطنت اسلام میں دخیل ہونا ان کی سرگزشت یہ ہے کہ پہلے لڑائی میں قید ہو کر ترکستان سے آئے۔ اُسکے بعد بغداد میں خلیفہ کے دروازہ پر اُنکا خاص پہرہ مقرر ہوا۔ اُنہوں نے بتدریج قوت پکڑی اور قبضہ کیا اور اسکے بعد قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا اور تمام شام کا ملک فتح کر لیا۔ اُنہوں نے عربوں کا انصاف اور رواداری کی جگہ اپنی تعصبانہ حکومت قایم کی اور مذہب عیسوی کی بالکل ممانعت کر دی اور زائرین بیت المقدس پر انواع و اقسام کے ظلم کئے +

یورپ جو ایک مدت سے مسلمانوں کی ملک گیری کو ہیبت کی نظر سے دیکھ رہا تھا

اب حرکت میں آیا۔ کچھ تو پیٹر ہرمٹ[51] کے وعظ نے اور کچھ پوپ اربن[52] دوم کی عام دعوت نے پہلی جنگ صلیبی کی بنا ڈالی (۱۰۹۵ء) نصرانیوں کے غول کے غول فلسطین پر چڑھ دوڑے اور اسے فتح کرلیا۔ یہانتک کہ گاڈفری بوئیان[53] نے بیت المقدس میں ایک چندروزہ حکومت بھی قایم کرلی۔

اسی صدی میں اسلامی خاندان سلطنت جزیرہ صقلیہ سے خارج کیا گیا اور عیسائیوں نے اندلس میں بھی کسی قدر کامیابی حاصل کی الفانس قسطیلوی کا طلیطلہ کو لے لینا ان فتوحات کی ابتدا ہے جنکا ظہور چار صدی بعد ہوا۔

سنہ ہجری کی چھٹی صدی۔ نصرانیوں نے جو کامیابی مشرق میں حاصل کی تھی اس نے ان کی جرات بڑھا دی اور ۱۱۴۷ء میں ایک دوسری جنگ صلیبی کی ابتدا ہوئی۔ لیکن یہ جنگ اور اسکے مابعد کے کل اور حملے جو بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھین لینے کے لیے ہوئے ناکام رہے۔ صلاح الدین[54] مصر کے مشہور بادشاہ نے فلسطین کو فتح کرلیا اور

---

۵۱ پیٹر ہرمٹ ایک فرانسیسی راہب تھا۔ اس نے ۱۰۹۵ء میں پہلی جنگ صلیبی کی ترغیب دی اور صلیبیوں کے ساتھ فلسطین گیا۔ مترجم ۱۲

۵۲ پوپ اربن دوم ۱۰۸۸ء میں پوپ ہوا۔ سال وفات ۱۰۹۹ء۔ مترجم ۱۲

۵۳ گاڈفری بوئیان فرانسیسی ڈیوک تھا۔ اس نے ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا اور بادشاہ بنایا گیا۔ سال پیدائش تقریباً ۱۰۶۰ء سال وفات ۱۱۰۰ء مترجم ۱۲

۵۴ صلاح الدین۔ سلطان مصر و شام۔ اس کا خاندان کرد تھا اور یہ اپنے چچا نور الدین کے ساتھ مصر آیا نور الدین مصر کا وزیر اعظم ہو گیا اور ساری حکومت اسکے ہاتھ میں آگئی۔ ۱۱۷۳ء میں اسکے مرنے کے بعد صلاح الدین مصر کا بادشاہ ہوا اور اس نے شام کو بھی ضم کرلیا۔ ۱۱۸۷ء میں اس نے فلسطین پر چڑھائی کی اور طبریہ کے مقام پر صلیبیوں کو شکست دی۔ سال ولادت ۱۱۳۷ء سال وفات ۱۱۹۳ء مترجم ۱۲

نصاریٰ کو بالکل خارج کر دیا۔ اگرچہ اسکے بعد ہی ۱۱۸۹ء تیسری جنگ صلیبی ہوئی جس میں بادشاہ فرڈرک[1] باربروسا اور فلپ آگسٹس اور رچرڈ شیر دل کے سے بڑے بڑے بادشاہ شریک تھے لیکن پھر بھی یہ ملک صلاح الدین ہی کے ہاتھ میں رہا۔

سنہ ہجری کی ساتویں صدی۔ اس صدی میں اور بھی کئی صلیبی جنگیں اسلام کے خلاف ہوئیں لیکن ان سب میں یورپ کو ناکامی ہوئی چوتھی جنگ میں جو ۱۲۰۴ء میں ہوئی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے عوض میں صلیبیوں نے عیسوی دارالسلطنت قسطنطینیہ کو لوٹا اور وہاں ایک نئی شرقی حکومت قایم کی جس کی وہی حالت ہوئی جو حکومت بیت المقدس کی اسکے قبل ہو چکی تھی۔ اسکے بعد کی چار صلیبی جنگیں بھی بالکل ناکام رہیں۔ ساتویں جنگ میں سنٹ لوئی[2] مقید ہوگیا اور ایک خطیر جرمانہ دینے کے بعد رہا کیا گیا۔ آٹھویں جنگ میں وہ بیچارہ تونس کی دیواروں کے نیچے طاعون سے مرگیا اگرچہ اُسے برابر یہی وہم تھا کہ اس نے تونس کے حاکم کو عیسائی بنالیا ہے۔

یہ اخیر جنگ صلیبی تھی۔ یورپ پر ظاہر ہوگیا کہ ابھی اُس میں اسقدر قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرے اور اسکے بعد فلسطین کو فتح کرنے کی کوئی اور کوشش نہیں ہوئی اسلام کا جھنڈا برابر ان مقامات مقدسہ پر اُڑتا رہا اور اسوقت تک اُڑ رہا ہے۔

جس زمانہ میں کہ عرب اپنے مغربی دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے اور جس مقابلہ میں وہ پوری طرح کامیاب نکلے ایک نیا دشمن مشرق کی طرف پیدا ہو رہا تھا۔ چنگیز خاں کے مغل تاتار کے صحراؤں سے نکلکر ایشیا کے ملکوں پر حملہ کر رہے تھے۔ اُنہوں نے چین و ایران و ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ء میں بغداد کو فتح کیا اور اُس خاندان عباسیہ کو جسکی حکومت پانسو برس سے

---

[1] یہ تینوں جرمنی اور فرانس اور انگلستان کے ہمعصر بادشاہ تھے ۱۲

[2] سینٹ لوئی۔ لوئی نہم فرانس کا بادشاہ۔ اسکی سلطنت کا زمانہ ۱۲۲۶ء سے ۱۲۷۰ء تک تھا مترجم

چلی آئی تھی تمام کر دیا۔ ○

اگرچہ یہ مغل بھی ترکوں سے کم وحشی نہ تھے لیکن ان میں ایک درجہ تک تمدن کے اختیار کرنے کی صلاحیت تھی۔ عربوں کی طرح انہوں نے خود تو کوئی تمدن قایم نہیں کیا لیکن انہوں نے عربوں کے تمدن کو اختیار کر لیا۔ عربی بادشاہوں کی حکومت مشرق زمین سے اٹھ گئی۔ لیکن اُن کا تمدن ان ممالک پر حکومت کرتا رہا۔ مشرق سے نکالے جانے کے بعد عربوں نے اپنی ساری قوت کو مصر اور اندلس میں مجتمع کیا۔ ○

سنہ ہجری کی آٹھویں صدی۔ آٹھویں صدی کی تاریخ ترکوں اور مغلوں کی باہمی لڑائیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اِن میں سے ہر ایک عربوں کی حکومت مشرقی کا دعویدار تھا۔ خود عربوں کے لئے انحطاط کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ ○

سنہ ہجری کی نویں صدی۔ اسمیں عربوں کی حکومت اور اُن کے تمدن کا پورا اخراج اندلس سے ہو گیا جہاں اُس نے تقریباً آٹھ سو برس قیام کیا تھا۔ ۱۴۹۲ء عیسوی میں فرڈیننڈ اُن کے آخر سلطنت غرناطہ پر قابض ہو گیا اور اُس کے بعد قتل عام اور اخراج عام کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو اُس کے جانشینوں کے وقت تک جاری رہا تیس لاکھ عرب یا تو جان سے مارے گئے یا اخراج کر دیئے گئے اور وہ ساری اسلامی ترقی جس کا پرتو آٹھ سو برس سے یورپ پر جلوہ فگن تھا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ ○

سنہ ہجری کی دسویں صدی۔ اس صدی میں عربوں کی دنیاوی حکومت کا پورا خاتمہ ہو گیا اور محض اُن کا دین اور ان کا تمدن اور اُن کی زبان رہ گئی جو اس وقت تک مشرق میں بہت کچھ رائج ہے اُن وحشیوں کی طرح سے جنہوں نے رومیوں کو شکست دی تھی عربوں کو شکست دینے والی اقوام نے بھی یہ کوشش کی کہ اُن کے کام کو جاری رکھیں

اور قسطنطینہ کے جھنڈے پر مشرق صلیب کی جگہ اسلام کا چاند اور ستارہ قایم ہوگیا اور اُس نے تمام عیسائی یورپ کو تہلکہ میں ڈال دیا۔

لیکن وہ ترک جنہوں نے عربوں کا ملک فتح کیا سپاہی تو اچھے تھے مگر ان میں مطلق وہ اوصاف نہ تھے جو ایک قوم کو ترقی کی حالت میں پہنچاتے ہیں۔ عربوں کے تمدن کو ترقی دینا تو علیحدہ ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ جو کچھ ان کو عربوں سے ملا تھا اُسے علیٰ حالہ قایم رکھتے۔ عربی مثل ہے کہ جس زمین پر سے ترک گزر جائے وہاں کوئی درخت نہیں اُگتا اور فی الواقع یہ سچ ہے۔ ہمیں اس کتاب کے ایک دوسرے باب میں معلوم ہوگا کہ ان نئے ملک گیروں کے ہاتھ سے عرب کی قدیم حکومت کی کیسی مٹی خراب ہوئی (میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا)۔

فیصلہ

دنیا کی جتنی متمدن اقوام گزری ہیں ان میں صدہا قسم کے بادشاہ اور وزیر ہوئے لیکن کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ صدہا سال گزرنے پر بھی اُنکے ماننے والوں میں عداوت رہی اور وہ ایک دوسرے کو بری نظروں سے دیکھتے رہیں۔ مذہبی لڑائیاں عیسائیوں میں بھی ہوئیں اور آپس میں اس بیرحمی کا برتاؤ کیا گیا کہ ابھی تک اُسکا بیان خوف سے پڑھا جاتا ہے کیتھلک اور پروٹسٹنٹ کی لڑائیاں اور باہمی دشمنی یہ سب ہوئی اور اب بھی ہو رہی ہے لیکن یہ عداوت جو سنی اور شیعی گروہوں میں پیدا ہو گئی کسی متمدن قوم میں نہیں دیکھی گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جن صحابہ کیلئے یہ کٹا چھنی ہے وہ باہم متفق تھے اگرچہ معاملات جہانداری یا استنباط مسائل میں اُنمیں اختلاف ضرور تھا لیکن یہ اختلاف لازمہ قانون قدرت اور طبع انسانی کے موافق تھا اور ایسا اختلاف سبب ترقی انتظام اور سرسبزی ملک ہے مگر دلی عداوتیں جو ہمیشہ کم ظرف اور

دنی النفس لوگوں کا خاصہ ہے نعوذ باللہ انہیں مطلق دشمنی نہ تھی اور وہ مثل سگے بھائی آپس میں ملکے رہتے تھے۔ ان میں مسائل کی بابت گفتگو بھی ہوا کرتی تھی اور بحث کو طول بھی کچھ جاتا تھا گفتگو میں گرمی اور تیزی بھی آجاتی تھی مگر صفائی قلب کی یہ کیفیت تھی کہ ادھر بحث ختم ہوئی اور پھر وہی بھائی چارہ اور محبت موجود ہے کسی قسم کی ملکی یا مذہبی مسئلہ کی نسبت مخالفت اُن میں ہرگز عداوت پیدا نہ کرسکتی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کسی متمدن اور شائستہ ملک کے رہنے والے نہ تھے نہ فرشتے اور پیغمبر تھے کہ کسی خطا اور فروگذاشت کا اُن سے احتمال ہی نہ ہوتا اُنہیں عرب کی وہی آتش خیز روحیں موجود تھیں اور بات بات پر بھڑک اُٹھنا یہ اُنکی معمولی معاشرت میں داخل تھا اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت کا پرتو ان پر پڑ چکا تھا اور اسلام کی پوری برکتیں انہیں حاصل ہو چکی تھیں پھر بھی وہ انسان تھے اور جو انسانی لوازمات ہیں سب اُنکی ذات سے چسپاں تھے۔ یہ ممکن بلکہ یقینی ہے کہ معاملات جہانداری میں مثل اور شہنشاہان عالم کے اُنسے بھی اغلاط سرزد ہوئی ہیں۔ بہت سی باتیں اس قسم کی کیں جو قابل اعتراض ہو سکتی ہیں مگر اس قسم کی غلطیوں سے کسی متنفس کی ذات مبرا نہیں ہے معاملات دنیا میں خود شافع محشر شہنشاہ دوجہان نے غلطی کی اور اس غلطی کا بیان صحیح احادیث میں موجود ہے یہ کوئی بات نہیں ہے ہم اسکے قائل ہیں کہ خواہ پیغمبر ہو یا ولی یا ہو انسانی کمزوری اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے اور جو کمزوری کہ انسان کی ذات میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی ہے وہ کبھی نہیں جا سکتی اور نہ دنیا کی کوئی قوت اسکو کھو سکتی ہے حضور انور نے کھجور کے معاملہ میں صاف فرما دیا تھا کہ اگر معاملات دنیا میں کچھ رائے دوں تو اپنی مصلحت دیکھ لو ہاں دینی معاملہ میں میری سنو اور اسپر عمل کرو۔

جو باتیں یا غلط کاریاں شیعی کتب میں شیخین یا اور صحابہ کی بیان کی گئیں ہیں اگر فرض کرلیں

کہ وہ سب کی سب صحیح ہیں تو بھی یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ آیا کوئی صحابی بھی ایسا ہے جو ان معائب سے بچا ہوا ہو اور اُسکی ذات کے ساتھ ان میں سے کوئی بات چسپاں نہ ہو مسلمانوں کا کوئی گروہ اپنے پیشواؤں یا اُن لوگوں کو جنپر اُسکا اعتقاد ہے تواریخ یا مذہبی کتب سے معصوم نہیں ثابت کر سکتا۔ اپنے خیال میں ایک شخص کو تمام خدائی صفتوں سے متصف کر دینا اور دوسروں کو اُنکے واقعی اوصاف سے محروم کر دینا اور بات ہے لیکن تواریخی محک پر رکھنے کے بعد اُنکا حسن و قبح کھولنا یہ دوسری بات ہے۔ بڑی بحث سنّی شیعوں میں یہ ہے کہ حق خلافت حضرت علی کا بلکہ کل اہلبیت کا تھا اور حضرت علی کے ہوتے دوسرے شخص کو شایاں نہ تھا کہ وہ خلیفہ بنایا جاتا اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ حق خلافت حضرت علی کا تھا تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ وہ کونسا حق تھا جس سے حضرت علی خلیفہ بنائے جاتے۔ قرآن مجید میں کسی صحابی کا نام نہیں ہے اور نہ کسی کی خلافت پر بحث کی گئی ہے کہ حضور انور کا جانشین فلان شخص ہو۔ دین اسلام کی تکمیل کی خوشخبری خداوند تعالی نے قرآن شریف میں دیدی ہے جب یہ تکمیل حضور انور ہی کے زمانہ میں ہو چکی پھر دینی معاملہ میں کسی اور شخص کی ضرورت نہ تھی کہ وہ امام یا خلیفہ بنکے کوئی جدید بات پیدا کر سکتا۔ ہاں دنیاوی معاملات میں ضرور ہی ایک شخص کی حاجت تھی کہ وہ مسلمانوں کا امیر بنکے انکی حفاظت کرتا اور دین اسلام کی اشاعت اُسکے ذریعہ سے ہوتی۔ حضور انور نے اپنی زندگی میں اپنے جانشین کی بابت کوئی فیصلہ نہیں کیا اس فیصلہ نہ کرنیکی سوائے اسکے کوئی وجہ نہ تھی کہ آپکو دینی لحاظ سے اپنا جانشین بنانیکی ضرورت نہ تھی نبی کا جانشین غیر نبی نہیں ہو سکتا اور چونکہ نبوت حضور انور پر ختم ہو چکی تھی اسلیئے آیندہ نبی کی ضرورت سے مخلوق خدا سبکدوش کر دی گئی تھی۔ دنیا کا قاعدہ ہے جب اپنا جانشین کوئی مقرر کرتا ہے تو مثل اپنے دیکھ لیتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میری طرح کل اختیارات سیاہ و سفید کے اسے حاصل ہونگے اور یہی شخص میرے مثل ہوگا حضور انور اپنی مثل کوئی اپنا جانشین

نہ مقرر فرما سکتے تھے کیونکہ ایک تو نبوت آپ پر ختم ہو چکی تھی اور دوسرے آپکا کوئی مثل نہ بن سکتا تھا مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان کا یہ قول نقل کیا ہے وہم مثلے نیست باآن شہ مرا" بس یہی وجہ جانشین نکرنے کی یہ ہوئی - کوئی صاف روایت ایسی ملتی ہے نہ سنی نہ شیعی کتابوں میں کہ حضور انور نے باضابطہ اپنا جانشین کسی کو بنایا ہو - رہا یہ کہ حضرت علی کی نسبت یہ کہنا کہ میرا ولی اور وصی ہے یا حضرت صدیق اکبر کو اپنے بجائے امام بنا دینا یہ محض محبت اور بزرگانہ عنایتیں تھیں جانشینی کو اس سے کچھ بھی بحث نہیں ہو سکتی - جانشینی کے خاص قاعدے عرب میں جاری تھے جو بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنانے میں برتے - اگر آنحضرت کو بھی اپنا جانشین نامزد کرنا ہوتا تو ضرور آپ بھی باقاعدہ کسی کو نامزد فرماتے اور اسکا اعلان عام مسلمانوں میں دیا جاتا - لیکن حضور انور نے ایسا نہیں کیا رہا اخیر وقت دوات قلم اور چمڑے کا مانگنا اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور کچھ دینی ہدایات لکھنا چاہتے تھے جیسے آپ نے اپنی وفات سے پہلے زبان مبارک سے فرمائی تھیں مگر جب یہ آواز آئی خواہ وہ آواز حضرت عمر نے دی ہو یا کسی اور صحابی نے کہ کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے تو آپ چپ ہو رہے اور پھر دوبارہ دوات قلم نہیں مانگی - اگر یہ کہیں کہ اسوقت وصل باری کی تیاری ہو رہی تھی اور چونکہ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا تھا اسلئے حضور نے زیادہ توجہ نہیں فرمائی یہ استدلال بالکل غلط ہے فرائض نبوت یا جانشینی کی تکمیل کرنے کیلئے ایسا نازک وقت نہیں ہوا کرتا اگر آپکو یہ منظور ہوتا تو اپنے زمانہ صحت میں اسکا انتظام فرما سکتے تھے مگر آپکو یہ منظور نہ تھا نہ آپ اپنا جانشین کسیکو مقرر فرما سکتے تھے نہ آپکا جانشین کوئی بن سکتا تھا کسی نبی کا جانشین غیر نبی نہیں ہو سکتا - آپنے خلیفہ کا انتخاب محض مسلمانوں پر چھوڑ دیا اور پھر بعد ازاں مسلمانوں نے جسے چاہا اپنا خلیفہ بنایا - یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت علی کو خلیفہ بننے کی آرزو تھی لیکن قوم نے حضرت صدیق اکبر کے آگے انہیں خلیفہ نہیں تسلیم کیا پھر آپکی وفات ہو گئی اور آپ کا

فرض تھا کہ آپ اپنا جانشین تجویز کرتے کیونکہ آپ دنیادی لحاظ سے خلیفہ تھے اور اپنا مثل دوسرے کو تجویز کر سکتے تھے آخر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور پھر آپ کو خلیفہ کا انتخاب ایسی حالت میں کرنا پڑا کہ آپ کا پیٹ چاک ہو چکا تھا اور خون جسم سے بہت نکل چکا تھا آپکے پاس انتخاب خلیفہ کا وقت نہیں رہا تھا اسلیئے آپنے پانچ آدمیوں کو نامزد کیا جنمیں ایک حضرت علی دوسرے حضرت عثمان تھے لیکن قوم نے حضرت علی کا انتخاب نہیں کیا حضرت عثمان کی شہادت ہوگئی تو حضرت علی خلیفہ بنائے گئے گویا تین خلفا کے بعد آپ کی باری آئی۔

اب یہ دیکھنے کی بات ہے اگر حق خلافت کوئی چیز بھی سمجھا جائے تو بھی آپکو خلافت ملگئی اور آپ ہمیشہ کے لئے خلافت سے محروم نہیں ہوئے۔ جو واقعات کہ دنیا کی اور سلطنتوں میں ہوئے وہی مسلمانوں میں ہوئے کوئی نئی بات نہیں ہوئی یہ شور و غوغا صرف اسلئے ہوا ہے کہ ان ملکی واقعات کو مذہبی جامہ پہنا دیا ہے رہا حق خلافت یہ ایک سرے یا دعویٰ ہے حضور انور کی جانشینی کا حق کسیکو بھی حاصل نہیں تھا صرف بات کا بتنگڑ بنگیا ہے اصل اس جھگڑے کی کچھ بھی نہیں ہے ایسے معاملہ میں گفتگو کرنا جو خلاف حق ہو طرفین کی سخت غلطی ہے رہا مذہبی دائیوں کا طومار یہ ایک بے معنی دفتر ہے جسکو تمدن عرب اور طبایع عرب سے تو کیا عقل انسانیت سے بھی کچھ نسبت نہیں ہے جب کسیکا حق مسلم ثابت نہیں ہوتا پھر اُسکے لئے جدوجہد کرنا فضول امر ہے شیعی سنیوں کا جھگڑا محض حق خلافت پر ہے جب حضور انور کی جانشینی ہی جاتی رہی پھر حق خلافت اور غصب حق خلافت کوئی چیز نہیں رہا۔

مختصر یہ ہے کہ حضور انور کے خلفا نے خواہ حضرت ابوبکر ہوں یا حضرت عمر حضرت عثمان ہوں یا حضرت علی جو کچھ کیا ایسا کیا کہ ابتک یورپ اُنکا مداح ہے اُنکی پاکبازی اور سچی شیدائی اسلام ہونے کی سب نے شہادت دی ہے اور کل مسیحی محقق آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں کسی سلطان یا شہنشاہ کے ایسے فدائی وزیر نہیں ہوئے وہ سب بھائی چارہ کی زنجیر میں کسے ہوئے تھے

اور اُن میں سگے بھائیوں سے زیادہ محبت تھی ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنا عزیز وقت ایک کے طرفدار اور ایک کی مخالفت میں گزاریں ان میں تو کوئی رنجش نہ تھی اور ہر ایک اُن میں سے ایک دوسرے پر جان دیتا تھا - جو کچھ مجھے لکھنا تھا لکھ چکا میرے خیال میں شیخین کے حالات اسقدر کافی ہیں - اب تک جتنی کتابیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کے حالات میں طبع ہوئی ہیں اُن میں ایک ہی رخ دکھایا گیا ہے یعنی سنیوں کی کتابوں سے بحث کی گئی ہے اور تمام سنی روایات لکھی گئی ہیں مگر میں نے ایسا نہیں کیا سب سے پہلے میں نے شیعی معتبر کتابوں سے موافق و مخالف حالات نقل کئے ہیں اور پھر سنیوں کی کتابوں سے مضامین اخذ کئے ہیں تاکہ ناظر کتاب کو طرفین کی تحقیق اور خیالات کا پورا علم ہو جائے اور ایک آزاد خیال شخص جانچ سکے کہ یہ روایتیں کیا پایہ رکھتی ہیں - اور کہاں تک واجب التسلیم ہیں ۔

میں نے خلافت شیخین کوئی مذہبی کتاب نہیں لکھی میری غرض اس کتاب لکھنے سے کوئی مذہبی جھگڑا کھڑا کرنے کی نہیں ہے بلکہ میرا دلی مدعا یہ ہے کہ ہمارے شیعی بھائی اپنی معتبر کتب کی روایتوں کو بغور پڑھکے غالباً اختلاف روایات کی وجہ خود سمجھیں گے اور اُن روایتوں کو غور سے پڑھیں گے جو شیخین کی تعریف میں درج ہیں ممکن ہے کہ اُن کے دل میں نرمی پیدا ہو اور وہ آیندہ شیخین کی نسبت بُرے خیالات لکھنے سے احتراز کریں - جدید تعلیم یافتہ شیعی نوجوانوں سے بہت بڑی اُمید ہے کہ وہ انصاف سے دیکھکے کچھ فائدہ اس کتاب سے حاصل کرینگے اور آیندہ سنی اور شیعہ مثل بھائیوں کے گلے ملجائیں گے خدا سے اُمید ہے کہ میری یہ مراد بر آئے گی اور میری محنت ٹھکانے لگے گی ۔ والسلام ۔

پروسپکٹس یعنی اشتہار

دی اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی یعنی اسلامی کتب اور
یورپی زبانون کے تراجم (متعلق باسلام) شائع کرنے کا کارخانہ

سرمایہ کمپنی باختیارات ایزادی

مبلغ پچیس ہزار روپیہ

منقسم بر حصص تعدادی پچیس سو (۲۵۰۰) فی حصہ مبلغ دس (۱۰) روپیہ ہی شرط
ادائیگی فی حصہ ہمراہ درخواست یکمشت بروقت منظوری درخواست
ادا کیا جائے گا۔ زر مابقا کا کچھ حساب نہین

میرزا حیرت۔ مالک و اڈیٹر کرزن گزٹ منیجنگ ڈائریکٹر و سکرٹری کمپنی ہذا

دفتر کمپنی۔ کوچہ پنڈت شاہ گنج دہلی؛

اس اسلامیہ کمپنی نے ایک ایسا کارخانہ قایم کیا ہے جس مین اکثر اسلامی کتب کی اشاعت دی جائے گی۔ تمام دینیات کی عربی کتب کے ترجمے نہایت بامحاورہ اُردو مین کیئے جائین گے اور اُنہین اعلی پیمانہ پر طبع کرا کے بہت ہی کم قیمت پر فروخت کیا جائے گا۔ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح عمری سے لیکے کل صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین مجتہدین۔ محدثین۔ مفسرین وغیرہ کی وقتاً فوقتاً سوانح عمریان طبع ہوتی رہین گی۔ اور ساتھ ہی جرمنی۔ فرانسیسی اور انگریزی اسلامی کتب کا ترجمہ بھی ہوتا رہے گا۔ جس سے مسلمانون کو بہت بڑا فائدہ پہونچے گا۔ اس وقت یہ کمپنی قرآن مجید طبع کر رہی ہے۔

زبان اردو جسکے شائع کی یہ کوشش کی جارہی ہے اپنا سکہ محض اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی کے طفیل سے ہندوستان مین بٹھالے گی۔ عام طور پر مسلمانون کے ہاتھ وہ وہ کتابین لگین گی جو ابھی تک جرمنی۔ فرانسیسی یا انگریزی ذخائر مین چھپی ہوئی ہین۔ ہماری اس کمپنی سے ہندوستان کے لایق مصنفین اور مترجمین کو تصنیف اور ترجمہ کا حوصلہ ہوگا۔ اور انہین ان کی محنت کا کافی معاوضہ دیا جائیگا صحاح ستہ کا دوبارہ نظر ثانی کر کے اور اچھی طرح بامحاورہ اُردو ترجمہ کر کے پارہ پارہ شایع کیا جائے گا اور جگہ جگہ ادق مضامین کا حل بھی کیا جائے گا۔ اسیطرح کل فقہی کتب کے نئے سر سے جدید ترجمے کئے جائین گے۔

تھوڑی غور کے بعد ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس کمپنی سے مسلمانون اور اُن کے مذہب کو کتنا بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے اسیلئے ایک حصہ کی **قیمت صرف دس روپیہ** رکھی ہے تاکہ ہر شخص بہ قیل و قال خرید کر سکے۔ نہ اس کارخانہ کے لئے بڑی تنخواہ والے انجنیر کے ولایت سے بلانے کی ضرورت ہے اور نہ زر خطیر خرچ کر کے کلون کے لینے کی حاجت ہے۔ فی الحال صرف دہلی کے ڈھلے ہوئے پریسون پر کام ہوگا اور یہ پریس کلون سے زیادہ بہتر کام دین گے۔

غرض حصہ دارون کے سرمایہ مین سے ایک پیسہ بھی بیکار صرف نہوگا۔ ہمین خدا کی ذات سے بہت بڑی امید ہے کہ اس اسلامی کام مین ہمین بہت بڑا فائدہ ہوگا اور جہان تک غور کیا جاتا ہے نقصان کی اس مین کوئی صورت نظر نہین آتی۔

اگر بہت اطمینان کی بات جو کسی کمپنی مین آجتک نہین ہوئی وہ یہ ہے اگر کسی حصہ دار کو اپنے خیال مین نقصان معلوم ہو تو وہ اپنے **حصص یا حصہ کو کرزن گزٹ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے** اور کرزن گزٹ اس کا ذمہ دار ہے کہ معاً درخواست پہنچتے ہی اُسکا کل روپیہ اُسے ارسال کر دے۔ اور یہ ہر حالت مین قواعد مجریہ کی پابندی ہوگی۔ اس سے زیادہ حصہ دارون کا اور کسی بات مین بھی اطمینان ممکن نہین۔ اس کمپنی کو لمیٹڈ اس وجہ سے نہین کرایا گیا ہے تاکہ کسی کارروائی کا اثر عام حصہ دارون پر نہ پڑے اور ہر حالت مین کرزن گزٹ ہی ذمہ دار رہے اور حصہ دار ہر طرح سے بالکل مبرا رہین۔

کمپنی کا انتظام براہ راست میرزا حیرت مالک و اڈیٹر کرزن گزٹ سے تعلق رکھتا ہے وہ خود اسکے منتظم بھی ہین اور ذمہ دار بھی ہین دو تین سال کے بعد ہی معلوم ہو جائیگا کہ اس اسلامیہ کارخانہ نے کتنی کتب دینی طبع کرائین اور کسقدر منافع حصہ دارون مین تقسیم کیا۔ **ہم خرما و ہم ثواب** کے یہی معنی ہین اصل رقم محفوظ جب چاہین طلب کر سکتے ہین اور بہر دین کی امداد اور اسلامی کتب کی اشاعت مین معاونت۔ خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ اسکا سرمایہ **مبلغ پچیس ہزار روپیہ** بہت جلد جمع ہو جائیگا بڑی خوشی کی بات ہے کہ کمپنی نے ابتدائی ششماہی مین منافع پندرہ روپیہ فیصدی سالانہ کے حساب سے حصہ دارون مین تقسیم کر دیا ہے۔ انشاء اللہ جو تیسری ششماہی کو بھی اسی کامیابی سے منافع کی تقسیم ہوگی حصہ ابھی فروخت ہونے باقی ہین اور اس سے بہتر موقع مسلمانون کیلئے اور مل نہین سکتا گو انکی رقم محفوظ جب چاہین طلب کر لین اور پھر پندرہ روپیہ فیصدی سالانہ منافع دینا بہت کم ایسی تجارتین ہین جن مین اتنا فائدہ کثیر ہو ششماہی گزشتہ کی رپورٹین تیار ہین جو درخواست آنے پر روانہ ہو سکتی ہین قرآن مجید معہ ترجمہ اور تفسیر کے چھپنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس مقدس کام مین بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ قرآن مجید کمپنی ہی کے روپیہ سے شائع کیا جاتا ہے۔ اب بھی موقع ہے کہ مسلمان اسکے حصے خریدین حصہ صرف دس روپیہ کا اسی لئے رکھا ہے کہ ہر شخص بآسانی شریک ہو سکے اور جب اسے ضرورت ہو فوراً اپنے حصہ کا روپیہ لیلے۔ الحمد کہ حصص کا روپیہ برابر آرہا ہے اور امید ہے کہ چند ماہ مین پچیس ہزار روپیہ کے حصے پورے ہو جائین گے۔ جہانتک ممکن ہو حصے خریدنے مین جلدی کرنی چاہیئے۔ **میرزا حیرت سکرٹری کمپنی ہذا۔**

DATE DUE

This book is due on the date last stamped. A fine of 1 anna will be charged for each day the book is kept over time.